تہذیب الاخلاق جلد اول

یعنی عالی جناب نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید مہدی علی صاحب بہادر منیر نواز جنگ مصنف کتاب آیات بینات وغیرہ کے کل مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق گذشتہ ہفت سالہ از ابتدائے ۱۲۸۷ھ لغایت سنہ ۱۲۹۳ ہجری۔ یہ ہی مضامین ہیں جنہوں نے مسلمانوں میں اپنی صداقت سے ایک غیر معمولی ترقی کا جوش پھیلایا۔ اور یہ ہی مضامین ہیں جن کی تلاش ایک مدت سے خیر خواہان قوم و ملک کو تھی۔ مگر افسوس کہ ان کو میسر نہ آئے۔ اب ہم نے نہایت کوشش سے بہم پہنچا کر شائع کر دئیے ہیں۔ بہت عمدہ ولایتی کاغذ پر چھپی ہوئی کتاب ہے۔ اور اس میں ۳۷ نہایت دلچسپ مضامین ہیں۔ اگر کوئی شخص اسلام سے واقفیت حاصل کرنی چاہے یا اردو انشا پردازی اور معلومات کا ذخیرہ جمع کرنا چاہے تو اس سے اور کوئی کتاب اس کو نہ ملیگی۔ ضخامت ۴۰ صفحے قیمت ـــــ عا

تہذیب الاخلاق جلد دوم

عالی جناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان صاحب بہادر رفاقتہ کے گذشتہ ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کے مضامین جن کی قوم کو از حد ضرورت تھی از ابتدائے ۱۲۸۷ھ لغایت ۱۲۹۳ھ چھپ کر تیار ہو گئے ہیں۔ آپ میں سر سید کے وہ مضامین ہیں جن کے پڑھنے سے ایک قسم کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ تعداد میں یہ مضامین ایک کم سو ہیں۔ اخلاقی اور تمدنی مضامین کا مخزن ہیں۔ اسلامی مسائل سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے ایک کورس۔ مضامین نگاری کے لئے ایک اتالیق۔ اردو لٹریچر کی جان۔ یہ ہی دلچسپ مضامین ہیں جن کی بدولت سے سر سید کو کامیابی ہوئی۔ یہ ہی سچے اور دلفریب آرٹیکل ہیں جنہوں نے سر سید کا بول بالا کیا۔ مسلمانوں کو خواب غفلت سے جگایا۔ اسلام اور اسلامی ہمدردی کا سبق دیا۔ ان مضامین کے پڑھنے سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اصلاح قوم میں سر سید کو کس قدر رکاوٹیں اور تکلیفیں پیش آئی ہیں۔ مفصل حالات کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوں گے۔ اہل ملک کو عموماً اور اہل اسلام کو خصوصاً اس کتاب کے مطالعہ کی کہاں تک ضرورت ہے یہ امر کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہو جاویگا۔ ایک ضخیم کتاب ۶۳۲ صفحے پر نہایت خوشخط اور عمدہ چھپکر تیار ہے۔ قیمت ـــــ ملہ

تہذیب الاخلاق جلد سوم

یعنی عالی جناب نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی صاحب بہادر مرحوم کے جملہ مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق ہفت سالہ از ابتدائے ۱۲۸۷ ہجری لغایت سنہ ۱۲۹۳ھ۔ مضامین کیا ہیں ایک گوہر بے بہا ہیں۔ نواب صاحب مرحوم کی لیاقت اور تحریر کو کون نہیں جانتا۔ تمام ہندوستان کے بڑے بڑے فلسفہ دان لوہا مان گئے۔ آپ صرف عربی و انگریزی کے ہی فاضل نہ تھے بلکہ فرنچ، لیٹن، عبرانی اور سنسکرت سے بھی کما حقہ واقف تھے۔ آپ نے اپنے مضامین میں یہ سب جگہ ظاہر کر دیا ہے کہ مسلمانوں میں ایسے اشخاص بھی موجود ہیں جو ہر زبان کے اشخاص کو اسلام سے واقف کر سکتے ہیں اور نہ واقف ہی کر سکتے ہیں بلکہ سبق سکھا سکتے ہیں۔ ان مضامین میں اکثر جگہ مصنف مرحوم نے عبرانی اور انگریزی حروف میں حاشیے لکھے ہیں جو ہم نے بجنسہ چھپوا دئیے ہیں۔ نہایت عمدہ کتاب چھپ گئی ہے اور مقبول عام ہوئی ہے۔ قیمت ـــــ عـ۸ر

تہذیب الاخلاق جلد چہارم

اس مجموعہ میں جناب مولوی مشتاق حسین صاحب وقار الملک انتصار جنگ۔ جناب مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی۔ جناب سید محمود صاحب۔ جناب شمس العلماء مولانا مولوی ذکاء اللہ صاحب۔ جناب [illegible] اللہ صاحب کے تمام مضامین ہیں۔ ان کی تعریف صرف اسی قدر کافی ہے کہ تمام اہل ملک مندرجہ بالا اصحاب سے واقف ہیں اور ان کی تصانیف کے خریدار ہیں۔ تمام اہل ملک ان لوگوں کے رتبہ اور قدر و جاہ و منزلت و فضیلت سے بخوبی واقف ہیں۔ مضامین کیا ہیں ایک جادو ہے جو دلوں کو تسخیر کئے لیتا ہے۔ اس مجموعہ کے چھپ جانے سے تہذیب الاخلاق کی چاروں جلدیں ہفت سالہ مکمل ہو گئیں۔ نہایت عمدہ کاغذ اور خوشخط۔ قیمت ـــــ ۱۲ر

قومی ماتم

یعنی جواد الدولہ عارف جنگ نجم الہند آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان صاحب بہادر مرحوم و مغفور کی تمام زندگی کے حالات مع مجموعہ قطعات تاریخ وفات۔ مراثی و نوحہ جات جو تمام ہندوستان میں آج تک چھپے ہیں بڑے لائق اور نکتہ رس صاحبان نے مرحوم کی وفات حسرت آیات پر لکھے ہیں۔ قیمت ـــــ ۸ر

احکام طعام اہل کتاب

مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کے ساتھ کھانا کھانے کی بابت اسلامی احکام۔ اس میں سر سید مرحوم نے نہایت معتبر احادیث اور قرآن پاک کی آیات جمع کر کے اس پر بحث کی ہے۔ نہایت خوبی سے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ قرآن پاک اور نبی عرب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں اس معاملہ میں کیا تعلیم دی ہے۔ قیمت ـــــ ۶ر

سر سید مرحوم و مغفور کے آخری مضامین

وہ عالی قدر اور مقدس مضامین ہیں جو مرحوم سر سید نے ابتدائے شوال ۱۳۱۳ھ لغایت ذیقعدہ ۱۳۱۵ ہجری تک نہایت دلسوزی کے ساتھ لکھے اور آخر کار مضمون لکھتے لکھتے ہی ہم سے دائمی مفارقت کر کے اپنے مالک حقیقی کی طرف تشریف لے گئے۔ راقم نے اس خیال سے کہ یہ گوہر بے بہا ضائع نہ ہو جاویں نہایت تلاش اور تجسس سے جمع کر کے طبع کرائے۔ وہ یہ مضامین ہیں جو قوم کے نام نامی پر [illegible] عمر بھر سر سید کو [illegible] کرتا رہا۔ [illegible] اپنے بیگانے کا ہدف تیر ملامت بنا۔ سختیاں سہتا رہا۔ برے بول سنتا رہا۔ کبھی دیوانہ کبھی مجنوں۔ پر حرف شکایت لب تک نہ لایا۔ کہا تو یہی کہا کہ رب اھد قومی انہم لا تعلمون۔ قوم کی یاد میں جیا قوم کی دھن میں مرا۔ اور جب قومی کے [illegible] میں حامی القوم کے درجے کو پہنچا۔ اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ قوم اس عطیہ کی کہاں تک قدر کرتی ہے۔ علاوہ محصولڈاک قیمت ـــــ عہ

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيفَةً وَّدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِينَ (۲۰۴) إِنَّ الَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيُسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ (۲۰۵)	اور یاد کر اپنے پروردگار کو جی میں عاجزی اور خوف سے بکار کر بات کرنے کی بہ نسبت دھیمی بات سے صبح کو اور شام کو اور تو نہ ہو غفلت کرنے والوں میں سے (۲۰۴) بیشک جو لوگ تیرے پروردگار کے قریب ہیں وہ تکبر نہیں کرتے اس کی عبادت سے اور اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کے لئے سجدہ کرتے ہیں (۲۰۵)

طرف راجع ہے بعض مفسرین، ھم، کی ضمیر کو جو اخوانھم، میں ہے شیطان کی طرف راجع کرتے ہیں اور مفرد کی طرف ضمیر جمع کا راجع ہونا باعتبار جنس کے سمجھتے ہیں اور جو ضمیر، ھم، کی، یمدونھم، میں ہے اس کو، الذین اتقوا کی طرف پھیرتے ہیں۔ اور، یمدون، کے معنی امداد کے لیتے ہیں ✦

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ، اخوانھم، کے معنی ہیں اخوان الشیاطین یعنی شیاطین مدد کرتے ہیں

ان المعنی واخوان الشیاطین یمدون الشیاطین فی الغی وذلک لان شیاطین الانس اخوان الشیاطین الجن فشیاطین الانس یغرون الناس فیکون ذلک امدادا منھم لشیاطین الجن علی الاغواء والاضلال۔ والقول الثانی ان اخوان الشیاطین ھم الناس الذین لیسوا متقین فان الشیاطین یکونون مددا لھم فیہ والقولان مبنیان علی ان لکل کافر اخا من الشیاطین۔

تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۵۱ ✦

شیاطین کی نافرمانی میں اور یہ بات اس طرح پر ہے کہ شیطان آدمی بھائی ہیں شیاطین جن کے پھر شیطان آدمی لوگوں کو بہکاتے ہیں اور اس سے مدد ملتی ہے شیاطین جن کو بہکانے پر اور گمراہ کرنے پر۔ دوسرا قول یہ ہے کہ شیطانوں کے بھائی وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار نہیں ہیں پس شیاطین اُن کے لئے بطور مدد کے ہیں اور یہ دونوں قول اس یقین پر بنی ہیں کہ ہر ایک کافر کا ایک شیطان بھائی ہوتا ہے ✦

مگر یہ تفسیر وہمی اور خیالی ہے۔ یہ کہدینا تو آسان ہے کہ ہر ایک کافر کا ایک شیطان بھائی ہوتا ہے مگر جب اس کا ثبوت چاہو تو بجز خیال و وہم کے کچھ نہیں۔ میرے نزدیک آیت کے معنی بہت صاف ہیں اور نہ، یمدون، کے معنی اس مقام پر امداد کے ہیں، اخوانھم، کی ضمیر اور یمدونھم، کی ضمیر الذین اتقوا، کی طرف راجع ہے آیت کے معنی نہایت صاف ہیں کہ پرہیزگار آدمیوں کے دل میں جب کوئی وغدغہ آتا ہے تو خدا کو یاد کرتے ہیں اور اُن کے بھائی بند اُن کو گمراہی میں کھینچ لیجانے میں کچھ تقصیر نہیں کرتے ✦

تم الجلد الثالث من تفسیر القرآن

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ (٢٠٠) وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ (٢٠١) وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ (٢٠٢) وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (٢٠٣)

بیشک جو لوگ پرہیزگاری کرتے ہیں جب اُن کو چھوتا ہے وغدغہ شیطان کا تو (اللہ کو) یاد کرتے ہیں پھر وہ ہیں سوچنے والے (٢٠٠) اور اُن کے بھائی اُن کو کھینچتے ہیں نافرمانی میں پھر کچھ کمی نہیں کرتے (٢٠١) اور جب تو اُن کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتا تو کہتے ہیں کہ کیوں نہیں تو اُس کو بنا لاتا۔ کہدے اے پیغمبر کہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ میں تابعداری کرتا ہوں اُس کی جو وحی بھیجی گئی ہے میرے پاس میرے پروردگار سے۔ یہ دلیلیں تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں (٢٠٢) اور جب قرآن پڑھا جاوے تو تم اُس کو سنو اور چپ رہو شاید کہ تم رحم کئے جاؤ (٢٠٣)

شکر ہے کہ بعض مفسرین نے بھی قریباً قریباً اسی مطلب کی طرف رجوع کی ہے امام فخر الدین رازی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ جب خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اچھے کاموں کا حکم دیا تو کبھی یہ ہوتا ہے کہ ایک بیوقوف اپنی بیوقوفی ظاہر کر کے طبیعت کو بھڑکا دیتا ہے اس وقت کے لئے خدا نے اُس کے مقابلہ کرنے کے عوض سکوت اختیار کرنا فرمایا اور کہا کہ منہ پھیر لے جاہلوں سے اور یہ بات ظاہر ہے کہ بیوقوف کا اس طرح پیش آنا غصہ اور غضب کو بھڑکا دیتا ہے اور انسان درست حالت پر نہیں رہتا۔ ایسی حالت میں شیطان کو موقع ملتا ہے انسان کو نہ کرنے کی باتوں کے کر بیٹھنے پر برانگیختہ کرنے کا۔ اس لئے خدا تعالے نے ایسی بات بتا دی جو اس مرض کے علاج کی جگہ ہے اور کہا کہ پناہ مانگ اللہ سے۔ یہ تمام تقریر امام صاحب کی وہی ہے جو ہم نے لکھی ہے صرف وہ فقرہ اس تقریر کا جس پر ہم نے لکیر کردی ہے مہمل ہے اگر وہ خارج کر دیا جاوے تو امام صاحب کی تحریر اور ہماری تقریر میں کچھ فرق نہیں ہے تعجب یہ ہے کہ جب خود امام صاحب نے لکھا ہے کہ غصہ کی حالت میں انسان درست حالت پر نہیں رہتا تو پھر شیطان کو بلانے کی کیا حاجت رہی تھی ۔

وتقریر الکلام انه تعالٰی لما امره بالمعروف وعند ذلك ربما هيج سفيه ويظهر السفاهة وعند ذلك امره تعالٰی بالسكوت عن مقابلته فقال واعرض عن الجاهلين ولما كان من المعلوم ان اقدام السفيه يهيج الغضب والغيظ ولا يبقى الانسان على حالة السلامة وعند تلك الحالة يجد الشيطان مجالا في حمل ذلك الانسان على ما لا ينبغي لاجرم بين تعالٰی ما يجري مجرى العلاج لهذا المرض فقال فاستعذ بالله ۔
تفسیر کبیر جلد سوم صفحہ ٤٤٩

(٢١) (واخوانهم يمدونهم) اس آیت کی تفسیر میں صرف اس قدر بیان کرنا ہے کہ ہم کی ضمیر کس کی

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۶﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۱۹۸﴾ وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

اور جو لوگ کہ پکارتے ہیں اوروں کو اللہ کے سوا وہ اُن کی مدد نہیں کر سکتے اور نہ وہ اپنی آپ مدد کرتے ہیں (۱۹۶) اور اگر تو اُن کو بلاوے ہدایت کی طرف تو وہ نہیں سُننے کے اور تو اُن کو (یعنی بتوں کو) دیکھتا ہے تیری طرف نظر کر رہے ہیں اور وہ دیکھتے نہیں (۱۹۷) درگذر کو اختیار کر اور اچھے کاموں کے کرنے کا حکم کر اور مُنہ پھیر جاہلوں سے (۱۹۸) اور اگر بھڑکاوے تجھ کو شیطان کا بھڑکانا تو پناہ مانگ اللہ سے بیشک وہ سُننے والا ہے جاننے والا (۱۹۹)

من الشیطان نزغ" پھر مفسرین نے اس کے جواب میں بہت سی تقریریں اور تاویلیں کی ہیں جو نہایت سرد و پژمردہ ہیں لیکن اگر ٹھیک مطلب سمجھا جاوے تو آیت کی تفسیر میں کوئی مشکل و دقت نہیں ہے +

یہ بات مذہب اسلام کے ہر فرقہ میں مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی انسانوں کی مانند بشر ہیں جیسے کہ خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے فرمایا ہے کہ "انا بشر مثلکم یوحی الی" پس جو مقتضائے بشریت ہے اُس سے انبیاء علیہم السلام بھی خالی نہیں ہیں انبیاء میں اور عام انسانوں میں یہ فرق ہے کہ انبیاء اُس تقاضائے بشری کو روک لیتے ہیں اور اُس پر غالب آجاتے ہیں اور عام انسان اُس سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور وہ اُن پر غالب ہو جاتا ہے۔ اس آیت سے اوپر کی آیت میں خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا تھا کہ جاہلوں سے درگذر کر اور اُن سے اپنا مُنہ پھیر لے یعنی کافر جو نالائق باتیں کرتے ہیں اُن سے درگذر کرنا چاہیئے۔ مگر ایسی باتوں سے رنج ہونا یا غصہ آنا ایک امر طبعی و مقتضائے بشری ہے اس لئے خدا نے فرمایا کہ اگر تجھ کو ایسا امر پیش آوے تو خدا کو یاد کر اور خدا کی طرف متوجہ ہو تا کہ وہ رنج یا غصہ جو مقتضائے بشریت آیا تھا دب جاوے اور غالب نہ ہونے پاوے۔ اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیت میں شیطان کے لفظ سے صاف اشارہ اُس قوت غضبیہ کی طرف ہے جو انسانوں میں اور انبیاء میں بھی بمقتضائے خلقت بشری موجود ہے۔ کون کہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کبھی رنج نہ ہوتا تھا یا کبھی غصہ نہ آتا تھا مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اپنے کمال نفس سے خدا کی طرف توجہ کرنے سے رنج دُور فرماتے تھے اور غصہ کو دبا دیتے تھے اور قوت غضبیہ کو اپنے پر غالب نہ ہونے دیتے تھے۔ یہ آیت علانیہ ثابت کرتی ہے کہ قرآن مجید میں شیطان کا لفظ اُنہی قوا پر جو بمقابلہ قوائے ملکوتیہ کے انسانوں میں بمقتضائے فطرت و خلقت انسانی کے ہیں اطلاق ہوا ہے نہ کسی ایسے وجود خارجی پر جو خدا کے مقابل اور اُس کا مد مخالف ہو پس آیت میں کوئی ایسی مشکل نہیں ہے جس سے ذات پاک رسول مقبول پر کوئی منقصت آسکے +

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٩٣﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنظِرُونِ ﴿١٩٤﴾ إِنَّ وَلِيِّيَ اللَّهُ الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿١٩٥﴾

جو لوگ کہ پکارتے ہیں اَوروں کو اللہ کے سوا (وہ بھی) مثل تمہارے خدا کے بندے ہیں پھر اُن کو پکارو پھر وہ تم کو جواب دینگے اگر تم سچے ہو (۱۹۳) کیا اُن کے لئے (یعنی بتوں کے لئے) پاؤں ہیں اُن سے وہ چلتے ہیں۔ کیا اُن کے لئے ہاتھ ہیں اُن سے وہ پکڑتے ہیں۔ کیا اُن کے لئے آنکھیں ہیں اُن سے وہ دیکھتے ہیں۔ کیا اُن کے لئے کان ہیں اُن سے وہ سُنتے ہیں۔ کہدے اے پیغمبر بلاؤ اپنے شریکوں کو (یعنی جن کو خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو) پھر میرے ساتھ مکر کرو اور مجھ کو مہلت مت دو (۱۹۴) بیشک میرا دوست اللہ ہے جس نے اُتاری کتاب اور وہ دوستی کرتا ہے نیک کام کرنے والوں سے (۱۹۵)

وتارۃ الی الکواکب کما ھو قول المنجمین وتارۃ الی الاصنام والاوثان کما ھو قول عبدۃ الاصنام ثم قال تعالٰی تتعالی اللہ عما یشرکون ای تنزہ اللہ عن ذلک الشرک وھذا جواب فی غایۃ الصحۃ والسداد ۔
تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۴۳ ✤

اللہ نے اچھا صحیح سالم بیٹا دیا تو خصم جورو اس میں جو خدا نے اُن کو دیا خدا کا شریک کرنے لگے۔ کیونکہ کبھی تو اُس لڑکے کے پیدا ہونے کو طبیعت کے سبب سے کہتے ہیں جیسے کہ قول اُن لوگوں کا ہے جو طبیعت کو خالق حقیقی مانتے ہیں۔ اور کبھی اُس کے ہونے کو ستاروں کے اثر سے منسوب کرتے ہیں جیسے کہ نجومیوں کا قول ہے۔ اور کبھی دیوتاؤں اور بتوں کی طرف منسوب کرتے ہیں جیسے کہ بتوں کے پوجنے والوں کا طریقہ ہے۔ اس کے بعد خدا نے فرمایا کہ پاک ہے اللہ اس بات سے جس سے وہ شرک کرتے ہیں۔ پس اس سے ظاہر ہے کہ قفال بھی اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ اس آیت میں نفس واحدہ سے حضرت آدم مراد ہیں۔ اخیر کو امام فخرالدین رازی نے لکھا ہے کہ یہی بات صحیح اور مضبوط ہے ✤

علمائے متقدمین نے جو محقق ہونے کا درجہ رکھتے تھے ہر ایک امر کو محقق طور پر بھی بیان کیا ہے و الاعظین کے سبب سے لغو و بیہودہ قصے زیادہ تر مشہور ہو گئے ہیں اور محققین کی رائیں جو عام پسند نہیں ہوتیں مشہور نہیں ہوئیں۔ فتدبر ✤

(۱۹۹) (واما ینزغنک) اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کو بڑی دقت پڑی ہے۔ کیونکہ وہ شیطان کو ایک جداگانہ مخلوق خارج از انسان اور خدا تعالےٰ کا مخالف اور لوگوں کو بدی و نافرمانی پر رغبت دینے والا اور بہکانے والا کفر و شرک میں ڈالنے والا قرار دیتے ہیں۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو شیطان بہکا نہیں سکتا اور اُس کا بلا اثر ذرا سا بھی انبیاء پر نہیں ہوتا۔ پھر کیونکر خدا نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا کہ "واما ینزغنک

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۲﴾	اور اگر تم اُن کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو تمہاری تابعداری نہ کرینگے ۔ تمہارے لئے برابر ہے خواہ تم اُن کو بلاؤ یا تم چپکے ہو رہو ﴿۱۹۲﴾

اس آیت میں نہ حضرت آدم کا ذکر ہے نہ حضرت حوا نہ من نفس واحدۃ سے کوئی شخص یا کوئی خاص شخص مراد ہے ۔ اسی آیت کے بعد "عما یشرکون" کا لفظ بصیغہ جمع آیا ہے جس سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ "نفس واحدۃ" سے شخص واحد مراد نہیں ہے ۔ آیت کے معنی بہت صاف ہیں خدا فرماتا ہے کہ مَیں نے تم کو اور تمہاری عورتوں کو جان واحد سے پیدا کیا ہے یعنی مرد و عورت سب میں ایک ہی جان ہے ۔ دونوں خدا ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں مگر مشرکوں کا یہ حال ہے کہ جب اُن کی عورتوں کو حمل رہتا ہے تو خدا سے دُعا مانگتے ہیں کہ نیک یا بے نقص لڑکا پیدا ہو پھر جب پیدا ہوتا ہے تو خدا کے ساتھ اَوروں کو شریک کرتے ہیں ۔ کسی کا نام ۔ عبدلات ۔ اور کسی کا عبد منات ۔ اور کسی کا ۔ عبد العزےٰ وغیرہ رکھتے ہیں اور خدا کے سوا بتوں اور لوگوں کے بندہ ہونے کے نام سے موسوم کرتے ہیں ۔ پس اس میں مشرکین کی عام حالت شرک کا بیان ہے ۔ آدم یا حوا کے پیدا ہونے اور پہلوٹا بیٹا جننے سے اور شیطان کے جھوٹے قصہ اور اُس کے حضرت حوا کو بہکانے سے کچھ تعلق نہیں ہے ✣

بعض مفسرین کی بھی یہی رائے ہے جو مَیں نے بیان کی ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں قفال کا یہ قول لکھا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بطور ضرب المثل کے اس قصہ کی تمثیل دی ہے کہ یہ حالت مشرکین کی جہل اور کفر اور شرک کی حالت ہے گویا خدا یہ فرماتا ہے کہ وہی اللہ ہے جس نے پیدا کیا ہر ایک شخص کو تم میں سے ایک جان سے اور اُسی کی جنس انسان سے اُس کا جوڑا بنایا جو انسانیت میں اُس کی برابر ہے پھر جب وہ دونوں آپس میں ملتے ہیں اور حمل ہو جاتا ہے تو خصم جورو اپنے پروردگار سے دعا مانگتے ہیں کہ دے ہم کو بیٹا اچھا صحیح سالم تاکہ ہم تیری عنایتوں اور نعمتوں کے شکر کرنے والوں میں سے ہوں ۔ جب اُن کو

قال القفال انه تعالےٰ ذکر هذه القصة علےٰ سبیل ضرب المثل وبیان ان هذه الحالة صورة حالة هؤلاء المشرکین فی جهلهم وقولهم بالشرک وتقریر هذا الکلام کانه تعالےٰ یقول هو الذی خلق کل واحد منکم من نفس واحدة وجعل من جنسها زوجها انسانا یساویه فی الانسانیة فلما تغشی الزوج زوجه وظهر الحمل دعا الزوج والزوجة ربهما لئن اٰتیتنا ولدا صالحا سویا لنکونن من الشاکرین لالائك ونعمائك فلما اٰتاهما الله ولدا صالحا سویا جعل الزوج والزوجة لله شرکاء فیما اٰتاهما لانهم تارة ینسبون ذلك الولد الی الطبائع کما هو قول الطبائعیین

فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۱﴾	پھر جب خدا نے اُن کو بھلا چنگا (لڑکا) دیا تو اُنہوں نے اُس میں جو اُن کو دیا گیا تھا خدا کے لئے شریک بنائے۔ پھر اللہ اعلیٰ تر ہے اُس سے جس کو شریک کرتے ہیں ﴿۱۹۰﴾ کیا وہ (خدا کے ساتھ) اس کو شریک کرتے ہیں جو کچھ نہیں پیدا کر سکتا اور خود پیدا کئے جاتے ہیں۔ اور اپنے پوجنے والوں کے لئے مدد نہیں کر سکتے اور نہ اپنی آپ مدد کر سکتے ہیں ﴿۱۹۱﴾

فرعون کے پاس لایا مگر اُس نے کسی کو قبول کیا، فانسلخ منہا، جس کی طرف اشارہ ہے۔ اور ایک جگہ خدا تعالیٰ نے فرعون کی نسبت فرمایا ہے ” ولقد اریناہ ایاتنا کلھا فکذب وابیٰ “ یعنی ہم نے فرعون کو سب نشانیاں دکھلائیں پھر اُس نے جھٹلایا اور انکار کیا۔ یہ دونوں آیتیں ایک سی ہیں اور ان دونوں کے ملانے سے ثابت ہوتا ہے کہ الذی سے فرعون کی طرف اشارہ ہے جس کا قصہ اس قابل تھا کہ لوگوں کو عبرت دلانے کے لئے اُس کے بیان کرنے کو کہا جاوے جیسا کہ متعدد جگہ قرآن مجید میں اُس کا بیان آیا ہے۔ تفسیر کبیر میں بھی لکھا ہے کہ ” وجاز ان یکون ھذا الموصوف فرعون فانہ تعالیٰ ارسل الیہ موسیٰ وھارون فاعرض وابی وکان عادیا ضالا متبعا للشیطان “ یعنی ہو سکتا ہے کہ الذی کا موصوف فرعون ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے پاس موسےٰ وہارون کو بھیجا اور اُس نے نہ مانا اور وہ گمراہ تابع شیطان تھا۔

﴿۱۸۹﴾ (ھو الذی خلقکم من نفس واحدۃ) اکثر لوگ سمجھتے ہیں اور بعض مفسرین کی بھی یہی رائے ہے کہ ” نفس واحدۃ “ سے حضرت آدم مراد ہیں اور ” وجعل منہا زوجہا “ سے حضرت حوا جو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئی تھیں۔ اس امر کے قرار دینے کے بعد تفسیروں میں حضرت حوا اور شیطان کا قصہ لکھا ہے جو قریب زمانہ وضع حمل کے واقع ہوا اور اُس کے بہکانے سے حضرت حوا و حضرت آدم نے اپنے پہلوٹھے بیٹے کا نام عبد الحرث یعنی عبد الشیطان رکھا۔ یہ سمجھ اور یہ قصہ بالکل لغو اور غلط ہے امام فخر الدین رازی نے بھی تفسیر کبیر میں اس سے انکار کیا ہے اور اُس کے باطل ہونے پر چھ دلیلیں قایم کی ہیں اور اخیر کو لکھا ہے کہ ” فثبت بھذہ الوجوہ ان ھذا القول فاسد ویجب علی العاقل المسلم ان لا یلتفت الیہ “ یعنی یہ قصہ غلط ہے اور مسلمان کو اس پر التفات کرنی نہیں چاہیئے۔

لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّاهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيفًا فَمَرَّتْ بِهِ فَلَمَّا أَثْقَلَتْ دَعَوَا اللَّهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا صَالِحًا لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ (۱۸۹)	تاکہ رہے اُس کے پاس۔ پھر جب ڈھانک لیا اُس نے اُس کو تو وہ بوجھل ہوگئی تھوڑے سے بوجھ سے پھر اُسی کے ساتھ (یعنی اُسی بوجھ کے ساتھ) چلی گئی (یعنی وہ بوجھ اس میں رہتا رہا) پھر جب وہ بھاری ہوگیا تو دونوں نے اپنے پروردگار سے دعا مانگی کہ دے ہم کو (لڑکا) بھلا چنگا تاکہ ہم ہوں شکر کرنیوالوں میں سے (۱۸۹)

کیا ہے جو اصلی معنی اُس لفظ کے ہیں ❖

یہ ترجمہ اوروں نے بھی اختیار کیا ہے تفسیر کبیر میں ابو مسلم کا یہ قول لکھا ہے اتنناہ ایاسا ای بینا ھا فلم یقبل وعری منھا۔ یعنی ہم نے اپنی نشانیاں اُس کے سامنے ظاہر کیں پھر اُس نے قبول نہ کیا اور اُن سے علیحدہ ہوگیا۔ ظاہر کرنے اور پاس لانے کا ایک ہی مطلب ہے ❖

دوسری بحث اس میں یہ ہے کہ، الذی، سے کون شخص مراد ہے اور یہ قصہ کس کا ہے۔ قرآن مجید میں اُس شخص کا نام نہیں بتایا گیا اِس لئے مفسرین نے اپنے قیاس کے مطابق متعدد نام لکھے ہیں اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ الذی سے بلعم باعور مراد ہے جس کا بہت بڑا قصہ توریت سفر اعدا د باب بست و دوم و بست وسوم و بست و چہارم میں مذکور ہے اُن بابوں سے پایا جاتا ہے کہ وہ نبی تھا اور خدا سے ہم کلام ہوتا تھا پھر بت پرست ہوگیا اور بنی اسرائیل کو بھی بت پرستی پر مائل کیا علاوہ اس کے بہت بڑا اُس کا قصہ ہے آخرکار بنی اسرائیل نے اُس کو مار ڈالا۔ ہمارے علماے مفسرین نے اُسی قصہ کو اپنی تفسیروں میں لکھ دیا۔ مگر توریت میں اُس کا قصہ ایسے طور پر لکھا ہے کہ کسی طرح تسلیم کے قابل نہیں ہے ❖

بعض مفسروں کا قول ہے کہ، الذی، سے اُمیہ بن ابی صلت مشہور شاعر عرب مراد ہے جو پہلے اس آیت کا قائل تھا کہ ایک نبی ہونے والا ہے مگر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو ایمان نہ لایا اور کافر مرا۔ بعضوں کا قول ہے کہ ابی عامر الراہب مراد ہے جس نے منافقوں کو ورغلا کر مسجد ضرار بنوائی تھی۔ مگر اُن دونوں کا قصہ ایسا نہیں ہے کہ قرآن مجید میں بطور ایک قصہ عظیمہ قابل عبرت کے اُس کا ذکر کیا جاوے۔ پس ہم کو خود قرآن مجید پر غور کرنا اور اُسی سے الذی کے مشارٌ الیہ کو تلاش کرنا چاہئے ❖

جہاں تک قرآن مجید سے مستنبط ہوسکتا ہے اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں الذی سے فرعون کی طرف اشارہ ہے۔ ہم نے ابھی ثابت کیا ہے کہ اٰتیناہ کے معنی اُس کے پاس لانے کے ہیں جس کی تعبیر ابو مسلم نے بینا ھا سے کی ہے۔ خدا تعالے نے بہت سی نشانیاں

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْۗءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا

کہدے (اے پیغمبر) کہ مجھ کو اپنے نفس کے لئے بھی نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت نہیں ہے بجز اُس کے کہ جو خدا چاہے ۔ اور اگر مَیں غیب کی بات جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں اکٹھی کر لیتا اور کبھی مجھ کو بُرائی نہ چھوتی ۔ مَیں کچھ نہیں ہوں بجز ڈرانیوالے اور خوشخبری دینے والے کے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں ﴿۱۸۸﴾ وہی ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور پیدا کیا اُس سے اُس کا جوڑا

﴿۱۷۴﴾ (واتل علیھم نبا الذی اتینٰہ) اس آیت میں جو لفظ اتینا کا ہے وہ غور طلب ہے ۔ صحاح جوہری میں لکھا ہے کہ ، الاتیان المجئی ، یعنی ایتان کے معنی آنے کے ہیں اور جب وہ متعدی کیا جاوے تو اُس کے معنی لانے کے ہو جاتے ہیں چنانچہ صحاح میں ہے کہ ، اٰتاہ ای اتا بہ ومنہ قولہ تعالیٰ اتنا غداءنا ای ائتنا بہ ، یعنی اٰتاہ کے معنی ہیں اتا بہ یعنی متعدی کے جس کے معنی ہوئے لایا اُس کے پاس یا اُس کے سامنے اور قرآن مجید میں خدا نے فرمایا ہے ، اٰتنا غداءنا ، یہ متعدی ہے اور اُس کے معنی ہیں لا ہمارے صبح کے کھانے کو ہمارے پاس ۔ اور اُس کے معنی دینے کے بھی آتے ہیں جس سے کسی شے کا جس کو دی گئی ہے اُس کے قبضہ میں ہو جانا یا اُس کو اُس کا حاصل ہو جانا اور مستقر ہو جانا مفہوم ہوتا ہے مثلاً اگر ہم کہیں کہ ہم نے ایک اشرفی زید کو دی تو اُس سے مفہوم ہوتا ہے کہ وہ اشرفی اُس کے قبضہ اور ملکیت میں ہو گئی ۔ اور جب یہ کہیں خدا نے فلاں شخص کو علم دیا تو اُس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ علم اُس کو حاصل ہو گیا اور اُس میں مستقر ہو گیا ۔ پس اب بحث یہ ہے کہ ان دونوں معنوں سے یہاں کون سے معنی مراد ہیں ۔ مَیں کہتا ہوں کہ پہلے معنی مراد ہیں اور دوسرے معنی مراد نہیں ہیں بلکہ نہیں ہو سکتے اس لئے کہ اسی آیت میں آگے لکھا ہے ، فانسلخ منہا ، یعنی جس شخص کو خدا نے اپنی نشانیاں عطا کی تھیں اور اُس کو حاصل اور اُس میں مستقر ہو گئی تھیں وہ اُن سے نکل گیا ۔ اور یہ بات کسی طرح تسلیم کے قابل نہیں ہے کہ جس کو خدا نے اپنی حکمت اور اپنی نشانیاں عطا کی ہوں جو درحقیقت نبوت کا درجہ ہے (یہاں تک کہ بعض مفسرین نے ، اٰتیناہ ایاتنا ، کے لفظ سے اُس شخص کو جس کا یہ قصہ ہے نبی قرار دیا ہے) پھر وہ کافر ہو جاوے ۔ اس لئے مَیں نے ، اٰتیناہ ، کا ترجمہ ، لائے ہم اُس کے پاس ،

اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ وَّاَنْ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ (۱۸۴) مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَیَذَرُهُمْ فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ (۱۸۵) یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ثَقُلَتْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِیْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً (۱۸۶) یَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِیٌّ عَنْهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰہِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ (۱۸۷)

کیا اُنہوں نے غور نہیں کی آسمانوں اور زمین کی بادشاہت میں اور اُن چیزوں میں جن کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ اور نہ اس پر کہ شاید نزدیک پہنچ گئی ہو اُن کی اجل (یعنی مرنے کا وقت) پھر کس بات سے اُس کے بعد ایمان لاوینگے (۱۸۴) جس کو اللہ گمراہ کرے پھر اُس کو کوئی ہدایت کرنے والا نہیں اور وہ چھوڑتا ہے اُن کو اُن کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے (۱۸۵) تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کی نسبت کہ کب آویگی۔ کہدے کہ اُس کا علم میرے پروردگار کو ہے۔ نہیں ظاہر کرسکتا (یعنی کوئی نہیں بتا سکتا) اُس کو اُس کے وقت کو مگر وہی یعنی خدا۔ بھاری ہے[1] (یعنی چھپی ہوئی ہے) آسمانوں اور زمین میں تمہارے پاس نہیں آنے کی مگر یکایک (۱۸۶) تجھ سے پوچھتے ہیں گویا تو اُس سے بحث کرنے والا ہے۔ کہدے کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اُس کا علم اللہ کو ہے ولیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۱۸۷)

فی الکلام فوجب حمل الکلام علیہ + تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۲۴ + مثالوں میں سے خدا تعالیٰ کا قول ہے جب اُس نے آسمان اور زمین کو کہا کہ آؤ خوشی سے یا ناخوشی سے دونوں نے کہا کہ ہم آئے خوشی سے اور یہ قول بھی اُسی کی مثال ہے کہ ہمارا حکم کسی چیز کے لئے جب کہ اُس کے ہونے کا ہم ارادہ کرتے ہیں اُس کو یہ کہنا ہے کہ ہو پھر وہ ہو جاتی ہے۔ اور عرب کا قول ہے کہ دیوار میخ سے کہتی ہے کہ کیوں مجھ کو پھاڑتی ہے۔ میخ کہتی ہے پوچھ اُس سے جو مجھے ٹھوکتا ہے بیشک جو میرے پیچھے ہے وہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اور شاعر کا قول ہے کہ حوض بھر گیا اور حوض نے کہا کہ بس کافی ہے مجھ کو۔ اور اس قسم کے مجاز اور استعارے کلام عرب میں مشہور ہیں پھر ضرور ہے اس کلام کو بھی اُسی پر حمل کرنا +

[1] قال السدی ثقلت ای خفت فی السموات والارض لم یعلم احد من الملائکۃ المقربین والانبیاء المرسلین متی یکون حدوثھا ووقوعھا تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۲۱ +

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ
الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ
لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ
لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ
لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَٰئِكَ
كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ
هُمُ الْغَافِلُونَ (۱۷۸) وَلِلَّهِ
الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ
بِهَا وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ
فِي أَسْمَائِهِ سَيُجْزَوْنَ
مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (۱۷۹)
وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ
بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ (۱۸۰)
وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا
سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ
لَا يَعْلَمُونَ (۱۸۱) وَأُمْلِي
لَهُمْ إِنَّ كَيْدِي
مَتِينٌ (۱۸۲) أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا
مَا بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ
إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ
مُّبِينٌ (۱۸۳)

اور بیشک ہم نے پیدا کیا بہتوں کو جن اور انس
میں سے جہنم کے لئے۔ اُن کے لئے دل ہیں کہ
اُن سے نہیں سمجھتے اور اُن کے لئے آنکھیں
ہیں کہ اُن سے نہیں دیکھتے اور اُن کے لئے
کان ہیں کہ اُن سے نہیں سنتے۔ وہ ہیں چوپائے
جانوروں کی مانند بلکہ اُن سے بھی زیادہ گمراہ یعنی
بدتر اور وہی ہیں غفلت کرنیوالے (۱۷۸) اور اللہ کے
لئے اچھے نام ہیں پھر وہی نام لیکر اُس کو پکارو۔ اور
چھوڑ دو اُن لوگوں کو جو اُس کے ناموں میں گمراہی
کرتے ہیں (یعنی جو نام خدا کے لائق ہیں اُن سے
دیوتا وغیرہ کو پکارتے ہیں) قریب ہے کہ بدلا دئیے
جاوینگے اُس کا جو وہ کرتے ہیں (۱۷۹) اور اُن میں سے
جن کو ہم نے پیدا کیا ایک گروہ ہے جو ہدایت کرتے
ہیں سچ کی اور اُس کے ساتھ عدل کرتے ہیں (۱۸۰)
اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو قریب ہے
کہ ہم اُن کو بہ تدریج لاڈالینگے (یعنی گمراہی میں)
اس طرح سے کہ وہ نہیں جانتے (۱۸۱) اور میں اُن کو
مہلت دونگا بیشک میرا مکر مضبوط ہے (۱۸۲)
کیا وہ سوچتے نہیں کہ اُن کے ساتھی کو کچھ جنون نہیں
ہے۔ وہ تو اور کچھ نہیں ہے مگر (بری باتوں سے)
علانیہ ڈرانے والا (۱۸۳)

طوعًا او كرهًا قالتا اتينا طائعين ومنها قوله تعالى
انما امرنا لشيء اذا اردناه ان نقول له كن فيكون۔
وقول العرب۔
قال الجدار للوتد لم تشقني قال سل من يدقني
فان الذي ورائي ما خلاني ورائي۔
وقال الشاعر
امتلاء الحوض وقال قطني
فهذا النوع من المجاز والاستعارات مشهور

جو اُس نے اُن میں رکھی ہیں اپنی وحدانیت کی دلیلیں
کی اور اپنی عجائب خلقت کی اور اپنی نادر صنعت
کی پس اس گواہ کرنے سے اُن کی ایسی حالت
ہوئی کہ گویا اُنہوں نے کہا کہ ہاں کیوں نہیں گو کہ
وہاں زبان سے یہ بات کہنی نہیں تھی۔ اور حال
کو قال سے تعبیر کرنے کی بہت سی مثالیں ہیں انہی

وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۷۲﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۳﴾ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۴﴾ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۷۵﴾ سَآءَ مَثَلَا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۷۶﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

اور ہم ذریت تھے اُن کے بعد۔ پھر کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اُس کے بدلے میں جو کیا ہے گمراہوں نے ﴿۱۷۲﴾ اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں نشانیوں کو تاکہ وہ (گمراہی سے) پھر آویں ﴿۱۷۳﴾ اور پڑھ اُن کے سامنے قصہ اُس شخص کا جس کے پاس ہم لائے اپنی نشانیاں پھر وہ نکل گیا اُن سے پھر پیچھا پکڑا اُس کا شیطان نے پھر ہوگیا گمراہوں میں سے ﴿۱۷۴﴾ اور اگر ہم چاہتے تو البتہ ہم اُس کو اُن کے سبب بلند کرتے ولیکن وہ پڑا رہا پستی کی طرف اور تابعداری کی اپنی خواہش کی۔ پھر اُس کی مثال اُس کتے کی مثال ہے کہ اگر تو اُس پر محنت ڈالے تو زبان نکالدے اور خالی چھوڑدے تو زبان نکالدے۔ یہ مثال اُن لوگوں کی ہے جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو پھر کہدے اُس قصہ کو شاید کہ وہ سوچیں ﴿۱۷۵﴾ بُری ہے مثال اُن لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور وہ اپنے پر آپ ظلم کرتے تھے ﴿۱۷۶﴾ جس کو خدا ہدایت کرے تو وہ ہدایت پانے والا ہے اور جس کو گمراہ کرے تو وہی لوگ ہیں نقصان پانے والے ﴿۱۷۷﴾

وذلك الاخراج انهم كانوا نطفة فاخرجها الله تعالى فى ارحام الامهات وجعلها علقة ثم مضغة ثم جعلهم بشرا سويا وخلقا كاملا ثم اشهدهم على انفسهم بما ركب فيهم من دلائل وحدانيته وعجائب خلقه وغرائب صنعه فبالاشهاد صاروا كانهم قالوا بلى وان لم يكن هناك قول باللسان وكذلك نظائره منها قوله تعالى فقال لها وللارض ائتيا

یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکالا ذریۃ کو اور وہ ذریۃ اولاد ہے جو اپنے باپوں کی پیٹھ سے اس طرح نکلتی ہے کہ وہ نطفہ تھے پھر اُن کو خدا نے اُن کی ماؤں کے پیٹ میں سے نکال کر ڈالا پھر اُن کو علقہ کیا پھر مضغہ پھر اُن کو ٹھیک انسان بنایا اور پوری خلقت دی پھر خود اُن کو اُن پر گواہ کیا اُن قوتوں سے

وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ ۚ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰي ڔ شَهِدْنَا ڔ اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَاۗؤُنَا مِنْ قَبْلُ

اور جب ہم نے ہلا دیا پہاڑ کو اُن کے اوپر گویا کہ وہ سائبان ہے اور اُنہوں نے گمان کیا کہ وہ اُن پر گر پڑیگا۔ پکڑو جو کچھ ہم نے تم کو دیا ہے زور سے اور یاد رکھو جو کچھ کہ اُس میں ہے تاکہ تم پرہیزگاری کرو ﴿۱۷۰﴾ اور جب کہ لیا یعنی پیدا کیا تیری پروردگار نے بنی آدم سے اُن کے پیٹھوں سے اُن کی ذریت کو اور خود اُن کو اُن کے اُوپر گواہ کیا۔ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ بولے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں۔ تاکہ تم نہ کہو قیامت کے دن کہ بیشک ہم اس سے بے خبر تھے ﴿۱۷۱﴾ یا تم کہو کہ بات یہ ہے کہ شرک کیا تھا ہمارے باپوں نے پہلے سے

اپنے خدا ہونے کا اقرار لیا قرآن مجید کے الفاظ کے مطابق نہیں ہے۔ نہ اس آیت میں روز میثاق کا ذکر ہے نہ کسی روز میثاق کا وجود اس سے پایا جاتا ہے ❊

مفسرین نے بعض حدیثوں پر جن میں بروز میثاق حضرت آدم کی پیٹھ میں سے اُن کی ذریت کا نکالنا اور خدا ہونے کا اقرار لینا مذکور ہے استدلال کیا ہے مگر وہ حدیثیں صحیح نہیں ہیں نہ روایۃً اور نہ درایۃً ثابت ہوتی ہیں اس مقام پر خدا تعالےٰ نے نہایت لطیف اور دلچسپ طریقے اور بے انتہا فصیح کلام میں انسان کی فطرت کو بتلایا ہے۔ وہ فرماتا ہے کہ بنی آدم کی اولاد کو پیدا کیا اور خود اُن کو اُن پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں سب نے کہا کہ کیوں نہیں۔ یہ اشارہ اس بات کا ہے کہ خدا تعالےٰ نے فطرت انسانی ایسی بنائی ہے کہ جب وہ خود اپنی فطرت پر غور کرے اور اس کو سوچے سمجھے تو وہی اُس کی فطرت خدا کے خدا ہونے پر گواہی دیتی ہے۔ اور ”اشہدھم علی انفسہم“ کے صریح یہی معنی ہیں اور ”قالوا بلیٰ“ اُسی فطرت کی تصدیق ہے۔ اور یہ صاف اس بات کی ہدایت ہے کہ ہر انسان خدا پر ایمان لانے کو اپنی فطرت کی رُو سے مکلف ہے ❊

عجائب پسند مفسرین نے کچھ ہی کہا ہو مگر علمائے محققین یہی کہتے ہیں جو ہم نے کہا ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جو لوگ صاحب نظر اور معقولی ہیں اُن کا قول اس آیت کی تفسیر میں

والقول الثانی فی تفسیر ھذہ الآیۃ قول اصحاب النظر وارباب المعقولات انہ تعالیٰ اخرج الذریۃ وھم الاولاد من اصلاب آبائہم

فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۶﴾ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۶۷﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۸﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿۱۶۹﴾

پھر جب اُنہوں نے اُن چیزوں کے چھوڑنے سے جو اُن کو منع کی گئی تھیں سرکشی کی تو ہم نے اُن کو کہا کہ ہو جاؤ بندر ذلیل اور جب کہدیا تیرے پروردگار نے کہ ضرور اُن پر مسلط کریگا قیامت کے دن تک اُس کو جو اُن کو سخت عذاب پہنچاتا رہے۔ بیشک تیرا پروردگار جلد عذاب کرنے والا ہے اور بیشک وہ بڑا بخشنے والا مہربان ﴿۱۶۶﴾ اور ہم نے جُدا کر دیں اُن کی گروہیں زمین میں۔ اُن میں سے اچھے بھی ہیں اور اُن میں ایسے نہیں بھی ہیں اور ہم نے اُن کا امتحان کیا بھلائیوں سے اور برائیوں سے تاکہ وہ (بُری راہ سے) پھر آویں ﴿۱۶۷﴾ پھر جانشین ہوئے اُن کے بعد ایسے جانشین کہ وارث ہوئے کتاب (یعنی توریت) کے لیتے ہیں اس ناچیز (دنیا) کی دولت (یعنی خدا کی نسبت جھوٹی باتیں کہکر) اور کہتے ہیں کہ ہم کو بخش دیا جاویگا۔ اور اگر آوے اُن کے پاس دولت مثل اُس کے تو اُس کو لے لیتے ہیں۔ کیا اُن سے توریت میں جو وعدہ ہے وہ نہیں لیا گیا۔ کہ نہ کہینگے اللہ کی نسبت بجز سچ کے اور اُنہوں نے پڑھا ہے جو کچھ اُس میں (یعنی توریت میں) ہے۔ اور آخرت کا گھر بہتر ہے اُن لوگوں کے لئے جو پرہیزگاری کرتے ہیں۔ پھر کیا تم نہیں سمجھتے ﴿۱۶۸﴾ اور جن لوگوں نے مضبوطی سے پکڑ لیا ہے کتاب کو اور قایم رکھا ہے نماز کو۔ بیشک ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکی کرنیوالوں کا ﴿۱۶۹﴾

﴿۱۷۱﴾ (واذ اخذ ربك) اس آیت میں لفظ ”آدم“ سے حضرت آدم ابوالبشر کسی طرح مراد نہیں ہوسکتے کیونکہ آیت میں صاف لفظ ”بنی آدم“ ہے اور پھر ”من ظہورھم“ اور ”ذریتہم“ میں ضمیر جمع کی بنی آدم کی طرف راجع ہے۔ پس یہ خیال مفسرین کا کہ بروز میثاق خدا تعالے نے حضرت آدم کی پیٹھ میں سے تمام ذریات کو نکالا اور اُن سے

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١٦٢﴾ وَاسْأَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٣﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١٦٥﴾

پھر بدل دی اُن میں سے اُن لوگوں نے جو ظالم تھے بات کو جو اُن سے کہی گئی تھی دوسری بات سے ۔ پھر ہم نے بھیجی اُن پر آسمان سے بُرائی بدلے میں اُس کے کہ وہ ظلم کرتے تھے ﴿١٦٢﴾ اور اُن سے پوچھ اُس بستی کے حال سے جو دریا کے کنارہ پر تھی جب کہ وہ زیادتی کرتے تھے سبت کے دن (یہودی شنبہ کو سبت کا دن خیال کرتے تھے) جبکہ آتی تھیں اُن کی مچھلیاں (یعنی اُن کے دریا کی مچھلیاں) اُن کے پاس اُن کے سبت کے دن جس کی تعظیم رکھتے تھے اور جس سبت کے دن کی وہ تعظیم نہیں رکھتے تھے اُن کے پاس نہیں آتی تھیں٥ اس طرح ہم نے اُن کی آزمایش کی اس لئے کہ وہ نافرمانبردار تھے ﴿١٦٣﴾ اور جب کہا اُن میں سے ایک گروہ نے کیوں نصیحت کرتے ہو ایسے لوگوں کو کہ اُن کو اللہ ہلاک کرنے والا اور اُن کو سخت عذاب کرنیوالا ہے انہوں نے کہا تاکہ ہم تمہارے پروردگار پاس عذر کریں اور شاید کہ وہ پرہیزگاری کریں ﴿١٦٤﴾ پھر جب بھول گئے جس کی اُن کو نصیحت کی گئی تھی ہم نے بچا دیا اُن لوگوں کو جو بُرائی سے منع کرتے تھے اور پکڑ لیا اُن کو جو ظلم کرتے تھے بُرے عذاب سے اس سبب سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے ﴿١٦٥﴾

تھے جن کو وہ نبی کر کے پوچھا پس "وہ" سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کسی کی طرف اشارہ نہیں ہو سکتا جس کی نسبت خدا نے موسےٰ سے کہا تھا کہ میں بنی اسرائل کے بھائیوں میں سے مثل موسےٰ کے ایک نبی پیدا کرونگا ✦

٥ سبت کے دن یہودیوں کو شکار کھیلنا اور کوئی کام کرنا منع تھا جس سبت کی وہ تعظیم رکھتے تھے اور شکار کو نہ جاتے تھے مچھلیاں کنارہ پر کثرت سے آتی تھیں اور جس دن وہ سبت کی تعظیم توڑ دیتے تھے اور شکار کو جاتے تھے تو مچھلیاں غدیا تی تھیں یا در کنارہ پر نہیں آتی تھیں ✦

وَاِذۡ قِیۡلَ لَهُمُ اسۡكُنُوۡا هٰذِهِ الۡقَرۡيَةَ وَكُلُوۡا مِنۡهَا حَيۡثُ شِئۡتُمۡ وَقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ وَّادۡخُلُوا الۡبَابَ سُجَّدًا نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطِيۡٓــٰٔتِكُمۡ‌ؕ سَنَزِيۡدُ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۱۶۱﴾	اور جب اُن سے کہا گیا کہ اس گانوں میں رہو اور اُس میں سے کھاؤ جہاں چاہو اور کہو گناہ جھاڑ دے اور دروازہ میں گھسو سجدہ کرتے ہوئے میں بخش دونگا تمہاری خطائیں ۔ اور زیادہ دینگے اچھے کام کرنے والوں کو ﴿۱۶۱﴾

کیونکہ حضرت عیسٰے کے بعد کوئی اور نبی موسٰے کی مانند سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے نہیں ہوا۔ قرآن مجید میں بھی خاص نام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بیان نہیں ہوا بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کی صفت ، احمد ، بیان ہوئی ہے یعنی "یاتی من بعدی اسمہ احمد" ای اسمہ یحمد لان افعل یجیئ لمبالغۃ الفاعل والمفعول ۔ بالفرض اگر اُس سے نزول روح القدس مراد ہو تو بھی حضرت عیسٰے کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہی پر نازل ہوئی ہے۔ کیونکہ حواریوں پر جیسا کہ انجیلوں میں بیان ہے قبل اُس کے نازل ہو چکی تھی ✣

انجیل لوقا باب بست و چہارم آیت ۴۹ ۔ اور دیکھو میں بھیجتا ہوں وعدہ اپنے باپ کا تم پر لیکن تم ٹھیرو شہر یروشلیم میں جب تک کہ عطا ہو تم کو قوت اوپر سے ✣

روح القدس تو حواریوں پر آچکی تھی اور یروشلیم میں ٹھیرا رہنا یعنی اُس کو معبد سمجھنا موقت تھا اور وہ تبدیل ہو گیا اور اُس کے مبعوث ہونے پر جس نے کعبہ معبد قرار دیا پس جس کے بھیجنے کا اس آیت میں ذکر ہے اس سے مراد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ✣

انجیل یوحنا باب یکم آیت بیس سے پچیس تک میں لکھا ہے ۔ اُس نے یعنی حضرت یحیٰے نے اقرار کیا اور انکار نہ کیا اور اقرار کیا کہ میں کرسٹاس یعنی عیسٰے مسیح نہیں ہوں اور اُنہوں نے پوچھا اُس سے کہ پھر کون ؟ کیا تو الیاس (یعنی خضر) ہے اور اُس نے کہا کہ میں نہیں ہوں ۔ تو وہ نبی ہے ؟ اور اُس نے جواب دیا نہیں ۔ تب اُنہوں نے اُس سے کہا کہ کون ہے تو تاکہ ہم جواب دے سکیں اُن کو کہ جنہوں نے ہم کو بھیجا ہے ۔ اپنے تئیں تو کیا کہتا ہے ؟ اُس نے کہا میں ہوں آواز اُس کی جو کہ جنگل میں چلاتا ہے ۔ سیدھا کرو رستہ خداوند کا جیسا کہ نبی اشعیاہ نے کہا ۔ اور وہ جو بھیجے گئے تھے فروسی تھے اور اُنہوں نے اُس سے پوچھا اور اُس سے کہا کہ تو کیوں اصطباغ کرتا ہے ؟ جب کہ تو نہ کرسٹاس یعنی عیسٰے مسیح ہے اور نہ الیاس اور نہ وہ نبی ✣

حضرت یحیٰے سے یہودیوں نے الیاس کو اس لئے پوچھا کہ یہودی اُن کو زندہ مانتے تھے مسیح کے آنے کے متوقع تھے اور علاوہ حضرت مسیح کے ایک اور نبی کے آنے کے متوقع

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (۱۶۰)	اور ہم نے اُن میں علحدہ کر دئے بارہ قبیلے گروہ گروہ ۔ اور ہم نے وحی بھیجی موسےٰ کو جب کہ اُس سے اُس کی قوم نے پانی پینے کو مانگا یہ کہ مار اپنے عصا سے پتھر کو (یعنی چل اپنے عصا کی سہارے سے اُس پہاڑی پر) پھر پھوٹ بہے ہیں اس پہاڑی سے چشمے ۔ البتہ جان لیا ہر شخص نے اپنے پانی پینے کی جگہ کو اور ہم نے اُن پر چھا دیا بادل کو اور اُتارا ہم نے اُن پر من وسلوا کھاؤ پاکیزہ چیزوں سے جو کچھ کہ ہم نے تم کو کھانے کو دیا ہے ولیکن وہ اپنے پر آپ ظلم کرتے تھے (۱۶۰)

یا عبری زبان سے نہایت بعید ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یونانی زبان میں اس کا تلفظ مختلف طرح پر ہوا اور اسی سبب سے قدیم و جدید یونانی نسخوں میں اس کا املا بھی مختلف طور پر لکھا گیا جس کے سبب تلفظ بھی اور معنی بھی کسی قدر بدل جاتے ہیں ۔ مسلمان تو اس لفظ کا ترجمہ موافق قدیم یونانی تلفظ واملا کے احمد کرتے ہیں ۔ مگر اس زمانہ کے عیسائی اس قدیم املا کو تسلیم نہیں کرتے اور موافق جدید تلفظ و املا کے اُس کے متعدد ترجمے کرتے ہیں ✤

نہایت قدیم عربی ترجمہ جو روم کبیر میں ۱۶۷۱ء میں چھپا اُس میں تو اس لفظ کا ترجمہ ، فارقلیط ، ہی کیا ہے ✤

ایک عربی ترجمہ میں جو بطور خلاصہ چاروں انجیلوں کے فلارنس میں ۱۵۹۱ء میں چھپا ہے اُس میں بھی اس لفظ کا فارقلیط ہی ترجمہ کیا ہے ✤

ایک عربی ترجمہ میں جو ۱۸۱۱ء میں چھپا اُس کا ترجمہ "مسلی" کیا ہے یعنی تسلی دہندہ ۔ اور خاص اس آیت میں اُس کا ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ لفظ ، المعزی ، بطور اشارہ کے لکھا ہے ✤

اُس کے بعد جس قدر ترجمے فارسی اُردو کے چھپے ہیں اُن سب میں اُس کا ترجمہ تسلی دینے والا کیا گیا ہے ✤

لیکن اس املا کے تغیر و تبدل اور ترجموں یا معنی کے اختلاف سے مسلمانوں کے اس دعوے میں کہ اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے کچھ فرق نہیں آتا ۔ کیونکہ کسی بشارت میں اُس کا جس کی بشارت ہے خاص نام بتایا نہیں جاتا بلکہ اُس کی صفت بیان کی جاتی ہے پس اُس لفظ کے کوئی صفتی معنی لو وہ سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اور کسی پر صادق نہیں آتے ۔

وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾	اور زمین کی بادشاہت ہے کوئی معبود نہیں بجز اُس کے ـ جِلاتا ہے اور مارتا ہے ـ پھر ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر، ان پڑھ نبی پر جو ایمان لاتا ہے اللہ پر اور اُس کے کلام پر ـ اور اُس کی تابعداری کرو تاکہ تم ہدایت پاؤ ﴿۱۵۸﴾ اور موسےٰ کی قوم میں سے ایک گروہ ہے کہ سچائی سے ہدایت کرتی ہے اور اُس کے ساتھ عدل کرتی ہے ﴿۱۵۹﴾

کتاب حجی باب یازدہم آیت ۷ میں لکھا ہے ـ سب قوموں کو ہلادونگا ـ اور "حمدث" (احمد) سب قوموں کا آویگا اور اس گھر کو بزرگی سے بھردونگا ـ کہا خداوند خلایق نے +

حمدث عبری لفظ میں حرف ث مبالغہ کے لئے ہے یعنی سب قوموں کا بہت بڑا محمود ـ اور اس عبری لفظ کے مقابلہ میں احمد کا صیغہ جو حمد کے مادہ سے نکلا ہے بالکل درست آتا ہے پس خواہ اُس لفظ کو صرف نام قرار دو خواہ صفت اس آیت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر لکھا ہے +

کتاب اشعیاہ نبی باب بست ویکم آیت ۷ ـ اور ایک جوڑی سواروں کی دیکھی ایک سوار گدھے کا اور ایک سوار اونٹ کا اور خوب متوجہ ہؤا +

حضرت اشعیاہ نبی نے اپنے مکاشفہ سے دو نبیوں کے پیدا ہونے کی خبر دی ایک کو گدھے کے سوار سے تعبیر کیا ہے جس سے حضرت عیسےٰ مراد ہیں کیونکہ جب حضرت عیسےٰ بیت المقدس میں داخل ہوئے تو وہ گدھے پر سوار تھے ـ دوسرے کو اونٹ کے سوار سے تعبیر کیا ہے جس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں داخل ہوئے ہیں تو اونٹ پر سوار تھے +

انجیل یوحنا باب شانزدہم آیت ۷ ـ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ یہ بھلا ہے تمہارے لئے کہ یہاں سے میں چلا جاؤں کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو فارقلیط (احمد) تمہارے پاس نہ آویگا +

فارقلیط اصل میں یونانی لفظ نہیں ہے بلکہ دراصل کالدی زبان کا لفظ ہے جو عبرانی کی مانند زبان ہے مسلمانوں میں اس کا املا اور تلفظ عربی زبان کے موافق ہے جو کالڈی یا عبری زبان سے چنداں بعید نہیں مگر حضرت یوحنا نے اپنی انجیل یونانی میں لکھی تھی اس لئے اس لفظ کا تلفظ اور املا یونانی زبان کے موافق لکھا تھا جو کالدی

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴿۱۵۷﴾ الَّذِىْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ	کہدے (اے پیغمبر) کہ اے لوگو بیشک میں تم سب کے پاس اللہ کا پیغام لانے والا ہوں (یعنی اللہ کا رسول ہوں) ﴿۱۵۷﴾ جس کے لئے آسمانوں کی

سے کہدیگا ✤

بنی اسرائیل کے بھائی بنی اسمٰعیل ہیں جس سے اشارہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسرا نبی موسےٰ کی مانند نہیں ہوا اور ان الفاظ سے کہ اپنا کلام اُس کے منہ میں رکھونگا قرآن مجید کے نازل کرنے کی طرف اشارہ ہے ✤

توریت سفر پنجم باب سی وسوم آیت ۲ میں لکھا ہے ۔ اور کہا خدا سینا سے نکلا اور سعیر سے چمکا اور فاران کے پہاڑ سے ظاہر ہوا اُس کے دہنے ہاتھ میں شریعت روشن ساتھ لشکر ملائکہ کے آیا ✤

کتاب جبقوق باب سوم آیت ۳ ۔ آئیگا اللہ جنوب سے اور قدوس فاران کے پہاڑ سے آسمانوں کو جلال سے چھپادیا اُس کی ستایش سے زمین بھر گئی ۔ فاران خاص مکہ معظمہ کے پہاڑوں کا قدیم نام ہے پس اُن آیتوں میں نبی حجازی کا ذکر لکھا ہے ✤

سرود سلیمان باب پنجم کی دسویں آیت سے سولہویں آیت تک یہ لکھا ہے ۔ میرا دوست نورانی گندم گوں ہزاروں میں سردار ہے اُس کا سر ہیرے کا سا چمکدار ہے اُس کی زلفیں مسلسل مثل کوّے کے کالی ہیں ۔ اُس کی آنکھیں ایسی ہیں جیسے پانی کے کنڈ پر کبوتر ۔ دودھ میں دھلی ہوئیں ۔ نگینہ کی مانند جڑی ہوئیں خانہ میں ۔ اُس کے رخسارے ایسے ہیں جیسے ٹٹی پر خوشبودار بیل چھائی ہوئی ۔ اور چکلے پر خوشبو رگڑی ہوئی ۔ اُس کے ہونٹ پھول کی پنکھڑیاں جن سے خوشبو ٹپکتی ہے اُس کے ہاتھ ہیں سونے کے ڈھلے ہوئے ۔ جواہر سے جڑے ہوئے ۔ اُس کا پیٹ جیسے ہاتھی دانت کی تختی ۔ جواہر سے لپی ہوئی ۔ اُس کی پنڈلیاں ہیں جیسے سنگ مرمر کے ستون ۔ سونے کی بیٹھکی پر جڑے ہوئے ۔ اُس کا چہرہ مانند ماہتاب کے ۔ جوان مانند صنوبر کے ۔ اُس کا گلا نہایت شیریں ۔ اور وہ بالکل محمدیم (محمد) یعنی بہت تعریف کیا گیا ہے ۔ یہ ہے میرا دوست اور میرا محبوب اے بیٹیو یروشلیم کے ✤

عبری زبان کے قاعدہ میں نام کو بھی بلحاظ تعظیم جمع بنا دیتے ہیں جیسے تعل کو بعالیم ۔ لیکن محمدیم کو اگر صفت ہی تسلیم کیا جاوے تو بھی اُس سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے ✤

بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۵۶)

بھلائی کا اور ان کو منع کرتا ہے برائی سے اور حلال کرتا ہے اُن کے لئے اچھی چیزیں اور حرام کرتا ہے اُن پر بُری چیزیں اور اُتارتا ہے اُن پر سے اُن کا بوجھ اور (اُتارتا ہے) طوقوں کو جو اُن پر تھے پھر جو لوگ اُس پر ایمان لائے۔ اُس کی تعظیم کی اور اُس کی مدد کی اور تابعداری کی اُس نور کی جو اُس پر اُتارا گیا ہے وہی لوگ ہیں فلاح پانے والے (۱۵۶)

نسبت بشارات کے تسلیم کرتے ہیں بحث کی ہے اور توریت و انجیل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارات کو ثابت کیا ہے۔ مگر میں اپنی اس تفسیر میں اُس سے زیادہ دقیق امور پر بحث کرنا اور بشارات کی حقیقت اور اُس کا قوانین قدرت کے مطابق ہونا بیان کرنا چاہتا ہوں۔ مگر اس بحث کے لئے بہ نسبت اس آیت کے سورۃ الصف کی آیت جہاں آیا ہے " مبشرا برسول یاتی من بعد اسمہ احمد " زیادہ تر مناسب[1] ہے اس لئے انشاء اللہ تعالےٰ اُس آیت کی تفسیر میں یہ پوری بحث لکھی جاوے گی۔ اور اس مقام پر بلا کسی بحث کے توریت و انجیل کی وہ آیتیں لکھ دی جاتی ہیں جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارات لکھی ہیں ✦

ابو الفرج مالطی یعنی مالٹا کا رہنے والا جو ایک عیسائی عالم ہے اُس نے ایک کتاب عربی زبان میں لکھی ہے جس کا نام "تاریخ مختصر الدول" ہے اور وہ کتاب سنہ ۱۶۶۳ء میں اکسفورڈ میں چھپی ہے اُس کے صفحہ ۱۶۵ میں یہ عبارت مندرج ہے :۔

وقد ادعی علماء الاسلامیین ورود ذکرہ فی کتب اللہ المنزلۃ اما فی التوریۃ ففی آیۃ۔ جاء اللہ من سیناء واشرق من ساعیر واستعلن من جبل فاران۔ قالوا ھذہ اشارۃ الی نزول التوراۃ علی موسیٰ والانجیل علی عیسیٰ والقرآن علی محمد۔ واما فی الزبور ففی آیۃ۔ یظھر اللہ من صیھون اکلیلا محمودا۔ قالوا الاکلیل رمز علی الملک والمحمود علی محمد۔ واما فی الانجیل ففی آیۃ۔ ان انا لم اذھب۔ الفارقلیط لا یجیئکم ✦

توریت سفر پنجم باب ہژدہم آیت ۱۵ و ۱۸ میں یہ لکھا ہے۔ قایم کریگا تیرا معبود تیرے لئے نبی تجھ میں سے تیرے بھائیوں میں سے مجھ سا اُس کو مانیو۔ اُن کے بھائیوں میں سے نبی تیرا سا قایم کرونگا اور اپنا کلام اُس کے مُنہ میں دونگا اور جو کچھ میں اُس سے کہونگا وہ اُن

[1] نہایت افسوس ہے کہ اس سورۃ کی تفسیر لکھنے سے پہلے سر سید رحلت فرمائے عالم جاودانی ہوگئے ✦ احمد با با عفی عنہ

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوسَى
الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ وَفِي
نُسْخَتِهَا هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ
هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ﴿١٥٣﴾
وَاخْتَارَ مُوسٰى قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ
رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا فَلَمَّا اَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ
اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ
اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا
اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا
مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِي مَنْ تَشَآءُ
اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا
وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ ﴿١٥٤﴾
وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا
حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَا
اِلَيْكَ قَالَ عَذَابِي اُصِيبُ بِهٖ
مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ
الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا
يُؤْمِنُونَ ﴿١٥٥﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُونَ
الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِي
يَجِدُونَهٗ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ
وَالْاِنْجِيلِ يَاْمُرُهُمْ

اور جب ٹھیر گیا موسٰے کا غصہ لے لیا
تختیوں کو اور اُس کے لکھے ہوئے میں
ہدایت تھی اور رحمت اُن لوگوں کے لئے
جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں ﴿١٥٣﴾
اور چُن لیا موسٰے نے اپنی قوم سے ستر آدمیوں
کو ہمارے وعدہ کی جگہ کے لئے پھر جب پکڑ لیا اُن کو
کپکپاہٹ نے موسٰے نے کہا اے میرے پروردگار
اگر تو چاہتا تو اس سے پہلے ہی اُن کو اور مجھ کو مار
ڈالتا کیا تو ہم کو مار ڈالیگا اُس کے بدلے میں جو
ہماری قوم کے بیوقوفوں نے کیا ہے۔ یہ نہیں ہے مگر تیری طرف
سے آزمایش۔ تو اُس (آزمایش) سے گمراہ کرتا ہے جسکو چاہتا
ہے اور ہدایت کرتا ہے جسکو چاہتا ہے۔ تو ہی ہمارا مالک ہے
پھر بخش دے ہم کو اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے اچھا بخشنے
والا ہے ﴿١٥٤﴾ اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں نیکی
اور آخرت میں بیشک ہم نے رجوع کی ہے تیری طرف۔
خدا نے کہا کہ میں اپنے عذاب کو پہنچاتا ہوں جس کو چاہتا
ہوں اور میری رحمت نے چھا لیا ہے ہر چیز کو۔ پھر
میں اُس کو لکھ دونگا اُن لوگوں کے لئے جو پرہیزگاری
کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لئے
جو ہماری نشانیوں پر ایمان لاتے ہیں ﴿١٥٥﴾ جو کہ
پیروی کرتے ہیں اُس رسول کی اُس ان پڑھ نبی کی
جس کو وہ پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توریت
اور انجیل میں۔ اُن کو حکم کرتا ہے

﴿١٥٦﴾ (یجدونه مکتوبا عندھم فی التوریٰة والانجیل) یہ ایک آیت ہے جس
میں اشارہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہونے کی بشارت توریت و انجیل میں موجود
ہے۔ میں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بشارات پر ایک مفصل خطبہ خطبات احمدیہ میں لکھا
ہے جس میں موافق اصول اہل مذہب کے مقلدانہ یعنی بعد تسلیم اُن امور کے جو عیسائی و مسلمان

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۱۵۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ﴿۱۵۱﴾ وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِن بَعْدِهَا وَآمَنُوا إِنَّ رَبَّكَ مِن بَعْدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۵۲﴾

موسےٰ نے کہا اے میرے پروردگار معاف کر مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر ہم کو اپنی رحمت میں اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑا رحم کرنے والا ہے ﴿۱۵۰﴾ بیشک جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود کر لیا اُن پر پڑیگا غضب اُن کے پروردگار کا اور ذلت دنیا کی زندگی میں اور اسی طرح ہم بدلا دیتے ہیں افترا کرنے والوں کو ﴿۱۵۱﴾ اور جن لوگوں نے بُرے عمل کئے ہیں پھر اُس کے بعد اُس سے توبہ کی اور ایمان لے آئے بیشک تیرا پروردگار اُس کے بعد معاف کرنے والا ہے رحم کرنے والا ﴿۱۵۲﴾

وفلاسفہ ہیچ کم پائی نمے کنند بلکہ اثبات رویت بر نہجے مے نماید کہ مستلزم نفی رویت است و آں ابلغ در نفی است از صریح نفی لان الکنایہ ابلغ من التصریح قضیہ مقررہ است ایں قدر فرق است کہ مقتدائے آنجماعت عقل شاں است و مقتدائے شیخ کشف بعید از صحبت ماناکہ اولہ غیر تامہ مخالفان کہ در متخیلہ شیخ نشستہ بود کشف او را نیز دریں مسئلہ از صواب منحرف گردانیدہ است و مائل بمذہب شاں ساختہ چوں از اہل سنت بود صورت اثبات نمودہ است و بآں اکتفا کردہ و آں را رویت انگاشتہ ربنا لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا و تحقیق ایں مسئلہ دقیقہ کہ در حل بعض از مواضع کتاب عوارف نوشتہ است نیز تحریر یافتہ است و آنچہ از اجماع پرسیدہ بودند تواند بود کہ تا آں وقت خلافے کہ شایان اعتداد باشد بظہور نیامدہ باشد یا اجماع مشائخ عصر خود خواستہ باشد واللہ سبحانہ اعلم بحقیقۃ الحال - انتہیٰ +

یہی ایک بات تھی جس کا اس مقام پر لکھنا تھا باقی حالات اس واقعہ کے تفسیر سورۃ بقر میں بیان ہو چکے ہیں +

شانزدہم - ذکر استسقائے قوم موسےٰ + ہفدہم سایہ کرنا ابر کا + ہیژدہم من و سلوےٰ کا اُترنا نوزدہم - دخول باب

ان چاروں امور کی نسبت ہم نے سورہ بقر کی تفسیر میں بالاستیعاب بحث کی ہے اب ان پر دوبارہ بحث کرنے کی ضرورت نہیں - من شاء فلینظر الیہ +

اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾
وَلَمَّا سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا
اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ
يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا رَجَعَ
مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ
قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْ بَعْدِيْ ۚ
اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى
الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ
اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ
اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ
فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ
مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اُنہوں نے اُس کو (معبود) کرلیا اور وہ ظالم تھے ﴿۱۴۷﴾
اور جب وہ اپنے ہاتوں کے کیُے سے پشیمان
ہوئے اور جانا کہ بیشک وہ گمراہ ہوگئے تو بولے اگر
ہمارا پروردگار ہم پر رحم اور ہم کو معاف نہ کرے تو بیشک
ہم ہو جائینگے نقصان پانیوالوں میں سے ﴿۱۴۸﴾ اور جب پھرا موسے
(پہاڑ پر سے) اپنی قوم کی طرف غصہ میں بھرا ہوا افسوس
کرتا ہوا (تو ہارون سے) کہا کہ میرے پیچھے تم نے بہت ہی
بُری میری جانشینی کی کیا جلدی کی تم نے اپنے پروردگار
کے حکم کی اور ڈالدیا تختیوں کو اور اپنے بھائی کے سر کے
بال پکڑ کر اُس کو اپنی طرف کھینچنے لگا۔ ہارون نے کہا کہ اے
میرے ماں جائے بیشک قوم نے مجھ کو عاجز سمجھا اور قریب تھا کہ
مجھ کو مار ڈالیں پھر خوش مت کر میری اہانت سے میرے دشمنوں کو
اور نہ شامل کر مجھ کو ظالمونکی قوم کے ساتھ ﴿۱۴۹﴾

درعالم مثال صور معانی است نہ صورت ذات وچوں عالم بتمامہ مظاہر اسماء وصفات است واز
ذاتیہ بہرہ ندارد چنانچہ تحقیق آں را در مواضع متعددہ نمودہ ایم پس ناچار بتمامہ از قسم معانی باشد
ودر مثال آنرا صورتے کائن بود ودر کمالات وجوبی ہرجا صفت وشان است کہ قیام بذات
دارد از قبیل معانی است کہ اگر آں را در مثال صورتے بود و بالنقص گنجائش دارد اما ذات
او را سبحانہ حاشا کہ در مرتبہ از مراتب صورت بود چہ صورت مستلزم تہدید وتقیید است در ہر مرتبہ
کہ باشد تجویز نیست مراتب ہمہ کہ مخلوق اویند سبحانہ کجا گنجایش دارند کہ خالق را محدود ومقید
سازند ہر کہ تجویز مثال در انحضرت جل شانہ نمودہ است باعتبار وجوہ واعتبارات است نہ
باعتبار عین ذات تعالےٰ وہر چند تجویز مثال در وجوہ واعتبارات حضرت ذات تعالےٰ ہم
بریں فقیر گراں است مگر آنکہ درظلے از ظلال بعیدہ آں تجویز نمودہ آید ازیں بیان واضح گشت
کہ درعالم مثال ارتسام صور معانی وصفات را کائن است نہ ذات تعالےٰ را پس آنچہ صاحب
فصوص تجویز رویت اخروی بصورت مثالیہ نمودہ است چنانچہ گذشت آں رویت حق
نیست تعالےٰ بلکہ رویت صورت حق ہم نیست سبحانہ چہ او را سبحانہ صورتے نیست تا رویت
باں تعلق پیدا کند واگر در مثال صورتے ہست ظلے از ظلال بعیدہ او را کائن است پس
رویت آں رویت حق چرا باشد سبحانہ شیخ قدس سرہ در نفی رویت حق جل وعلا از معتزلہ

وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ الْغَیِّ یَتَّخِذُوْهُ سَبِیْلًا ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۵﴾ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ﴿۱۴۶﴾

اور اگر دیکھیں گمراہی کا رستہ تو اُس کو پکڑ لیں بطور بھلائی کے رستہ کے۔ یہ اسلئے کہ اُنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور وہ تھے اُن سے غافل ﴿۱۴۴﴾ اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور آخرت کے ملنے کو جھڑ گئے اُن کے عملن یعنی ناپید ہوگئے اُنکے عمل۔ کیا وہ بھلائی پاوینگے۔ مگر اُسی کا بدلا جو کچھ کہ وہ کرتے تھے ﴿۱۴۵﴾ اور بنایا موسےٰ کی قوم نے موسےٰ کے (پہاڑ پر جانے کے) بعد اپنے گہنوں سے بچھڑا جسم کہ اُس میں بچھڑے کی سی آواز تھی۔ کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ نہ اُن سے بات کرتا ہے اور نہ اُن کو کسی رستہ کی ہدایت کرتا ہے ﴿۱۴۶﴾

صورت ایقان اوست و آں مرئی صورت موقن بہ او۔ ایں از اغلاط صوفیہ است از تلبسات صور بحقایق۔ وہمیں دید چوں غالب می آید و از باطن بظاہر مے تراود سالک را در وہم مے اندازد کہ رویتہ بصری نیز حاصل گشت و مطلوب از گوش بہ آغوش آمد نمیداند کہ حصول ایں معنی چوں داخل کہ بصیرت است نیز مبنی بر توہم و تلبس است بہ بصر کہ دریں نشا فرع او است چہ رسد و رویت اورا از کجا حاصل شود در رویت قلبی جم غفیر از صوفیہ در توہم افتادہ اند و حکم بوقوع آں کردہ و در رویت بصری مگر ناقصے ازیں طائفہ در توہم وقوع آں افتادہ باشد کہ مخالف اجماع اہل سنت و جماعت است شکراللہ سعیہم۔

سوال موقن بہ را چوں صورت در مثال پیدا شد لازم آمد کہ حق را سبحانہ آنجا صورت بود۔

جواب تجویز نمودہ اند کہ حق را سبحانہ ہر چند مثل نیست اما مثال است و روا داشتہ اند کہ در مثال بصورتے ظہور فرماید چنانچہ صاحب فصوص قدس سرہ رویت اخروی را نیز بصورت جامعہ لطیفہ مثالیہ مقرر ساختہ است و تحقیق ایں جواب آنست کہ آں صورت موقن بہ صورت حق نیست سبحانہ در مثال بلکہ صورت مکشوف صاحب ایقان است کہ ایقان او بآں تعلق گرفتہ است و آں مکشوف بعض وجوہ و اعتبارات ذات حق است سبحانہ نہ ذات حق جل و علا لہذا چوں معاملہ عارف بذات بیچون جل سلطانہ ازیں قسم تخیلات پیدا نمی شود ہیچ رویت و مرئی متخیل نمے گردد چہ ذات اقدس سبحانہ را در مثال صورتے کائن نیست تا آنرا بصورت مرئی وانماید و ایقان آنرا بصورت وانماید یا آنکہ گوئیم

وَكَتَبْنَا لَهٗ فِي الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۴۲﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾	اور ہم نے لکھی اُس کے لیئے تختیوں میں ہر ایک چیز کی نصیحت اور ہر ایک چیز کی تفصیل، پھر پکڑ لے اُس کو زور سے اور اپنی قوم کو حکم کر کہ پکڑ لیں (اُن کو) معہ اُن کی زیادہ اچھی نصیحتوں کے۔ (ورنہ) میں تم کو جلدی سے دکھلاؤنگا گھر فاسقوں کا ﴿۱۴۲﴾ البتہ ہم پھیر دینگے اپنی نشانیوں سے اُن کو جو ناحق تکبر کرتے ہیں زمین پر اور اگر وہ دیکھیں کوئی نشانی تو اُس پر ایمان نہ لاویں۔ اور اگر وہ دیکھیں بھلائی کا رستہ تو نہ پکڑیں اُس رستہ کو بطور بھلائی کے رستہ کے ﴿۱۴۳﴾

عالم ربانی حضرت شیخ احمد سرہندی نقشبندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کچھ فرمایا ہے بجنسہٖ اس مقام پر لکھا جاتا ہے +

حضرت ممدوح قدس سرہٗ نے جلد سوم مکتوب نوزدہم جو بنام فقیر ہاشم کشمی لکھا ہے اور جس میں درباب کیفیت مشاہدہ قلب عرفا حق جل و علا کو سوال کیا گیا تھا اس طرح ارقام فرمایا ہے "پرسیدہ بودند کہ بعضے از محققان صوفیہ اثبات رویۃ و مشاہدہ او تعالے بدیدہ دل در دنیا مے فرمایند کما قال الشیخ العارف فی کتابہ العوارف۔ موضع المشاہد بصر القلب الخ و شیخ ابو اسحاق کلاباذی قدس سرہٗ کہ از قدماے ایں طائفہ علیہ است و از رؤساے ایشاں در کتاب تعرف آوردہ اجمعوا علی انہ تعالے لا یریٰ فی الدنیا بالابصار ولا بالقلوب الا من جہۃ الایقان توفیق میان ایں دو تحقیق چیست و راے تو بر کدام و اجماع با وجود اختلاف بچہ معنی است + بداں ارشدک اللہ تعالے کہ مختار ایں فقیر دریں مسئلہ قول صاحب تعرف است قدس سرہ و میداند کہ قلوب را دریں نشا از اں حضرت جل سلطانہ غیر از ایقان نصیبے نیست آں را رویۃ انگارند یا مشاہدہ و چوں قلب را رویۃ نبود ابصار را چہ بود کہ او دریں نشا دریں معاملہ بیکار و معطل است غایۃ ما فی الباب معنی ایقان کہ قلب را حاصل شدہ است در عالم مثال بصورت رویۃ ظاہر مے شود و موقن بصورت مرئی چہ در عالم مثال ہر معنی را صورتیست مناسب و چوں در عالم شہادت کمال یقین در رویۃ است آں ایقان نیز بصورت رویۃ در مثال ظاہر مے گردد و چوں ایقان بصورت رویۃ ظاہر شود متعلق آنکہ موقن بہ است ناچار بصورت مرئی آنجا ظاہر گردد و چوں سالک آں را در مرأت مثال مشاہدہ مے نماید از توسط مرأت ذاہل گشتہ و صورت را حقیقت دانستہ مے انگارد کہ حقیقت رویۃ اورا حاصل گشتہ است و مرئی پیدا آمدہ نمے داند کہ آں رویۃ

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّ خَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا (۱۳۹) فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۴۰) قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ (۱۴۱)

اور جب موسےٰ آیا ہمارے مقرر کئے ہوئے مقام پر اور اُس سے کلام کیا اُس کے پروردگار نے۔ موسےٰ نے کہا اے میرے پروردگار اپنے تئیں مجھے دکھادے تاکہ مَیں تجھ کو دیکھوں خدا نے کہا تو مجھ کو ہرگز نہ دیکھ سکیگا ولیکن تو دیکھ اُس پہاڑ کی طرف پھر اگر پہاڑ اپنی جگہ پر ٹھیرا رہے تو تو بھی مجھے دیکھ سکیگا۔ پھر جب تجلی کی اُس کے پروردگار نے پہاڑ پر اُس کو کردیا ٹکڑے ٹکڑے اور گر پڑے موسےٰ بیہوش ہوکر (۱۳۹) پھر جب ہوش آیا تو بولے پاک ہے تو میں تیرے آگے توبہ کرتا ہوں اور میں پہلا ایمان لانیوالا ہوں (۱۴۰) خدا نے کہا اے موسےٰ مَیں نے اپنے پیغام دیکر اور اپنی باتیں سُناکر تجھ کو لوگوں پر برگزیدہ کیا ہے پھر پکڑلے جو کچھ کہ مَیں نے تجھ کو دیا ہے اور ہو شکر کرنے والوں میں سے (۱۴۱)

خدا کا دیکھنا دنیا میں نہ ان آنکھوں سے ہوسکتا ہے اور نہ اُن آنکھوں سے جو دل کی آنکھیں کہلاتی ہیں اور نہ قیامت میں کوئی شخص خدا کو دیکھ سکتا ہے وہ بیچون و بیچگون ہے کسی حیز و صورت میں آنے کے قابل ہی نہیں ہے پھر وہ کیونکر دنیا میں یا عقبےٰ میں دکھائی دیسکتا ہے۔ بہت سے عابد و زاہد دعوےٰ کرتے ہیں کہ ہم نے آنکھوں سے دنیا ہی میں خدا کو دیکھا ہے۔ بہت سے کہتے ہیں کہ ان آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اُنھوں نے دیکھا دکھا یا کچھ نہیں بلکہ خود اُنہی کا خیال یا ایقان ہے جو اُنھوں نے دیکھا ہوگا عقبےٰ میں اگر خدا کا دیکھنا تسلیم کیا جاوے تو وہ بھی خدا کا دیکھنا نہ ہوگا بلکہ خود اُنہی کا ایقان اُن کو دکھائی دیگا نہ خدائے بیچون و بیچگون و بے مثل و بے نمون ✦

علمائے ظاہر جو اس مسئلہ کی حقیقت نہیں سمجھتے صرف لفظوں پر بحث کیا کرتے ہیں وہ اس مسئلہ کی حقیقت کے سمجھنے کے لائق ہی نہیں ہیں۔ ہاں علمائے ربانی جنھوں نے اپنے نفس پر اور انسان کے نیچر پر غور کی ہے اُن کی سمجھ اس مسئلہ کی نسبت علمائے ظاہری کی سمجھ سے زیادہ اعتبار کے قابل ہے اور اُن میں سے بھی بالتخصیص اُن کے جو باوجود علم باطنی کے علم ظاہری میں بھی بہت بڑا درجہ کمال کا رکھتے تھے۔ اس مسئلہ کی تحقیق میں شمرنا و مولانا

سلہ لموَلفہ } تاب یک جلوہ نیاورد نہ موسےٰ و نہ طور
این دلم ہست کہ این گونہ ہزاراں دیدہ

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ (۱۳۲) وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ بِمَا صَبَرُوْا وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ (۱۳۳)

پھر ہم نے اُن سے بدلا لیا پھر ہم نے اُن کو سمندر میں ڈبو دیا۔ اس لئے کہ وہ جھٹلاتے تھے ہماری نشانیوں کو اور اُن سے غافل تھے (۱۳۲) اور ہم نے وارث کیا اُس قوم کو جو ضعیف گنی جاتی تھی زمین کی شرقوں اور اُس کی مغربوں کا جس زمین میں ہم نے برکتیں رکھی ہیں۔ اور پورا ہؤا اچھا وعدہ تیرے پروردگار کا بنی اسرائیل پر اس لئے کہ اُنہوں نے صبر کیا اور ہم نے خراب کر دیا اُس کو جو کیا تھا فرعون اور اُس کی قوم نے اور اُس کو جسے اُنہوں نے چڑھایا تھا (۱۳۳)

عیسائی علما نے یہ بات چاہی ہے کہ قرآن مجید کی غلطی ثابت کریں مسٹر سلیڈن نے کہا کہ درصل ہارون اور سامری ایک ہی شخص ہے نعوذ باللہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے غلطی سے اُن کو دو سمجھا ہے۔ شمر یا شامر عبری لفظ ہے اور اُس کے معنی محافظ کے ہیں اور جب کہ موسٰے پہاڑ پر گئے تھے تو ہارون بنی اسرائیل کے محافظ ہوئے تھے اور اس لئے وہی شامر تھے *

مگر مسٹر سلیڈن کا یہ قیاس محض غلط ہے اس لئے کہ اگر یہ لفظ قرآن مجید میں اخذ کیا جاتا تو اُس کے ساتھ یائے نسبت کسی طرح نہیں آسکتی تھی۔ اور اگر وہ علم یعنی خاص شخص کا نام منصور ہوتا تو اُس پر الف لام لازم نہیں آسکتا تھا حالانکہ قرآن مجید میں یائے نسبت اور الف لام دونوں موجود ہیں یعنی "السامری" آیا ہے پس یہ دونوں خیال محض غلط ہیں *

صحیح امر جس کو ہمارے مفسرین نے بھی بیان کیا ہے یہ ہے کہ بچھڑے کا بنانے والا سمارتن والوں کا ایک شخص تھا جس کا نام بیان نہیں ہؤا پس "السامری" کے معنی یہ ہیں کہ "رجل من الذین ھم السامرۃ" مسٹر سیل نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اُس زمانہ میں سمارتن قوم موجود نہ تھی بلکہ اُس کے بہت زمانہ بعد وہ قوم بنی تھی *

مگر اس اعتراض میں بھی غلطی ہے قرآن مجید کے الفاظ سے اُس وقت یہی نام ہونا لازم نہیں آتا۔ بنی اسرائیل کے بارہ سبط تھے اور سب ایک سلطنت کے ماتحت تھے۔ مگر جب "رجعام" حضرت سلیمان کا بادشاہ ہؤا تو بنی اسرائیل کے دس سبط نے اُس سے بغاوت کی "یاربعام" پسر نباط کو اپنا بادشاہ بنایا اُس نے اپنے ملک میں بمقام بیت ایل اور دان کے سونے کے بچھڑے بنائے (دیکھو اول سلاطین باب ۱۲ ورس ۲۸ و ۲۹) اور اُن کی پرستش شروع کی۔ جب کہ "عمری" اُن لوگوں پر بادشاہ ہؤا تو اُس نے کوہ شومرون کو اُس کے مالک سے جس کا نام "شمر" تھا خرید لیا اور

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۔ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

پھر ہم نے اُن پر طوفان اور ٹڈیاں اور پسو اور مینڈک اور خون کی نشانیاں جدا جدا بھیجیں پھر اُنہوں نے سرکشی کی اور وہ قوم تھی گنہگار ﴿۱۳۰﴾ اور جب پڑی آفت تو اُنہوں نے کہا اے موسٰے ہمارے لئے اپنے پروردگار سے جس طرح تم کو حکم دیا ہے دعا کر۔ اگر تو ہم پر سے اس آفت کو دُور کر دیگا تو ہم تجھ پر ایمان لے آوینگے اور ہم تیرے ساتھ بنی اسرایل کو بھیجدینگے ۔ پھر جب ہم نے اُن پر سے آفت کو ایک معین مدت تک جس میں وہ پہنچنے والی تھی دور کر دیا تو پھر وہ اپنا اقرار توڑ دیتے تھے ﴿۱۳۱﴾

میں ڈالدی۔ خود قرآن مجید میں سامری کا قول منقول ہے کہ۔ کذلک سولت لی نفسی۔ یعنی اس طرح اُس کے نفس نے دھوکا دیا ✤

اس مقام پر قابل غور یہ بحث ہے کہ بچھڑا بنانے والا کون تھا توریت میں لکھا ہے کہ خود حضرت ہارون بچھڑا بنانے والے تھے اور خود اُنہوں نے ہی بچھڑے کی پرستش کروائی۔ مگر جب ہم خود توریت کے مضامین پر خیال کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا نے ہارون کو بھی برکت دی تھی اور تمام احکام جو خدا نے موسٰے کو دئے تھے اُن کی حضرت ہارون ہی تعمیل کرتے تھے بلکہ حضرت موسٰے تو صرف نام ہی کے تھے خدا کے تمام احکام بذریعہ حضرت ہارون پورے ہوتے تھے تو ہم اس بات کو کہ حضرت ہارون اُس بچھڑے کے بنانے والے اور بُت پرستی کی اجازت دینے والے تھے جیسا کہ توریت میں لکھا ہے صحیح تسلیم نہیں کر سکتے۔ یہ بات ممکن ہے کہ یہ بچھڑا اُس زمانہ میں بنایا گیا جب کہ حضرت موسٰے پہاڑ پر تھے اور حضرت ہارون کو تمام بنی اسرائیل پر سردار کر گئے تھے اور اُن کے عہد سرداری میں یہ بچھڑا بنا اس لئے حضرت ہارون کی طرف منسوب کیا گیا۔ مگر یہ بات کہ خود حضرت ہارون اُس کے بنانے والے تھے کسی طرح صحیح متصوّر نہیں ہو سکتی ✤

قرآن مجید نے صاف صاف بتادیا کہ حضرت ہارون نہیں بلکہ سامری اُس کا بنانے والا تھا۔ ہمارے مفسرین کی جیسی عادت ہے کہ تفسیروں میں رطب و یابس صحیح و غلط روایتیں بھر دیتے ہیں اسی طرح سامری کی نسبت بھی روایتیں بھر دی ہیں جن میں سے بعض کی کچھ اصلیت بھی ہے مگر ٹھیک طور پر بیان نہیں کیں۔ اور بعضوں نے نہایت غلطی سے سامری خاص نام بنانے والے کا سمجھا ہے جو صریح غلط ہے ✤

فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ (۱۲۸) وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰیَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ (۱۲۹)

پھر جب آئی اُن کے پاس نیکی کہنے لگے کہ ہمارے لئے یہ ہے ۔ اور جب اُن کو بُرائی پہنچی تو بدشگنی پھیرائی موسےٰ اور اس کے ساتھیوں کی ۔ جان لے کہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اُن کی بدشگنی اللہ کی طرف سے ہے لیکن اُن میں سے بہت سے نہیں جانتے (۱۲۸) اور اُنہوں نے موسےٰ سے کہا کہ تو کتنی ہی نشانیاں ہمارے پاس لاوے تاکہ اُن سے ہم پر جادو کرے پھر ہم تجھ پر ایمان نہیں لاوینگے (۱۲۹)

تاول الخوار علی ان السامری صاغ عجلا وجعل فیه خروقا یدخلہا الریح فیخرج منہا صوت کالخوار ودعاھم الی عبادته فاجابوه وعبدوه ۔ عن الجبائی ۔

وقیل انه اخال باد خال الریح کما یعمل ھذه الالات التی تصوت بالحیل عن الزجاج والجبائی والبلخی (تفسیر مجمع البیان) ۔

میں جن میں پانی کے فوارے چھوٹتے معلوم ہوتے ہیں اور اسی قسم کی چیزیں معلوم ہوتی ہیں ایسا ہی کرتے ہیں ۔ پس اسی طرح اُس بچھڑے کی مورت سے آواز نکالی تھی پھر لوگوں کو بتایا کہ یہ بچھڑا اُن کا خدا اور موسےٰ کا خدا ہے ۔

تفسیر مجمع البیان میں لکھا ہے کہ جبائی نے بچھڑے کی آواز کی نسبت بیان کیا ہے کہ سامری نے بچھڑا بنایا اُس کو اندر سے خالی رکھا اس میں ہوا جاتی تھی پھر اُس سے بچھڑے کی آواز کی مانند آواز نکلتی تھی اور اُس نے لوگوں سے اُس کی پوجا کرنے کو کہا اُن لوگوں نے مان لیا اور اُس کی پوجا کی ۔

اور اُسی تفسیر میں زجاج اور جبائی اور بلخی کا قول ہے کہ سامری نے بچھڑے میں ہوا کے بھر دینے سے فریب کیا تھا جس طرح اس قسم کی چیزیں دھوکا دینے کے لئے بنائی جاتی ہیں ۔

بات صرف اس قدر ہے کہ مصر میں رہنے سے بنی اسرائیل کے دل میں بت پرستی کا خیال جما ہوا تھا وہ چاہتے تھے کہ اُن کے لئے کوئی دیوتا بنایا جاوے حضرت موسےٰ سے بھی اُنہوں نے چاہا تھا کہ اُن کے لئے ایک دیوتا بنا دیں انھوں نے اُن کو دھمکا دیا جب وہ پہاڑ پر چلے گئے تو حضرت ہارون کا اتنا خوف اُن کو نہ تھا اُن کے منع کرنے سے اُنھوں نے نہ مانا ۔ مصر میں ایک دیوتا جس کا نام " نیوس " تھا اور اُس کی صورت بچھڑے کیسی تھی اُسی صورت کا اُنھوں نے بچھڑا بنایا اور بنانے والے نے اُس میں ایسی ترکیب رکھی کہ اُس ترکیب سے بچھڑے میں آواز نکلتی تھی اور لوگوں کو دھوکا و فریب دینے کے لئے حضرت موسےٰ کے پاؤں تلے کی مٹی حقیقۃً یا صرف دھوکا دینے کو اُس مٹی کو حضرت موسےٰ کے پاؤں تلے کی مٹی بیان کرکے بچھڑے

قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ۭ قَالَ عَسٰي رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ (۱۲۹) وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ (۱۳۰)

اُنھوں نے کہا کہ ہم کو ایذا دی گئی اس سے پہلے کہ تو ہمارے پاس آوے اور اُس کے بعد بھی کہ تو ہمارے پاس آیا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور ملک میں تم کو جانشین کرے پھر دیکھے کہ کس طرح تم عمل کرتے ہو (۱۲۹) اور بیشک ہم نے گرفتار کیا فرعون کے لوگوں کو قحط میں اور پھلوں کے نقصان ہونے میں تاکہ وہ نصیحت پکڑیں (۱۳۰)

کے رسول یعنی موسیٰ وہاں موجود تھے جن کی طرف صاف اشارہ ہے ہمارے مفسرین خدا اُن کو بخشے اُن کو چھوڑ کر سمندر میں جا ڈوبے ۔

ایک لفظ بھی قرآن مجید کا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ اُس کو بچھڑے میں سچ مچ کی اور خدا کے پیدا کئے ہوئے بچھڑے کی مانند آواز تھی بلکہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سامری نے اُس بچھڑے کو اس طرح بنایا تھا کہ اُس میں سے آواز بھی نکلتی تھی ہزاروں جانور اب بھی کاریگر اس طرح سے بناتے ہیں کہ وہ اُڑتے ہیں ہلتے ہیں حرکت کرتے ہیں بولتے ہیں۔ سامری نے بھی اُس بچھڑے کو ایسی کاریگری سے بنایا تھا کہ اُس میں سے آواز بھی نکلتی تھی سید ھے مطلب کو ٹیڑھا کرنا ہمارے مفسروں کی عجائب پرستی اور یہودیوں کی تقلید کے سوا کچھ نہیں ہے مذہب اسلام اور خدا کا کلام یعنی قرآن مجید ان سب لغویات سے پاک ہے ۔

یہی قول معتزلے عالموں کا بھی ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ۔ اکثر معتزلے مفسروں کا یہ قول ہے کہ سامری نے وہ بچھڑا اندر سے کھوکھلا بنایا تھا اور اُس کے اندر نلیاں لگائی تھیں اُن سے آواز بچھڑے کی آواز کے مشابہ نکلتی تھی اور اَور مفسروں نے یہ کہا کہ وہ مورت کھوکھلی تھی اور جہاں وہ بچھڑا کھڑا کیا گیا تھا اُس کے نیچے ایک ایسا مقام تھا جہاں ایک شخص کھڑا ہو کر اُس میں پھونکتا تھا اور لوگ اُس کو نہیں جانتے تھے اُس کے پیٹ میں سے بچھڑے کی آواز کی مانند آواز سنتے تھے۔ اس قول کے قائل نے کہا کہ اب بھی لوگ اُن مورتوں

وقال اکثر المفسرین من المعتزلۃ انہ کان قد جعل ذلک العجل مجوفا ووضع فی جوفہ انابیب وظہر منہ صوت مخصوص یشبہ خوار العجل وقال اٰخرون انہ جعل ذلک التمثال اجوف وجعل تحتہ فی الموضع الذی نصب فیہ العجل من ینفخ فیہ من حیث لا یشعر بہ الناس فسمعوا الصوت من جوفہ کالخوار۔ قال صاحب ھذا القول والناس قد یفعلون الاٰن فی ھذہ التصاویر التی یجرون فیہا الماء علیٰ سبیل الفوارات وما یشبہ ذلک فبھذا الطریق وغیرہ اظہر الصوت من ذلک التمثال ثم القی الی الناس ان ھذا العجل الٰھھم والٰہ موسیٰ ۔
(تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۳۰۱) ۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (۱۲۸)	موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد چاہو اور صبر کرو بیشک تمام زمین اللہ کی ہے اُس کا وارث کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اور اخیر کو بھلائی پرہیزگاروں کے لئے ہے (۱۲۸)

پیروی کرو اور میرے حکم کو بجالاؤ اُنہوں نے کہا کہ ہم تو اسی کے گرد بیٹھے رہینگے جب تک پھر ہمارے پاس موسیٰ آوے۔ جب موسیٰ آئے تو اُنہوں نے کہا اے ہارون کس چیز نے تجھ کو اس بات سے روکا کہ جب تو نے اُن کو گمراہی میں دیکھا تو تو میری پیروی کرے کیا تو نے میرے حکم کی نافرمانی کی۔ ہارون نے کہا کہ اے میرے ماں جائے (بھائی) تم میری ڈاڑھی اور میرے سر کے بال مت پکڑو بیشک میں اس بات سے ڈرا کہ تم یہ نہ کہو تو نے تفرقہ ڈالدیا بنی اسرائیل میں اور میری بات کو نگاہ نہ رکھا۔ موسیٰ نے کہا اے سامری تیرا کیا حال ہے اُس نے کہا مجھے ایسی بات سوجھی جو کسی کو وہ نہ سوجھی تھی پھر میں نے رسول کے نقش قدم سے (یعنی حضرت موسیٰ کے نقش قدم سے جب کہ وہ پہاڑ کو جاتے تھے) مٹی کی مٹھی بھرلی پھر اُس کو بچھڑے میں میں نے ڈالدیا اور اس طرح میرے نفس نے مجھ کو دھوکا دیا +

قرآن کے لفظ ہم نے اس مقام پر لکھے ہیں اور اُن کا مطلب بھی جو صاف صاف قرآن کے لفظوں سے نکلتا ہے لکھ دیا یا اب ہمارے عجائب پرست مفسروں نے اس پر لغو و بیہودہ قصوں پر قصے باندھ دیئے ہیں۔ پہلے تو یہ قرار دیا کہ اُس بچھڑے میں اسی طرح کی آواز تھی جس طرح کہ سچ مچ کی اور خدا کی پیدا کی ہوئی بچھڑے میں آواز ہوتی ہے پھر ضرور ہوا اُس کا کوئی سبب بھی قرار دیں اس لئے "الرسل" کے لفظ سے تو جبرئیل مراد لئے۔ "بصرت" سے یہ معنی لئے کہ سامری نے جبرئیل کو دیکھا تھا اور اَور کسی نے نہیں دیکھا تھا اور وہ کہاں عین اُس وقت جب کہ بحر احمر سے بنی اسرائیل گذر رہے تھے اور فرعون تعاقب میں تھا اور فرعون کے لشکر اور بنی اسرائیل کے لشکر کے درمیان میں جبرئیل آگئے تھے اُس وقت سامری نے اُن کو دیکھا اور پہچان لیا اور نہایت دُور اندیشی سے اُن کی یا اُن کے گھوڑے کے (کیونکہ بعض مفسرین کے نزدیک اُس وقت گھوڑے پر چڑھے ہوئے تھے) پاؤں تلے کی مٹی اُٹھالی کہ کسی وقت کام دیگی اَور یہاں اُس کو کام میں لایا اور بچھڑے کے مُنہ میں ڈالدی وہ سچ مچ کے خدا کے پیدا کئے ہوئے بچھڑے کی مانند بولنے لگا +

ان خرافات و لغویات کا کچھ ٹھکانا ہے کیسے جبرئیل وہ کہاں تھے کہاں سمندر کہاں کی بات کہاں سے دوڑے سمندر میں جبرئیل کا آنا کیسا اُن کا گھوڑے پر سوار ہونا کیسا اللہ

وَقَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ (۱۲۴)

اور کہا قوم فرعون سرداروں نے کہ کیا تو چھوڑ دیگا موسٰے کو اور اُس کی قوم کو تا کہ ملک میں فساد کریں اور تجھ کو اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں (فرعون نے) کہا کہ ابھی ہم اُن کے بیٹوں کو (یعنی مردوں کو) مار ڈالینگے اور اُن کی عورتوں کو ہم زندہ رکھینگے اور بیشک ہم اُن پر غالب ہیں (۱۲۴)

امارد تم ان يحل عليكم غضب من ربكم فاخلفتم موعدی قالوا ما اخلفنا موعدك بملكنا ولكنا حملنا اوزارا من زينة القوم فقذفناها فكذلك القى السامری فاخرج لهم عجلا جسدا له خوار فقالوا هذا الهكم واله موسى فنسی افلا يرون الا يرجع اليهم قولا ولا يملك لهم ضرا ولا نفعا ولقد قال لهم هارون من قبل يا قوم انما فتنتم به وان ربكم الرحمن فاتبعونی واطيعوا امری قالوا لن نبرح عليه عاكفين حتى يرجع الينا موسى قال يا هرون ما منعك اذ رايتهم ضلوا الا تتبعن افعصيت امری قال يا ابن ام لا تاخذ بلحيتی ولا براسی انی خشيت ان تقول فرقت بين بنی اسرائيل ولم ترقب قولی قال فما خطبك يا سامری قال بصرت بما لم يبصروا به فقبضت قبضة من اثر الرسول فنبذتها وكذلك سولت لی نفسی -

۲۰ - سورہ طٰہٰ ۸۵ لغایت ۹۶ ◆

بھی نکلتی تھی ◆

اور سورہ طٰہٰ میں فرمایا ہے کہ - اے موسٰے کیا چیز مجھ کو تیری قوم سے چھوڑا کر ایسی جلدی لے آئی - موسٰے نے کہا کہ وہ لوگ میری پیروی پر ہیں اور میں جلد چلا آیا تیرے پاس تا کہ تو راضی ہو - خدا نے کہا کہ بیشک مَیں نے تیری قوم کو تیرے پیچھے آفت میں ڈالا ہے اور سامری نے اُس کو گمراہ کیا ہے - پھر لوٹ آیا موسٰے اپنی قوم کے پاس غصہ میں بھرا ہوا غمگین - کہا اے میری قوم کے لوگو کیا تمہارے پروردگار نے تم سے اچھا وعدہ نہیں کیا تھا - کیا تم پر لمبی مدت گذر گئی یا تم نے یہ چاہا کہ تم پر تمہارے پروردگار کی طرف سے غضب نازل ہو پھر تم نے میرے وعدہ کے برخلاف کیا - اُنہوں نے کہا کہ ہم نے اپنے اختیار سے تیرے وعدہ کے برخلاف نہیں کیا ولیکن ہم سے فرعون کی قوم کے گہنوں کا بوجھ اُٹھوایا گیا پھر ہم نے اُس کو پھینک دیا اور اسی طرح سامری نے ڈالدیا (آگ میں) پھر اُس نے اُن کے لئے ایک بچھڑا نکالا جسم کہ اُس کے لئے آواز تھی یعنی اُس میں سے آواز بھی نکلتی تھی - پھر اُن لوگوں نے کہا کہ یہ تمہارا پروردگار اور موسٰے کا پروردگار ہے پھر موسٰے بھول گیا ہے - کیا اُنہوں نے نہیں دیکھا کہ وہ پھر کر اُن کی بات کا جواب نہیں دیتا اور نہ اُس کے اختیار میں اُن کے لئے ضرر پہنچانا ہے نہ فائدہ - بیشک اس سے پہلے ہارون نے اُن سے کہا تھا کہ اے میری قوم تم اُس کے سبب سے آفت میں پڑے ہو اور بیشک تمہارا پروردگار خدا ے مہربان ہے پھر تم میری

لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَاَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّکُمۡ اَجۡمَعِیۡنَ ﴿۱۲۱﴾ قَالُوۡۤا اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ ﴿۱۲۲﴾

بیشک میں کاٹ ڈالوں گا تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں برخلافی سے پھر ضرور تم کو سولی دیدونگا تم سب کو (۱۲۱) اُنھوں نے کہا بیشک ہم اپنے پروردگار کے پاس پھر جانے والے ہیں (۱۲۲)

کا کاتب خدا تھا۔ بلکہ جس طرح خدا تعالےٰ کبھی بندوں کے اور اشیا کے بعض افعال کو اپنی طرف نسبت کرتا ہے اس طرح بھی فعل کتابت الواح کا خدا نے اپنی طرف منسوب نہیں کیا +

اب رہی یہ بات کہ پھر اُن پر کس نے لکھا تھا حضرت موسےٰ کے سوا وہاں اور کوئی لکھنے والا نہ تھا۔ وہب نے جو یہ کہا ہے کہ وہ سخت پتھر کی لوحیں تھیں خدا نے موسےٰ کے لئے اُن کو نرم کر دیا تھا۔ اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہب کے نزدیک بھی حضرت موسےٰ ہی اُن کے لکھنے والے تھے +

حضرت موسےٰ ایک مہینہ میں واپس آنے کا اقرار کر کے پہاڑ پر گئے تھے اُن کو جو مہینہ بھر عبادت میں مشغول رہنے کا حکم ہوا وہ اُسی کو میعاد عطاے احکام سمجھے حالانکہ احکام اُس کے بعد ملنے کو تھے چنانچہ دس روز میں وہ احکام ملے یا اُن کے کھودنے میں دس دن لگ گئے۔ غرضکہ چالیس دن رات ہو گئے خدا نے جو احکام اُن کو وحی سے بتائے تھے اُنھوں نے چاہا کہ اُن کو پتھر کی لوحوں میں کندہ کرلیں اور بنی اسرائیل کو جا کر دکھائیں۔ وعدہ سے دس دن زیادہ لگ جانے سے بنی اسرائیل کو اُن کے واپس آنے کی توقع جاتی رہی اور انھوں نے اپنے لئے بطور دیوتا کے بچھڑا بنا لیا اور اُس کی پوجا کرنے لگے +

چہاردہم - اتخاذ عجل

بچھڑا بنانے کا کچھ مختصر سا ذکر ہم نے سورہ بقر کی تفسیر میں لکھا ہے مگر اس مقام پر اُس کے متعلق خاص باتوں سے بحث کرنی چاہتے ہیں اور اول اُن آیتوں کو لکھتے ہیں جن سے وہ بحث متعلق ہے +

واتخذ قوم موسیٰ من بعدہ من حلیہم عجلا جسدا لہ خوار الم یروا انہ لا یکلمہم ولا یہدیہم سبیلا۔

۷۔ سورۂ اعراف - ۱۴۶ +

خدا نے سورہ اعراف میں فرمایا ہے۔ اور بنایا موسےٰ کی قوم نے موسےٰ کے پہاڑ پر جانے کے بعد اُن کے گہنوں سے بچھڑا الجسم کہ اُس کے لئے آواز تھی یعنی اُس میں سے آواز

وما اعجلک عن قومک یا موسیٰ قال ہم اولاء علی اثری وعجلت الیک رب لترضیٰ قال فانا قد فتنا قومک من بعدک واضلہم السامری فرجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا قال یٰقوم الم یعدکم ربکم وعدا حسنا افطال علیکم العہد

وَمَا تَنْقِمُ مِنَّا اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (۱۲۳)	اور تو ہم کو سزا نہیں دیتا مگر اس پر کہ ہم ایمان لائے ہیں اپنے پروردگار کی نشانیوں پر جبکہ وہ ہمارے پاس آئیں اے ہمارے پروردگار ہم کو صبر دے اور مار ہم کو مسلمانی میں (۱۲۳)

اور اُس طرز بیان سے جو توریت میں آیا ہے بخوبی پایا جاتا ہے کہ وہ لوحیں خود حضرت موسٰے نے بنائی تھیں اور جو احکام خدا نے اُن کو دئیے تھے وہ خود حضرت موسٰے نے اُن پر کندہ کئے تھے +

ہمارے علمائے مفسرین نے اس بات پر بحث کی ہے کہ وہ لوحیں کس چیز کی تھیں اور کے تھیں بعضوں نے کہا دس تھیں بعضوں نے کہا سات تھیں کسی نے کہا زمرد کی تھیں کسی نے کہا سبز زبرجد کی تھیں اور سُرخ یاقوت کی تھیں۔ حسن نے کہا کہ لکڑی کی تھیں جو آسمان سے اُتری تھیں اور وہب کا قول ہے کہ وہ سخت پتھر کی تھیں اُن کو خدا نے موسٰے کے لئے نرم کردیا تھا +

وقال وھب کانت من صخرۃ صما لینھا اللہ لموسی علیہ السلام (تفسیر کبیر) +

بہرحال وہ لوحیں کسی چیز کی ہوں وہ چنداں بحث کے قابل نہیں ہیں جو امر بحث طلب ہے وہ یہ ہے کہ اُن پر لکھا کس نے تھا ہمارے علما نے درحقیقت اس میں سکوت اختیار کیا ہے اگرچہ بعضوں کا قول ہے کہ جبرئیل نے لکھا تھا مگر تفسیر کبیر میں قول فیصل یہ لکھا ہے کہ آیت کے لفظوں سے کتابت فی الالواح کی کیفیت معلوم نہیں ہوتی پس اگر اور کسی قوی دلیل سے اُس کی کیفیت معلوم نہ ہو تو سکوت کرنا چاہیئے +

واما کیفیۃ الکتابۃ فقال ابن جریج کتبھا جبرئیل بالقلم الذی کتب بہ الذکر واستمد من نھر النور و اعلم انہ لیس فی لفظ الآیۃ ما یدل علی کیفیۃ تلک الالواح وعلی کیفیۃ تلک الکتابۃ فان ثبت ذلک التفصیل بدلیل منفصل قوی وجب القول بہ والا وجب السکوت عنہ (تفسیر کبیر) +

مَیں یہ بات کہنی چاہتا ہوں کہ آیت کے لفظوں سے یہ بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالٰے ان لوحوں کا کاتب نہ تھا کیونکہ تمام قرآن مجید میں لفظ "کتبنا" کا جہاں آیا ہے اُس سے خدا کی نسبت فعل کتابت کی مراد نہیں لی گئی بلکہ مقرر کرنے فرض کرنے کے معنی لئے گئے ہیں چنانچہ "کتبنا" کے ہر جگہ سب علما نے یہی معنی قرار دئیے ہیں "علی" اور "لہ" جو کتابت کے صلہ میں آتا ہے اُس سے کچھ تغیر معنی میں نہیں ہوتا۔ بلکہ "فی" کے صلہ میں آنے سے بھی کچھ تغیر واقع نہیں ہوتا چنانچہ سورۂ انبیا کی ایک سو پانچویں آیت میں یہ الفاظ آئے ہیں "ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصالحون" یہ بات ظاہر ہے کہ زبور کا لکھنا یعنی فعل کتابت کسی نے بھی خدا کی طرف منسوب نہیں کیا پس اُس کے معنی یہی ہیں کہ "فرضنا فی الزبور" پس قرآن مجید کی کوئی آیت اس بات پر اشارہ بھی نہیں کرتی کہ اُن لوحوں

لِيُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ (۱۲۰)	تاکہ اس میں سے نکال دو اُس کے رہنے والوں کو پھر جلد تم جان لو گے (۱۲۰)

برسالاتی وبکلامی فخذ ما اٰتیتک وکن من الشاکرین وکتبنا لہ فی الالواح من کل شیٔ موعظۃ وتفصیلا لکل شیٔ فخذھا بقوۃ وأمر قومک یأخذوا باحسنھا ساوریکم دار الفاسقین۔

سورۂ اعراف - ۴۱ و ۴۲۔

ولما رجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا قال بئسما خلفتمونی من بعدی اعجلتم امر ربکم و القی الالواح واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ۔ ولما سکت عن موسیٰ الغضب اخذ الالواح وفی نسختہا ھدی ورحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون۔

۷۔ سورۂ اعراف - ۱۴۹ - ۱۵۲ +

کہ جب خدا نے موسٰے کو سب احکام بتادئے تو موسٰے نے اُن تمام حکموں کو جو خدا نے دئے تھے لکھ لیا۔ (سفر خروج باب ۲۴ درس ۴) اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسٰے کو لکھنا آتا تھا۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ۔ خدا نے موسٰے سے کہا کہ میرے پاس پہاڑ پر آ تاکہ پتھر کی لوحیں اور توریت اور اَور احکام جو میں نے لکھے ہیں تجھ کو دوں تاکہ بنی اسرائیل کو تعلیم کرے (سفر خروج باب ۲۴ درس ۱۲) اور ایک اور مقام پر لکھا ہے کہ۔ جب خدا موسٰے سے بات چیت کر چکا تو لوحیں شہادت کی یعنی پتھر کی لوحیں جو خدا کی اُنگلی سے لکھی ہوئی تھیں موسٰے کو سپرد کیں۔ (سفر خروج باب ۳۱ درس ۱۸)۔ اور ایک جگہ پھر لکھا ہے کہ۔ چالیس دن رات پہاڑ پر رہنے کے بعد خدا نے دو پتھر کی لوحیں جو خدا کی اُنگلی سے لکھی گئی تھیں موسٰے کو دیں اور جو کچھ خدا نے پہاڑ میں بنی اسرائیل کے سرداروں سے آگ کے بیچ میں سے کہا تھا لکھا گیا تھا (سفر توریہ مثنے باب نہم درس ۱۰ و ۱۱) بعد اس کے جب حضرت موسٰے اُن لوحوں کو لیکر آئے اور ہارون پر خفگی ہونے کی حالت میں اُن کو پھینک دیا اور وہ ٹوٹ گئیں تو خدا نے موسٰے کو حکم دیا کہ۔ اپنے لئے پتھر کی دو لوحیں پہلی لوحوں کے برابر بناوے اور میرے پاس پہاڑ میں لے آ اور اُن کے لئے لکڑی کا ایک صندوق بنا۔ جو کلمات کہ پہلی لوحوں پر لکھے ہوئے تھے۔ وہ میں پھر اُن لوحوں پر لکھ دونگا۔ موسٰے نے ایسا ہی کیا اور خدا نے پہلی تحریر کے موافق اُن دس کلموں کو جو خدا نے بنی اسرائیل پر پہاڑ پر آگ کے بیچ میں سے کہے تھے لکھ دئے اور لوحیں موسٰے کو دیدیں موسٰے نے احتیاط سے اُن کو صندوق میں رکھ چھوڑا (سفر توریہ مثنے باب ۲۰ درس ۱ لغایت ۵) یہ بات ہر کوئی تسلیم کر سکتا ہے کہ خدا کی شان اور اُس کے تنزہ سے بعید ہے کہ وہ خود اپنے ہاتھ یا اپنی اُنگلی سے مثل ایک سنگتراش کے پتھر پر عبارت کندہ کرے۔ یہودی اور عیسائی اور وہ تمام لوگ بھی جو ایسے واقعات کو ہمیشہ ایک عجیب پیرایہ میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں ان لفظوں کے جو توریت میں ہیں ظاہری معنی نہیں لیتے بلکہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان لفظوں سے یہ مراد ہے کہ خدا کی قدرت سے وہ کلمات اُس پر کُھد گئے تھے۔ تمام حالات سے

بیشک یہ ایک مکر ہے کہ تم نے کیا ہے اس شہر میں	اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ

نہیں آئی تھی ✦

سورہ قصص کی آیت میں آواز کا آنا من الشجرۃ بیان ہوا ہے لفظ من سے خاص درخت میں سے آواز کا آنا نہیں ثابت ہوتا کیونکہ اس آیت میں خود خدا نے جانب کے معنی کی تصریح کردی ہے جہاں فرمایا ہے من جانب الطور۔ اور اسی تصریح پر من شاطیٔ الوادی الایمن۔ ای من جانب الشاطی الوادی الایمن ۔ من الشجرۃ ای من جانب الشجرۃ محمول کیا جاتا ہے ۔ اور یہ خیال کرنا کہ یہ شجرہ شجر تھا جس میں آگ روشن ہوئی تھی اور درخت سبز کا سبز تھا اور نہیں جلتا تھا اور حضرت موسےٰ نے اسی سبز درخت میں آگ دیکھی تھی یہودیوں کی کتابوں کی کہانیاں اور بے ثبوت قصے ہیں قرآن مجید سے مطلق ثابت نہیں ہے ۔ سورہ یٰسین میں جو آیا ہے کہ من الشجر الاخضر نارا ۔ اُس کو حضرت موسےٰ کے قصہ سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ✦

۳ ۔ تجلی للجبل کی نسبت بہت تھوڑی گفتگو کرنی ہے حضرت موسےٰ نے یہ کہا ۔ رب ارنی انظر الیک ۔ اس کی تفصیل سورہ بقر میں بیان ہو چکی ہے کہ کس حالت ذہول میں حضرت موسےٰ نے یہ ناممکن خواہش خدا سے کی تھی اُس کا جواب خدا کی طرف سے بجز ۔ لن ترانی ۔ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا تھا ۔ مگر چونکہ خدا کا وجود اُس کی تمام مخلوقات سے اور خصوصاً ایسی مخلوق سے جو لوگوں کی آنکھ میں زیادہ تر عجیب ہیں ثابت ہوتا ہے اس لئے خدا نے حضرت موسےٰ کو اُس عجیب مخلوق کی طرف متوجہ کیا جو اُن کے قریب موجود تھی اور جس سے خدا کی شان و قدرت ظاہر ہوتی تھی ۔ یعنی اُس آتشیں پہاڑ کی طرف جو روشن ہونا شروع ہوا تھا اور جس کی لو کو حضرت موسےٰ دیکھ کر آگ لینے دوڑے تھے مگر جب وہ پہاڑ بھڑکا اور گرجا اور اُس کے پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اُڑے تو حضرت موسےٰ غش کھا کر گرے ۔ پھر جب ہوش آیا تو اُس سوال سے توبہ کی اور کہا انا اول المومنون ✦

تجلی خدا کی اُس کی تمام مخلوق میں موجود ہے جیسا کہ ہم نے سورہ بقر میں بیان کیا ہے پس فلما تجلی ربہ للجبل کے معنی یہ ہیں کہ ۔ فلما ظہر شان ربہ وکمال قدرتہ علی الجبل استرھب موسیٰ وخر صعقا ✦

سیزدہم ۔ بیان کتابت فی الالواح

یہ لوحیں پتھر کی تختیاں تھیں جن پر وہ احکام کھدے ہوئے تھے جو بنی اسرائیل کے لئے خدا نے دئیے تھے توریت میں ایک جگہ لکھا ہے قال یاموسیٰ انی اصطفیتک علی الناس

فرعون نے کہا کہ تم ایمان لے آئے اُس سے پہلے کہ میں تم کو اجازت دوں	قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ

انہی قصوں کو مختلف طرح پر اپنی تفسیروں میں بھر دیا ہے اور صرف قرآن مجید کی آیتوں پر غور کیا جاوے تو ان آیتوں سے مندرجہ ذیل امور پائے جاتے ہیں +

۱۔ موسےٰ نے جو آگ دیکھی تھی حقیقت میں وہ آگ ہی تھی نہ خدا تھا اور نہ خدا کا نور اور نہ ہرے سبز درخت میں سے وہ آگ روشن ہوئی تھی اور درخت نہیں جلتا تھا جیسا کہ لوگ خیال کرتے ہیں بلکہ صرف بات اس قدر تھی کہ درحقیقت حضرت موسےٰ نے پہاڑ کی جانب آگ جلتی ہوئی دیکھی رستہ پر آگ جلانا پرانی قوموں کا دستور تھا۔ رات کا وقت اور موسم سردی کا تھا اور جنگل میں حضرت موسےٰ رستہ بھی بھول گئے تھے اُنھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ تم ٹھیرو میں وہاں جاتا ہوں یا وہاں کوئی شخص رستہ بتانے والا ملجاویگا۔ یا میں تمہارے لئے وہاں سے کوئی جلتی ہوئی لکڑی لے آؤنگا جس سے تم تاپنا تاکہ سردی سے بچو +

یہ واقعہ کوہ سینا یا کوہ طور کے قریب موسےٰ پر گذرا تھا جب کہ وہ مدین سے اپنے گھر کے لوگوں کو لیکر مصر کو جاتے تھے۔ ہم نے سورہ بقر کی تفسیر میں اس بات کو کامل تحقیقات سے ثابت کر دیا ہے کہ طور سینا آتشیں پہاڑ تھا اس میں سے جو لو نکلی ہوگی اُس کو حضرت موسےٰ نے دیکھ کر یہ بات کہی کہ میں نے آگ دیکھی ہے وہاں سے کوئی خبر یا تھوڑی سی آگ لیکر آتا ہوں +

۲۔ ان آیتوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جو آواز موسےٰ کو وہاں آئی یا جو کلام خدا نے موسےٰ سے کیا اُس کو اس آگ سے کچھ تعلق نہ تھا۔ سورہ طٰہٰ اور سورہ نمل میں بیان ہوا ہے کہ جب حضرت موسےٰ آگ کے پاس آئے تو اُن کو آواز دی گئی۔ نہ وہاں یہ بیان ہوا ہے کہ آگ نے آواز دی نہ یہ بیان ہوا ہے کہ آگ میں سے آواز آئی بلکہ باوجودیکہ آگ کا ذکر وہاں موجود ہے اور پھر نودی صیغہ مجہول کا آیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس آواز یا کلام کو آگ سے کچھ تعلق نہیں تھا۔ مثلاً ایک شخص دریا میں سے پانی بھرنے جاوے اور وہ کہے کہ جب میں دریا کے قریب پہنچا تو میں نے پکارنے کی آواز سُنی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ خواہ دریا میں سے وہ آواز آئی۔ اسی طرح جب حضرت موسےٰ آگ کے قریب پہنچے تو اُن کے کان میں آواز آئی۔ پس اس بات کا قرار دینا کہ وہ آواز آگ میں سے آئی تھی کسی طرح قرآن مجید سے نہیں پایا جاتا +

علاوہ اس کے سورہ قصص میں بیان ہوا ہے کہ مبارک جنگل کے کنارہ سے ایک درخت کی طرف سے وہ آواز آئی تھی اور یہ آیت نص صریح اس بات کی ہے کہ آگ میں سے آواز

موسےٰ و ہارون کے پروردگار پر (۱۱۹)	رَبِّ مُوْسٰی وَھَارُوْنَ (۱۱۹)

منہا بخبر او اتیکم بشہاب قبس لعلکم تصطلون۔ فلما جاءھا نودی ان بورک من فی النار ومن حولھا وسبحان اللہ رب العالمین۔ یاموسیٰ انہ انا اللہ العزیز الحکیم۔

۲۷ ۔ نمل ۔ ۷ ۔ ۹ +

وہاں سے تمہارے لئے کوئی خبر لاتا ہوں یا تمہارے لئے جلتی لکڑی لاتا ہوں تاکہ تم تاپو۔ پھر جب موسے آگ کے پاس آیا تو آواز دی گئی کہ برکت دی گئی اُس کو جو آگ کے قریب ہے (یعنی موسے کو) اور اُس کو جو اُس کے گرد ہے (یعنی ہارون کو جو موسے کے گھر کے لوگوں کے ساتھ تھے) اور پاک ہے اللہ پروردگار عالموں کا اے موسے ٹھیک بات یہ ہے کہ میں ہوں خدا زبردست حکمت والا +

اور سورہ قصص میں اس طرح فرمایا ہے کہ۔ جب موسے مدین سے اپنے گھروالوں کو

فلما قضی موسیٰ الاجل وسار باھلہ انس من جانب الطور نارا قال لاھلہ امکثوا انی انست نارا لعلی اٰتیکم منہا بخبر او جذوۃ من النار لعلکم تصطلون۔ فلما اتاھا نودی من شاطئ الواد الایمن فی البقعۃ المبارکۃ من الشجرۃ ان یاموسیٰ انی انا اللہ رب العالمین۔

۲۸ ۔ قصص ۔ ۲۹ و ۳۰ +

لیکر غالباً مصر کے جانے کے قصد سے روانہ ہوا تو اُس نے طور کی جانب آگ دیکھی اُس نے اپنے گھروالوں سے کہا کہ ٹھیرو میں نے آگ کو دیکھا ہے شاید میں وہاں سے تمہاری کوئی خبر یا کچھ تھوڑی سی آگ لاؤں تاکہ تم تاپو پھر جب موسے آگ کے پاس آئے تو مبارک میدان کے کنارہ سے مبارک جگہ میں درخت کی طرف سے آواز دی گئی کہ اے موسے بیشک میں اللہ ہوں پروردگار عالموں کا +

اور سورہ اعراف میں یوں آیا ہے کہ۔ جب موسے ہماری مقرر کی ہوئی جگہ میں آیا اور

ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا وکلمہ ربہ قال رب ارنی انظر الیک قال لن ترانی ولکن انظر الی الجبل فان استقر مکانہ فسوف ترانی فلما تجلی ربہ للجبل جعلہ دکا وخر موسیٰ صعقا۔ فلما افاق قال سبحانک تبت الیک وانا اول المومنین۔

۷ ۔ سورۃ اعراف ۔ ۱۳۹ و ۱۴۰ +

اُس کے پروردگار نے اُس سے کلام کیا تو موسے نے کہا اے پروردگار اپنے تئیں مجھے دکھلادے خدا نے کہا کہ تو مجھے نہ دیکھیگا مگر اُس پہاڑ کی طرف دیکھ پھر اگر وہ اپنی جگہ پر قایم رہے تو تو مجھ کو بھی دیکھ لیگا۔ پھر جب اُس کے پروردگار نے پہاڑ کے لئے تجلی کی تو اُس کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور گر پڑے موسے بیہوش ہو کر۔ پھر جب ہوش آیا تو کہا کہ پاک ہے تو معافی مانگتا ہوں تجھ سے اور میں پہلا ایمان والوں میں ہوں +

اگر اُن قصوں اور کہانیوں سے قطع نظر کی جاوے جو یہودیوں نے اُس کی نسبت بنائی ہیں اور اُن کی کتابوں میں مندرج ہیں اور جن کی پیروی کرکے ہمارے ہاں کے مفسروں نے

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۱۸﴾ | بولے کہ ہم ایمان لائے عالموں کے پروردگار پر ﴿۱۱۸﴾

اور اُن کے کان میں طبیعت کا ذوق اور خدا کا شوق بھڑک اُٹھا ـ اور اُن کے کان میں ـ انی انا اللہ رب العالمین ـ
معلوم ہونے سے خدا کی طرف طبیعت کا ذوق اور خدا کا شوق بھڑک اُٹھا ـ انی انا اللہ العزیز الحکیم ـ انی انا اللہ رب العالمین ـ
آواز آئی ـ یاموسیٰ انی انا ربك ـ انہ انا اللہ العزیز الحکیم ـ انی انا اللہ رب العالمین ـ یہ آواز کسی بولنے والے کی نہ تھی نہ خدا کی آواز
فاخلع نعلیك انك بالوادی المقدس طوی ـ یہ آواز کسی بولنے والے کی نہ تھی نہ خدا کی آواز تھی کیونکہ جیسا ہم نے ابھی بیان کیا خدا کے کلام میں آواز نہیں ہوتی ـ بیشک خدا نے یہ الفاظ
موسے کے دل میں ڈالے اور خود موسے کے دل کی آواز اُس کے کان میں آئی جو خدا کے پکارنے سے تعبیر کی گئی ❖

جو کلام خدا تھے موسے کے دل میں ڈالے اور خود موسے کے دل کی آواز اُس کے کان میں
آئی جو خدا کے پکارنے سے تعبیر کی گئی ❖

اُسی جوش دلی اور استغراق قلبی کا سبب تھا جس سے حضرت موسے کو اپنی حیثیت کا ذہول ہُوا اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر کہنے لگے ـ رب ارنی انظر الیك ـ خدا نے جواب دیا نہ اپنی آواز سے اور نہ کسی فانی جسم میں آواز ڈالنے سے بلکہ خود موسے کے دل میں اپنا کلام ڈالنے سے کہ ـ لن ترانی ـ جہاں جہاں خدا اور موسے میں کلام ہونے کا ذکر ہے اُس کی یہی ماہیت ہے ـ اور وکلم اللہ موسیٰ تکلیما ـ کی یہی حقیقت ہے ھذا ما افھمنی اللہ حقیقۃ کلامہ العظیم وھو الھادی الی الصراط المستقیم ❖

دوازدہم حقیقت تجلی بالجبل

وھل اتٰك حدیث موسیٰ ـ اذ رای نارا فقال لاھلہ امکثوا انی انست نارا لعلی اٰتیکم منھا بقبس او اجد علی النار ھدی ـ فلما اتاھا نودی یاموسیٰ ـ انی انا ربك فاخلع نعلیك انك بالوادی المقدس طوی ـ
۳۰ ـ طٰہٰ ـ ۸ ـ ۱۲ ❖

پہاڑ پر خدا کی تجلی ہونے اور آگ کی صورت میں نزول فرمانے کی نسبت تفسیروں میں بہت کچھ بھرا ہُوا ہے مگر قرآن مجید میں یہ واقعہ نہایت صاف صاف اور سیدھے لفظوں میں بیان ہُوا ہے جس میں کچھ بھی پیچیدہ بات نہیں ہے چنانچہ سورہ طٰہٰ میں خدا نے فرمایا کہ کیا تجھ تک موسے کا قصہ پہنچا ہے ـ جب کہ اُس نے آگ کو دیکھا پھر اپنے گھر والوں سے کہا کہ ٹھیر جاؤ مجھ کو آگ دکھائی دی ہے شاید میں تمہارے لئے اُس میں سے جلتی ہوئی لکڑی لے آؤں یا اُس آگ پر کسی راہ بتانے والے کو پاؤں ـ پھر جب موسے آگ کے پاس پہنچے اُس کو پکارا گیا یعنی آواز آئی کہ اے موسے بیشک میں تیرا خدا ہوں اپنی جوتی پاؤں سے اُتار بیشک تو پاک میدان میں ہے ❖

یہی مضمون کسی قدر الفاظ کی تبدیل سے سورہ نمل میں آیا ہے کہ ـ جب موسے نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ مجھ کو آگ دکھائی دی ہے
اذ قال موسیٰ لاھلہ انی انست نارا سآتیکم

وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾	اور گرا دئیے گئے ساحر سجدہ کرتے ہوئے ﴿۱۱۷﴾

عالم مثال است بصورت حروف وکلمات مرتبہ متمثل مے گردد وآں تلقی و القا بصورت سماع وکلام لفظی مرتسم مے شود چہ ہر معنی را دراں عالم صورتے است اگرچہ آں معنی بیچوں بود اما ارتسام بیچون ہم آنجا بصورت چون است کہ فہم وافہام باں مربوط است کہ مقصود ازاں ارتسام است وچوں سالک متوسط در خود حروف وکلمات مرتبہ مے یابد وسماع وکلام لفظی احساس مے نماید خیال میکنند کہ ایں حروف وکلمات را از اصل شنیدہ است و بے تفاوت از انجا اخذ کردہ نمے داند کہ ایں حروف وکلمات صور خیالیہ آں معنی متلقی است وایں سماع وکلام لفظی تمثال سماع وکلام بیچونی ، عارف تام المعرفت را باید کہ حکم ہر مرتبہ را جدا سازد ویکے را بدیگرے ملتبس گرداند پس سماع وکلام ایں اکابر کہ بمرتبہ بیچونی مربوط است از قبیل تلقی والقائے روحانی است وایں کلمات وحروف کہ تعبیر ازاں معنی متلقی باں مے نماید از عالم صور مثالیہ ، وگروہے کہ گمان بردہ اند کہ ما حروف وکلمات را ازاں حضرت جل سلطانہ استماع مے نمائیم دو فریق اند یکے ازاں دو فریق کہ احسن حال اند مے گویند کہ ایں حروف وکلمات حادثہ مسموعہ دال اند براں کلام نفسی قدیم و فریق دیگر اطلاق قول بسماع کلام حق جل شانہ مے نماید وہمیں حروف وکلمات مرتبہ را کلام حق میدانند جل وعلا وفرق نمے کنند درمیان آنکہ لایق بشان او تعالیٰ کدام است ، وکدام است کہ شایان جناب قدس او نیست سبحانہ وھذا الجھال البطال لم یعرفوا ما یجوز علی اللہ سبحانہ مما لا یجوز علیہ تعالیٰ سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ والصلوٰۃ والسلام علیٰ خیر البشر وآلہ واصحابہ الاطہر“ ۔

حضرت موسےٰ اپنے مقام سے نیز اپنے گھر والوں کے گھر کو روانہ ہوئے ۔ جو جو خیالات حضرت موسےٰ کو نسبت اُن مشکلات کے ہوئے جو بعد میں پیش آنے والی تھیں ۔ اور اپنی قوم کو فرعون کے ظلم سے نجات دینے کی مشکلات نے اُن کے دل کو کس قدر تنگ کیا ہوگا اور ان تمام مشکلوں کے سبب اُن کو ذات باری میں کس قدر استغراق نہ ہوگا ۔ کیونکہ ایسی مشکلات کو حل کرنے میں بجز ذات باری پر بھروسہ کے دوسرا کوئی ذریعہ نہ تھا ۔ یہ تمام اسباب تھے حضرت موسےٰ کو ذات باری میں کامل طور پر مستغرق ہوجانے کے ۔ اور حضرت موسےٰ جو خدا نے [illegible] پیدا کی تھی سب سے زیادہ اُس استغراق کا باعث تھی ۔

اتفاق سے رستہ بھولے ہوئے تھے جب [illegible] وہ [illegible] جب اُس کے قریب پہنچے تو [illegible] [illegible] مقدس [illegible]

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۵﴾	پھر ثابت ہوگیا سچ اور غلط ہوگیا جو کچھ کہ وہ کرتے تھے ﴿۱۱۵﴾

تو وہ دوسرا حرف قدیم نہ ہوا (الیٰ آخرہ) صحیح نہیں رہتا اس لئے کہ اس امر کا وقوع اُس وقت ہوتا جب کہ ہم کلام خدا میں حرف اور آواز دونوں مانتے مگر جب ہم کلام خدا میں آواز کو تسلیم نہیں کرتے تو نقص مذکورہ لازم نہیں آتا ٭

آواز کی کوئی دوسری حقیقت بجز اس کے کہ ہوا کی مدد اور زبان اور ہونٹوں کی حرکت سے پیدا ہوتی ہے ہم نہیں جانتے پس اُس کو بجنسہ خدا کی صفت قرار دینا اور یہ خیال کرنا کہ خدا کے مُنہ سے بھی مثل ہمارے مُنہ کے ایک حرف دوسرے حرف کے بعد نکلتا ہے بناء فاسد علی الفاسد ہے - پہلے ایک غلط امر کو تسلیم کیا ہے پھر اُس کی بنا پر دوسری غلطی قایم کی ہے ٭

جب کہ ہم کسی پر خواہ وہ جبرئیل ہو جو حسب اعتقاد جمہور مسلمین خدا اور انبیا میں مثل ایلچی کے واسطہ ہے اور خواہ وہ خود نبی مبعوث ہو جیسا کہ میرا خاص اعتقاد ہے خدا کے کلام کا نازل ہونا کہتے ہیں تو اُس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ خدا نے اُس کے دل میں بجنسہٖ وہ الفاظ جن کو بعد اس کے وہ تلفظ کریگا مع اُن کے معنی کے جو مقصود ہیں پیدا کیا ہے یا اِلقا کیا ہے اور وہی لفظ بجنسہ نبی نے تلفظ کئے ہیں پس گو اُس نبی کا اُن لفظوں کو تلفظ کرنا حادث ہو مگر وہ الفاظ مع اُن کے معنی کے یا وہ معنی مقید جن کا تلفظ بجز اُنہی الفاظ کے نہیں ہو سکتا تھا قدیم اور کلام خدا ہیں - اور یہی میرا اعتقاد قرآن مجید کی نسبت ہے کہ وہ بلفظہٖ مع معانیہا قدیم و کلام خدا ہے اور جو خدا نے اپنا کلام پیغمبر خدا میں بلا واسطہ پیدا کیا ہے جیسا کہ میں نے کسی مقام پر کہا ہے - ؎

ز جبرئیل امیں قرآں بہ پیغامے نمے خواہم
ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم

مگر پیغمبر خدا کا یا ہمارا اُن لفظوں کو تلفظ کرنا حادث ہے ٭

اس مضمون کو بذریعہ کسی مثال کے سمجھانا بلاشبہ نہایت مشکل ہے مگر ہم ایک قریب ترین مثال سے اُس کو سمجھاتے ہیں - فرض کرو کہ ایک شخص کسی سبب سے بول نہیں سکتا اگر ایک اپنی تحریر ہمارے سامنے پیش کرتا ہے جس کو ہم پڑھتے ہیں پس گو اُس تحریر میں آواز نہیں ہے مگر جو لفظ مطابق اُس تحریر کے ہماری زبان سے نکلتے ہیں وہ لفظ بلاشبہ اُسی کے ہیں جس نے اُس کو لکھا ہے اور ہم صرف اُن لفظوں کا تلفظ کرتے ہیں مگر درحقیقت وہ ہمارے لفظ نہیں ہیں اور یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ لفظ بروقت ہمارے تلفظ کے پیدا ہوئے ہیں ٭

ہم اس بات سے انکار نہیں کرتے کہ انبیا اور اولیا کوئی غیبی آواز نہیں سنتے -

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَاِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۴﴾	اور وحی کی ہم نے موسےٰ کی طرف کے ڈالدے اپنی لاٹھی پھر یکایک نگلجاویگی جو کچھا نہوں نے دکھلاوا کیا ہے ﴿۱۱۴﴾

میری تحقیق میں پہلا قیاس صحیح ہے اور مَیں خدا کے کلام کو اُس کی صفت سمجھتا ہوں اور تمام صفات خدا کو قدیم مانتا ہوں اور اسی لئے خدا کے کلام کو بھی قدیم یقین کرتا ہوں ۔ مگر حنبلیوں اور کرامیوں سے اس بات میں مختلف ہوں کہ خدا کے کلام میں آواز ہے اور اہل سنت و جماعت کے اس مسئلہ سے مختلف ہوں کہ صرف معانی قایم بالنفس ہیں اور وہی درحقیقت کلام ہے اور وہی غیر متغیر ہے بلکہ میرے نزدیک معانی اور لفظ دونوں قایم بالنفس ہیں اور دونوں قدیم و غیر متغیر ہیں ✣

لفظ بھی حقیقت میں ایک مفید یا مختص معانی ہیں جن پر بولے جانے کے بعد ہم لفظ کا اطلاق کرتے ہیں ۔ انسان جو گفتگو کرتا ہے اُس وقت بھی الفاظ اُس کے نفس میں اُن کے بولے جانے کے قبل موجود ہوتے ہیں ۔ مگر صرف معانی کو قایم فی الذات ماننے اور معانی اور لفظ دونوں کو قایم فی الذات ماننے میں یہ فرق ہے کہ پہلی صورت میں اُن معانی کو الفاظ مختصہ میں تعبیر کرنا لازم نہیں آتا اور دوسری صورت میں بجز الفاظ معینہ مختصہ کے اور کسی الفاظ سے تعبیر نہیں ہوسکتے ۔ مثلاً الحمد للہ کلام خدا ہے بذات باری میں مع معانی و الفاظ کے اس طرح پر قایم ہے کہ جب تلفظ میں آویگا تو الحمد للہ ہی اُس کا تلفظ ہوگا للہ الحمد اُس کا تلفظ نہیں ہوتے کا نہ ثناء اللہ اُس کا تلفظ ہوگا اور ہم قرآن مجید کو اسی معنی کر مع معانی اور الفاظ کلام خدا کہتے ہیں اور قدیم تسلیم کرتے ہیں ✣

لفظوں کے قایم بالنفس ہونے میں تقدم و تاخر نہیں ہوتا ۔ اس کو مثال دیکر سمجھانا بلاشبہ مشکل ہے مگر اس طرح پر سمجھ میں یا خیال میں آسکتا ہے کہ اگر جس طرح اُن الفاظ کے نقوش کو آئینہ کے سامنے رکھنے سے وہ سب معاً بلا تقدم و تاخر آئینہ میں منقش معلوم ہوتے ہیں اسی طرح الفاظ کے بھی بمعنی مذکورہ قایم فی الذات ہونے میں تقدم و تاخر لازم نہیں آتا ۔ ذات باری کی نسبت ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وہ علۃ العلل تمام چیزوں کی ہے جو ہو چکیں اور ہوتی ہیں اور ہونے والی ہیں ۔ اس لئے ضرور ہے کہ وہ تمام چیزیں ذات باری میں قایم ہوں اُن کے ظہور کے زمانہ کے مختلف ہونے اور تبدیل کیفیت و کمیت سے اُس چیز میں جو قایم فی الذات ہے حدوث لازم نہیں آتا ✣

اس صورت میں قاضی عضد اور علامہ سید شریف کا یہ کہنا کہ ہر ایک حرف اُن حرفوں میں سے جنسے کلام خدا مرکب ہو ایک حرف کے ختم ہونے پر دوسرے حرف کا شروع ہونا موقوف ہے

قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (۱۱۳)	موسٰے نے کہا تم ڈالو پھر جب اُنھوں نے ڈالا تو لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا اور اُن کو ڈرایا اور لائے بڑا جادو (۱۱۳)

جملہ ہے کہ "خدا کا کلام حرفوں و لفظوں کی ترتیب سے ملکر بنا ہے" اس کو نہیں مانتے۔ اور ہم یقین کرتے ہیں کہ معنی اور عبارت ایک نہیں ہیں کیونکہ عبارت تو زمانہ میں اور ملک میں اور قوموں میں مختلف ہو جاتی ہے اور معنی جو قایم بالنفس ہیں وہ مختلف نہیں ہوتے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اُن معنوں پر دلالت کرنا بھی لفظوں ہی میں منحصر نہیں ہے کیونکہ اُن معنوں پر کبھی اشارہ سے اور کبھی کنایہ سے اسی طرح پر دلالت کی جاتی ہے جیسے کہ عبارت سے۔ اور مطلب جو کہ ایک معنی ہے قایم بالنفس وہ ایک ہی ہوتا ہے اور کچھ متغیر نہیں ہوتا باوجودیکہ عبارتیں بدل جاتی ہیں اور دلالتیں مختلف ہو جاتی ہیں اور جو چیز متغیر نہیں ہوتی وہ اُس چیز کے سوا ہے جو متغیر ہو جاتی ہے یعنی جو چیز کہ متغیر نہیں ہوتی وہ تو معنی قایم بالنفس ہیں اور وہ اُس چیز سے جو متغیر ہو جاتی ہے یعنی عبارت سے علٰحدہ ہیں۔ (انتہی ملخصًا) ٭

جو کچھ کہ قاضی عضد اور علامہ سید شریف نے فرمایا ہے مذہب اہلسنت وجماعت کا ہے۔ اس سے پہلے کہ ہم اپنی تحقیق بیان کریں مناسب ہے کہ جو باتیں ان بزرگوں نے چھپا رکھی ہیں انکو کھول دیں تاکہ لوگوں کو صاف معلوم ہو جاوے کہ ان اصول کے ماننے سے جو اُن بزرگوں نے قرار دئے ہیں کیا نتیجہ پیدا ہوتا ہے ٭

معتزلیوں نے کہا تھا کہ آواز اور حرف دونوں خدا کی ذات میں قایم نہیں ہیں بلکہ وہ اُن کو دوسری چیز میں پیدا کر دیتا ہے، قاضی صاحب اور علامہ صاحب فرماتے ہیں کہ ہاں یہ صحیح ہے مگر ہم اُس کا نام کلام لفظی رکھتے ہیں۔ مگر یہ نہیں فرماتے کہ کس کا کلام لفظی خدا کا یا اُس کا جس میں خدا نے اُس کو پیدا کر دیا تھا ٭

پھر اُس پر زیادہ تحقیق یہ کرتے ہیں کہ صرف معانی قایم بالنفس اور غیر متغیر ہیں اور درحقیقت وہی کلام ہے اور وہی قدیم ہے اور اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ خدا کا کلام حرفوں و لفظوں کی ترکیب سے بنا ہے ٭

اس بیان میں صریح نقص یہ ہے کہ اگر اُس کو تسلیم کر لیا جاوے تو جو الفاظ قرآن مجید کے ہیں وہ خدا کے لفظ نہیں رہتے بلکہ اُس کے لفظ ہوتے ہیں جس میں وہ پیدا کئے ہیں خواہ وہ جبرئیل ہوں یا نبی اور جو کہ وہ کلام انہی لفظوں سے مرکب ہوا ہے تو وہ کلام بھی اُسی شخص کا ہوا نہ خدا کا ٭

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ (۱۱۲)	فرعون کے جادوگروں نے کہا کہ اے موسیٰ یا تو تو ڈال اور یا ہم ڈالنے والے ہوں (۱۱۲)

حادث ہوتی ہے ۔ پس خدا کا کلام بھی حادث ہے ۔

حنبلی پہلے قیاس کو ٹھیک بتاتے ہیں اور اس بات کے قایل ہیں کہ خدا کے کلام میں حرف بھی ہیں اور آواز بھی ہے اور وہ دونوں اپنے آپ قایم ہیں اور قدیم ہیں پس کلام خدا کا بھی قدیم ہے ۔ پس گویا حنبلی دوسرے قیاس کے دوسرے جملہ کو کہ " جو چیز اس طرح پر بنتی ہے وہ حادث ہوتی ہے " نہیں مانتے ۔

قاضی عضد اور علامہ سید شریف دونوں بالاتفاق کہتے ہیں کہ حنبلیوں کا دوسرے قیاس کے دوسرے جملہ کو نہ ماننا قطعاً غلط ہے کیونکہ ہر ایک حرف اُن حرفوں میں سے جن سے اُن کے نزدیک کلام خدا کا مرکب ہے ایک حرف کے ختم ہونے پر دوسرے حرف کا شروع ہونا موقوف ہے تو وہ دوسرا حرف قدیم نہ ہوا اور جو کہ پہلے حرف کے لئے بھی ختم ہونا ہے تو وہ بھی قدیم نہ رہا اور جو کلام کہ ان سے مرکب ہو کر بنا ہے وہ بھی قدیم نہ رہا ۔

کرامیہ فرقہ اس بات میں کہ خدا کے کلام میں حرف اور آواز ہے حنبلیوں کے ساتھ متفق ہیں مگر وہ اس کو حادث مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ خدا کی ذات میں قایم ہے کیونکہ اس بات پر یقین کرتے ہیں کہ خدا کی ذات میں حوادث کا قایم ہونا جائز ہے پس گویا کرامیہ دوسرے قیاس کو تو صحیح مانتے ہیں اور پہلے قیاس کے دوسرے جملہ کو کہ " جو صفت خدا کی ہے وہ قدیم ہے " نہیں مانتے ۔

معتزلے خدا کے کلام میں آواز اور حرف کو اسی طرح پر مانتے ہیں جس طرح کہ حنبلی اور کرامیہ مانتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں کہ آواز اور حرف خدا کی ذات میں قایم نہیں ہے بلکہ خدا اُس کو دوسری چیز میں پیدا کر دیتا ہے مثلاً لوح محفوظ میں یا جبرئیل میں یا نبی میں اس لئے خدا کا کلام حادث ہے پس معتزلے دوسرے قیاس کو صحیح سمجھتے ہیں اور پہلے قیاس کے پہلے جملہ کو کہ " خدا تعالےٰ کا کلام خدا تعالےٰ کی ایک صفت ہے " نہیں مانتے ۔

اس پر قاضی عضد اور علامہ سید شریف فرماتے ہیں کہ جو کچھ معتزلے کہتے ہیں ہم اُس سے انکار نہیں کرتے بلکہ ہم بھی وہی کہتے ہیں مگر اُس کا نام کلام لفظی رکھتے ہیں اور اُس کو حادث مانتے ہیں اور ذات خدا تعالےٰ میں قایم نہیں کہتے ۔ اُس کے سوا ہم ایک اَور امر ثابت کرتے ہیں اور وہ معنی ہیں قایم بالنفس جس کو کہ لفظوں سے تعبیر کیا جاتا ہے اور وہی حقیقت میں کلام ہے اور وہی قدیم ہے اور وہی خدا تعالےٰ کی ذات میں قایم ہے ۔ پس دوسرے قیاس کا جو دوسرا

فرعون نے کہا ہاں اور بیشک تم مقربوں میں سے ہونگے (۱۱۱)	قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (۱۱۱)

محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے قایم کی ہوشمے باوجود اس شان وشوکت کے قایم نہیں ہوسکی، نہ ہم کو کروبین کی حاجت ہے، نہ ہائی پریسٹ کی، نہ کسی معبد کی، نہ قربانی سوختنی کی، نہ بخور کی، اور نہ آتش دان کی، نہ خاص پوشاک اور سینہ بند کی، ہم سچے خدا کی پرستش، جنگل میں دریا میں پہاڑ میں گھر میں بازار میں اندھیرے میں اُجالے میں کپڑا پہنے بن کپڑا پہنے کرسکتے ہیں ہمارا دل ہی خدا کا معبد ہے ہمارا خدا ہر جگہ ہمارے ساتھ ہے اور ہم خدا کے ساتھ اور یہ ایسا ساتھ ہے کہ نہ کبھی ہم اُس سے چھوٹ سکتے ہیں اور نہ وہ ہم کو چھوڑ سکتا ہے۔ سبحانہ وتعالےٰ شانہ والحمد للہ رب العالمین +

یازدہم حقیقت کلام خدا با موسےٰ

کلام خدا کا جب تک نہ سُنیں یہ تو معلوم نہیں ہوسکتا کہ کیسا ہوتا ہے۔ مگر انسانوں کا کلام جو سُننے میں آتا ہے وہ تو یہ ہے کہ زبان اور ہونٹ ہلتے ہیں اُس سے بمدد ہوائے محیط کے ایک آواز کان تک پہنچتی ہے ہر ایک لفظ کے بعد دوسرا لفظ بلکہ ہر لفظ کے پہلے حرف کے بعد دوسرا حرف نکلتا ہے اور حرفوں سے ملکر لفظ اور لفظوں سے ملکر جملہ ہوجاتا ہے۔ پھر کیا خدا کا کلام بھی ایسا ہی ہوتا ہے ؟

علماے اسلام نے کہا ہے کہ تمام انبیاے علیہم السلام نے خدا کو متکلم کہا ہے اور اُس کے کلام کو ثابت کیا ہے پس اُس کا متکلم ہونا اور خدا کے لئے کلام کا ہونا تو ثابت ہوگیا۔ مگر انہوں نے یہ نہ بتایا کہ ایسا ہی کلام جیسا ہمارا تمہارا ہے یا کسی اَور طرح کا لیکن اُنہوں نے اُس پر دوسری بحث قدیم اور حادث ہونے کی چھیڑ دی یعنی اس بات کی کہ خدا کا کلام قدیم ہے یا حادث۔ ہم اُس بحث کو اس مقام پر لکھتے ہیں اور امید ہے کہ اُسی سے پتہ لگ جاویگا کہ اُس کا کلام کیسا ہوتا ہے +

قاضی عضد اور علامہ سید شریف شرح مواقف میں تحریر فرماتے ہیں کہ خدا کے کلام کے قدیم و حادث ہونے پر دو متناقض قیاس ہیں۔ ایک قیاس یہ ہے کہ۔ خدا تعالےٰ کا کلام خدا تعالےٰ کی ایک صفت ہے۔ اور جو صفت خدا کی ہے وہ قدیم ہے۔ پس خدا کا کلام قدیم ہے +

دوسرا قیاس جو اس کے برخلاف ہے وہ یہ ہے کہ۔ خدا کا کلام حرفوں و لفظوں کی ترتیب سے ملکر بنا ہے جو ایک بعد دوسرے کے وجود میں آتے ہیں اور جو چیز اس طرح پر بنتی ہے وہ

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْۤا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿۱۱۰﴾	اور آئے جادوگر فرعون کے پاس انہوں نے کہا کہ ضرور ہم کو انعام ملیگا اگر ہم غالب ہونگے ﴿۱۱۰﴾

دہم - اعتکاف حضرت موسٰے کا پہاڑ میں

اعتکاف کا واقعہ اُس زمانہ کا ہے جب کہ حضرت موسٰے بنی اسرائیل کو فرعون کی قید سے چھوڑا کر اور فرعون کو اور اُس کے لشکر کو دریا میں ڈبو کر اُس جنگل میں نکال لائے جو بحر احمر کی دونوں شاخوں کے درمیان میں ہے اور جس کا نقشہ سورہ بقر کی تفسیر میں بنایا ہے ✦

وواعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃ واتممنٰها بعشر فتم میقات ربه اربعین لیلة -
۷ - سورۂ اعراف - ۱۳۸ ✦

یہ کوئی امر زیادہ بحث کے قابل نہیں حضرت موسٰے تیس دن کا اعتکاف کرنے لئے پہاڑ گئے تاکہ خدا کی عبادت میں مصروف ہوں مگر وہاں چالیس دن لگ گئے - توریت میں لکھا ہے کہ چالیس دن اور چالیس رات موسٰے پہاڑ پر رہے اور نہ روٹی کھائی نہ پانی پیا (سفر توریہ مثنی باب ۹ ورس ۹) زیادہ تر مقصود اس اعتکاف سے یہ تھا کہ خدا کی ہدایت اس بات میں چاہیں کہ اُس جم غفیر کی ہدایت و انتظام اور خدا کی عبادت کے لئے کیا قواعد یا احکام قرار دئے جاویں ✦

واذ واعدنا موسیٰ اربعین لیلة ثم اتخذتم العجل من بعده وانتم ظالمون -
۲ - سورۂ بقر - ۴۸ ✦

بنی اسرائیل کو چار سو برس سے زیادہ ہو گئے تھے کہ مصر میں رہتے تھے اور گو وہ خدا کو مانتے تھے مگر وہاں کی بُت پرستی اور اُس کی شان و شوکت کے حاوی ہو گئے تھے اور ظاہر میں بھی معبود کے وجود کے موجود ہونے کی خواہش مثل بت پرستوں کے اُن کے دل میں سما گئی تھی اس لئے نہایت مشکل بات تھی کہ اُن کو ایک ایسے خدائے واحد کی پرستش پر متوجہ کیا جاوے جس کا نہ ظاہر میں کوئی وجود ہے، نہ ظاہری وجود میں اور نہ کسی ظاہری شکل میں آسکتا ہے بلکہ محض بیچون و بیچگون و بے رنگ و نمون ہے - غالباً یہی بات سب سے زیادہ حضرت موسٰے کو بھی مشکل تھی اور وہ ضرور اس خیال میں تھے کہ معبد کو ظاہری صورتوں سے اس طرح بنایا جاوے جن کی عبادت تو نہ کی جاوے مگر بنی اسرائیل کی دل بستگی کا ذریعہ ہوں - اور اسی وجہ سے اُنہوں نے معبد میں کروبین کی مجسم شکلیں چاندی و سونے کی بنائیں ہم قبول کرتے ہیں کہ اُنہوں نے خدا کے حکم سے بنائی ہونگی، مگر بنائیں - جس کا سبب بجز مذکورہ بالا امر کے اور کچھ نہ تھا - اور اسی لئے ہم کہ سکتے ہیں کہ سچی اور خالص خدا پرستی اُسی طرح بیچون و بیچگون و بے رنگ و نمون طریقہ پر جیسا کہ وہ معبود حقیقی ہے

يَأْتُوكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۱۰۹﴾	تاکہ تیرے پاس ہر ایک بڑے جاننے والے جادوگر کو لے آویں ﴿۱۰۹﴾

ہو جاتا ہے (دیکھو انسیکلوپیڈیا برٹینیکا صفحہ ۲۲۴) پس اسی قسم کے واقعات کے سبب اُس کا پانی سُرخ ہو گیا ہوگا جس کو دَم سے تعبیر کیا ہے +

بعض اوقات پانی میں نہایت باریک کیڑے سُرخ رنگ کے اس قدر کثرت سے پیدا ہو جاتے ہیں کہ تمام پانی کا رنگ سُرخ ہو جاتا ہے بحرِ احمر میں بھی اس قسم کی حالت پائی جاتی ہے۔ بحرِ احمر کے حال میں سالٹ نے لکھا ہے کہ فروری کے مہینہ میں ایک دفعہ جہاز کے گرد کچھ دُور تک سمندر نہایت سُرخ ہو گیا چونکہ اس عجیب تبدیلی کا باعث ہم دریافت کرنا چاہتے تھے ہم نے ایک برتن کو پانی میں ڈالا اور اس میں بہت سی وہ چیزیں نکالیں جو پانی پر تیر رہی تھیں وہ جیلی کے مشابہ ایک چیز تھی جس میں بے انتہا چھوٹے چھوٹے کیڑے تھے اور ہر ایک کے اوپر ایک سُرخ دھبہ تھا یہ جانور ایک جگہ جمع ہونے سے ایسے معلوم ہوتے تھے جیسے پانی میں کوئی سُرخ چیز گھولدی ہو۔ ارن برگ کو بھی جو ایک بہت بڑا نیچرل فلاسفی کا عالم تھا ایسا ہی واقعہ پیش آیا تھا اور اُس نے بھی بحرِ احمر کی ایسی حالت ہو جانے کی تصدیق کی ہے +

پس یہی حالت دریائے نیل کی بھی ہوگی اور جب کہ ثابت ہوا ہے کہ اُس کا پانی بھی کبھی سُرخ ہو جاتا ہے تو اُس کی ایسی حالت ہو جانے پر زیادہ یقین ہوتا ہے۔ ان کیڑوں کا بہت کثرت سے پانی میں جمع ہو جانا بلاشبہ لوگوں کو استعمال سے باز رکھتا ہوگا اور وہ پانی ناقابلِ استعمال ہو جاتا ہوگا۔ فرعون کے زمانہ میں بھی دریائے نیل سے گھروں میں اور کنوئیں اور حوضوں میں نلوں کے ذریعہ سے پانی لے گئے تھے پس جہاں جہاں اُس کا پانی جاتا ہوگا سب جگہ یہی حال ہو گیا ہوگا۔ اُس پانی کو لوگوں نے بلاخیال برتنوں میں بھر لیا ہوگا اور تھوڑی دیر بعد دیکھا ہوگا کہ وہ سُرخ مثل خون کے ہے۔ اونچے مقاموں میں جہاں دریائے نیل کا پانی نہ جاتا ہوگا وہاں یہ کیفیت نہ ہوئی ہوگی۔ اور ممکن ہے کہ بنی اسرائیل اونچی زمین پر رہتے ہوں جہاں نیل کا پانی نہ جاتا ہو یا اُن کے گھروں میں پانی جانے کے نل نہ ہوں اور اُن کے گھروں میں یہ کیفیت نہ ہوئی ہو +

نہم۔ غرق فی البحر

فرعون کا بنی اسرائیل کے تعاقب میں جانا اور بنی اسرائیل کا دریا کے پار اتر جانا اور فرعون کا دریا میں ڈوب جانا ایک تاریخی واقعہ ہے اور ہم اس کو نہایت تفصیل سے سورہ بقر کی تفسیر میں لکھ چکے ہیں پس اس مقام پر زیادہ لکھنے کی حاجت نہیں +

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾	اُنہوں نے کہا کہ موسٰے اور اُس کے بھائی کو مہلت دے اور شہروں میں لوگوں کو جمع کرنے والے بھیج ﴿۱۰۸﴾

خدا تعالٰے نے فرعون اور اُس کی قوم کے گناہوں سے منسوب کیا ہے ٭

قحط کوئی نئی بات نہیں تھی حضرت یوسف کے زمانہ میں بھی سخت قحط پڑا تھا حضرت موسٰے کے زمانہ میں بھی قحط ہوا جو حضرت موسٰے کے قصہ میں مذکور ہے ٭

طوفان - دریائے نیل کی زیادہ طغیانی سے ہوجاتا ہے اور کبھی کبھی مینہ اور اولوں کا طوفان بھی آجاتا ہے شام کے پہاڑوں سے اولے برستے ہوئے کبھی کبھی مصر تک پہنچ جاتے ہیں بجلی کی چمک اور گرج بھی ہوتی ہے (دیکھو کیتھولک بیبلکل سیکلوپیڈیا صفحہ ۶۰۰) جن ملکوں میں بارش قلیل ہوتی ہے اور اولے اتفاقیہ پڑتے ہیں اُن ملکوں میں اس قدر بارش بھی جو اور ملکوں میں معمولی خیال کی جاتی ہے نہایت سخت طوفان کا اثر دکھاتی ہے خصوصًا اُس حالت میں جب کہ دریا کی طغیانی بھی اور خصوصًا نیل جیسے دریا کی طغیانی اُس کے ساتھ ہو تو پھر قیامت ہی ہوتی ہے - پس موسٰے کے عہد میں طوفان کا واقعہ ایک معمولی واقعہ سے زیادہ کچھ نہیں تھا - جو بزرگی اُس میں تھی وہ صرف یہی تھی کہ اُس زمانہ میں واقع ہُوا جب کہ حضرت موسٰے وہاں تشریف لے گئے تھے ٭

جراد و قمل و ضفادع - یعنی ٹڈیوں پسوؤں یا اسی قسم کے کسی جانوروں اور مینڈکوں کا کثرت سے پیدا ہوجانا خصوصًا طوفان اور دریائے نیل کے چڑھاؤ کے اُترنے بعد ایک ایسی بات ہے جو قدرتی طور پر واقع ہوتی ہے حشرات الارض دفعتہً اس کثرت سے پیدا ہوجاتے ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے - پس حضرت موسٰے کے عہد میں اُن حشرات الارض کا پیدا ہوجانا جس قدر کثرت سے وہ پیدا ہوگئے ہوں اور کیسی ہی سخت مصیبت اُن کے سبب سے مصریوں پر پڑی ہو کوئی ایسی تعجب خیز بات نہیں ہے جس کو ایک لمحہ کے لئے بھی واقعہ مافوق الفطرت تصوّر کیا جاوے ٭

دم کا لفظ البتہ لوگوں کو حیرت میں ڈالتا ہوگا - بعض مفسرین نے اس بات کو کہ تمام دریا اور حوض اور تمام پانی جو برتنوں میں تھا خون ہوگیا غیر قابل یقین خیال کرکے یہ لکھا کہ فرعون اور اُس کی تمام قوم کو نکسیر یعنے یعنی ناک سے خون جاری ہونے کی بیماری ہوگئی تھی - گو کہ کسی وبا کا پھیل جانا خصوصًا قحط و طوفان کے بعد کوئی امر بعید از عقل نہیں ہے - لیکن اصل بات معلوم ہوتی ہے کہ دریائے نیل کا پانی اگرچہ عمومًا نیلے رنگ کا رہتا ہے مگر کبھی طغیانی کے زمانہ میں اُس کا رنگ سُرخ لال اینٹ کے گہرے رنگ کی مانند ہوجاتا ہے (دیکھو کیتھولک بیبلکل سیکلوپیڈیا صفحہ ۵۹۹) اور (چیمبرز انسیکلوپیڈیا جلد سوم صفحہ ۷۸۹) اور جب کبھی نباتی مادہ کثرت سے آجاتا ہے تو سبز

يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾	چاہتا ہے کہ نکال دے تم کو تمہارے ملک سے پھر کیا تم حکم دیتے ہو ﴿۱۰۷﴾

انسداد کے لئے یہ تدبیر کی تھی کہ جو لڑکے پیدا ہوتے تھے اُن کو قتل کروا ڈالتا تھا تاکہ مرد جن سے لڑنے کا اور فساد ہونے کا اندیشہ تھا زیادہ نہ ہونے پاویں۔ چنانچہ سورہ قصص میں صاف لکھا ہے کہ فرعون کی سلطنت ملک میں بہت زبردست ہوگئی تھی اور اُس کے لوگوں کو گروہ گروہ کردیا تھا اور ایک گروہ کو یعنی بنی اسرائیل کو اُن میں سے ضعیف کردیا تھا اُن کے لڑکوں کو مار ڈالتا تھا اور عورتوں کو زندہ رکھتا تھا خدا نے چاہا کہ اُس ضعیف گروہ پر مہربانی کرے اور اُنہیں کو سردار بناوے اور اُنہیں کو وارث کرے اور ملک میں اُنہیں کو قدرت دے اور دکھا دے فرعون اور اُس کے لشکر کو اس ضعیف گروہ سے وہ چیز جس سے وہ ڈرتے تھے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ پہلی دفعہ یعنی قبل از ولادت حضرت موسٰے جو فرعون نے قتل اولاد بنی اسرائیل کا حکم دیا تھا وہ صرف اس خوف سے تھا کہ وہ بہ سبب کثیر ہونے کے فساد کرکے ملک کو نہ چھین لیں کچھ عجب نہیں کہ یہ قتل کسی مدت تک رہا ہو اور پھر موقوف ہوگیا ہو +

یہ پہلا حکم قتل اولاد بنی اسرائیل کا تھا مگر جب حضرت موسٰے فرعون کے پاس آئے اور خدا کے حکم پہنچائے اور کہا کہ بنی اسرائیل کو چھوڑ دو اُس وقت پر فرعون کو بنی اسرائیل کے فساد کرنے کا اور اپنی سلطنت کے زوال کا خوف ہوا اور دوبارہ اُس نے تدبیر کی کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو مار ڈالنا چاہئے۔ چنانچہ سورہ مومن میں خدا نے صاف بیان کیا ہے کہ جب ہمارے پاس سے سچی بات فرعون اور اُس کے سرداروں کے پاس پہنچی تو اُنہوں نے کہا کہ مار ڈالو اُن کے لڑکوں کو جو موسٰے پر ایمان لائے ہیں اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھو اور فرعون نے کہا کہ ٹھیرو مَیں موسٰی کو مار ڈالونگا مجھ کو خوف ہے کہ وہ تمہارے دین کو بدل دیگا اور ملک میں فساد پھیلاویگا۔ پس صاف ظاہر ہے کہ اسی خوف سے دونوں دفعہ فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں یا مردوں کے قتل کا حکم دیا تھا کوئی اَور غیبی کرشمہ اُس کی بنیاد نہ تھا +

ہفتم قحط۔ ہشتم طوفان۔ و جراد۔ و قمل و ضفادع۔ و دم

یہ تمام اُمور ایسے ہیں جو ہمیشہ دنیا میں موافق قانون قدرت واقع ہوتے رہتے ہیں حضرت موسٰے کے زمانہ میں بھی واقع ہوئے تھے۔ ایسے واقعات کو انسانوں کے گناہوں سے منسوب کرنا بھی قانون فطرت کے تابع ہے جس پر انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے ہیں اس کی بحث قوم عاد کے قصہ میں بالتفصیل لکھ چکے ہیں اس طرح ان واقعات ارضی وسماوی کو بھی

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيمٌ (۱۰۶)	کہا فرعون کی قوم کے سرداروں نے بیشک یہ شخص جادوگر ہے بہت بڑا جاننے والا (۱۰۶)

ششم قتل اولاد

بنی اسرائیل کے لڑکوں یا مردوں کا قتل کوئی ایسا امر نہیں ہے جس کو کسی کرشمہ کی بنا پر قرار دیا جاوے اگرچہ مفسرین نے اُس کی بنا بھی ایک کرشمہ پر قایم کی ہے یعنی بعضوں نے تو یہ کہا ہے کہ کاہنوں نے فرعون سے کہا تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت کو برباد کر دیگا۔ بس اُس تاریخ میں جو کاہنوں نے مقرر کی تھی جس قدر لڑکے پیدا ہوئے اُن کو فرعون نے مروا ڈالا۔ اور بعضوں نے یہ کہا کہ یہ قتل صرف اُس تاریخ پر منحصر نہیں ہے بلکہ یہ قتل برسوں تک جاری رہا اور لاکھوں ہزار لڑکے قتل ہوئے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون نے ایک خواب دیکھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ آئی اور اُس آگ نے مصر کو گھیر لیا اور تمام قبطیوں کو جلا دیا اور صرف بنی اسرائیل بچ رہے لوگوں نے اُس کی تعبیر دی کہ اُس شہر سے جہاں سے بنی اسرائیل آئے ہیں ایک شخص آویگا اُس کے ہاتھ سے مصر کی سلطنت برباد ہوگی اس پر فرعون نے بنی اسرائیل کے مردوں کے قتل کرنے کا حکم دیا ٭

مگر قرآن مجید میں ان دونوں باتوں میں سے کسی کا کچھ اشارہ نہیں ہے اور نہ بنی اسرائیل کے قتل کی بنا کسی اور کرشمہ پر بیان ہوئی ہے ۔ قرآن مجید میں جو بات پائی جاتی ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ بنی اسرائیل کی کثرت سے فرعون اور اس کے سرداروں کو اندیشہ ہوگیا تھا کہ یہ لوگ فساد کر کے مصر کی سلطنت کو برباد کر دینگے اور اُس کے

وإذ نجيناكم من آل فرعون يسومونكم سوء العذاب يذبحون أبناءكم ويستحيون نساءكم وفي ذلكم بلاء من ربكم عظيم ۔

۲ ۔ سورۂ بقر ۔ ۴۶ ٭

إذ أنجاكم من آل فرعون يسومونكم سوء العذاب ويذبحون أبناءكم ويستحيون نساءكم وفي ذلكم بلاء من ربكم عظيم ۔

۷ ۔ سورۂ اعراف ۔ ۱۳۷ ٭

إذ قال موسى لقومه اذكروا نعمة الله عليكم إذ أنجاكم من آل فرعون يسومونكم سوء العذاب ويذبحون أبناءكم ويستحيون نساءكم وفي ذلكم بلاء من ربكم عظيم ۔

۱۴ ۔ سورۂ ابراہیم ۔ ۶ ٭

إن فرعون علا في الأرض وجعل أهلها شيعا يستضعف طائفة منهم يذبح أبناءهم ويستحيي نساءهم إنه كان من المفسدين ۔ ونريد أن نمن على الذين استضعفوا في الأرض ونجعلهم أئمة ونجعلهم الوارثين ۔ ونمكن لهم في الأرض ونري فرعون وهامان وجنودهما منهم ما كانوا يحذرون ۔

۲۸ ۔ سورۂ قصص ۔ ۳ ۔ ۵ ٭

فلما جاءهم بالحق من عندنا قالوا اقتلوا أبناء الذين آمنوا معه واستحيوا نساءهم وما كيد الكافرين إلا في ضلال ۔ وقال فرعون ذروني أقتل موسى وليدع ربه إني أخاف أن يبدل دينكم أو أن يظهر في الأرض الفساد ۔

۴۰ ۔ سورۂ مومن ۔ ۲۶ و ۲۷ ٭

اور نکالا اپنا ہاتھ پھر یکایک وہ چٹا تھا دیکھنے والوں کے لئے (۱۰۵)	وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنّٰظِرِينَ (۱۰۵)

وہ دونوں یہودی کھڑے ہوئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ نبی ہیں اگر ہم کو مارے جانے کا ڈر نہ ہوتا تو ہم آپ کی پیروی کرتے ✤

مگر مفسرین کا یہ خیال کہ جن تسع ایات کا ذکر سورہ نمل کی آیت میں ہے وہ تو نو نشانیاں تھیں جو حضرت موسٰے فرعون کے پاس لے گئے تھے اور جن تسع آیات کا ذکر سورہ بنی اسرائیل میں ہے وہ نو احکام بنی اسرائیل کے لئے تھے صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اُسی آیت میں ذکر ہے کہ تسع آیات کے جواب میں فرعون نے کہا کہ اے موسٰے میں تو تجھ کو سحر زدہ سمجھتا ہوں۔ اور اس سے ثابت ہے کہ وہ احکام فرعون اور اُس کی قوم کے لئے تھے نہ بنی اسرائیل کے لئے اور " فاسئل بنی اسرائیل اذ جاءھم " بطور جملہ معترضہ کے آیا ہے اُس سے یہ استدلال کرنا کہ وہ احکام بنی اسرائیل کے لئے تھے صحیح نہیں ہے ✤

غرضکہ ہماری تحقیق میں دونوں آیتوں میں تسع آیات سے وہ احکام مراد ہیں جو حضرت موسٰے فرعون اور اُس کی قوم کے پاس لے گئے تھے۔ یہ بات قابل تسلیم کے ہے کہ قرآن مجید میں اُن نو احکام کا ایک جگہ شمار نہیں کیا گیا ہے بلکہ جا بجا متعدد احکام کا ذکر آیا ہے اگر اُن سب پر غور کیا جاوے تو وہ احکام ہماری سمجھ میں مندرجہ ذیل معلوم ہوتے ہیں ✤

۱۔ توحید۔ کما قال اللہ تعالٰی انی انا اللہ لا الٰہ الا انا۔ ۲۔ اقرار بالرسالۃ۔ کما قال انا رسولا ربك۔ ۳۔ منع شرک سے۔ کما قال فاعبدنی۔ ۴۔ اقامت صلوٰۃ۔ کما قال اقم الصلوٰۃ لذکری۔ ۵۔ جزا و سزا۔ کما قال تجزی کل نفس بما تسعٰی۔ ۶۔ اعتقاد آخرت۔ کما قال ان الساعۃ اٰتیۃ۔ ۷۔ نزول عذاب منکرین پر۔ کما قال ان العذاب علٰی من کذب وتولٰی۔ ۸۔ منع تعدی سے بنی اسرائیل پر۔ کما قال لا تعذبھم۔ ۹۔ رہا کرنا بنی اسرائیل کا۔ کما قال۔ ارسل معنا بنی اسرائیل ✤

یہ تمام آیتیں جن کا اشارہ ہم نے کیا عام آیتیں نہیں ہیں بلکہ خاص آیتیں ہیں جو حضرت موسٰے اور بنی اسرائیل کے قصہ میں وارد ہوئی ہیں اور اسی سبب سے ہم نے خیال کیا ہے کہ یہ وہ احکام ہیں جو حضرت موسٰے خدا کی طرف سے فرعون پاس لے گئے تھے ✤

فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۴﴾	پھر ڈال دیا (موسےٰ نے) اپنے عصا کو پھر وہ یکایک اژدھا ظاہر ہوا ﴿۱۰۴﴾

اور اُس کی تقریر یوں ہے کہ ،، اذھب فی تسع آیات الی فرعون ،، یعنی عصا اور ید بیضا کا ذکر علیحدہ ہو چکا اُس کے سوا نو نشانیاں اور دیں کہ وہ لیکر فرعون کے پاس جا ؞

مگر یہ بیان صحیح نہیں اس لئے کہ وہ نو چیزیں جن کا ذکر کیا ہے بطور نشانی کے نہیں دی گئی تھیں بلکہ فرعون اور اُس کی قوم پر بہ سبب نافرمانی کے بطور عذاب کے نازل ہوئی تھیں جن کو قرآن مجید نے بھی ،، رجز ،، سے تعبیر کیا ہے پس اُن واقعات کو تسع آیات قرار دینا صحیح نہیں ہوسکتا ؞

سورہ بنی اسرائیل میں بھی تسع آیات کا ذکر ہے اور اُس کی نسبت مفسرین نے یہ سمجھا ہے کہ اُس آیت میں تسع آیات سے وہ نو احکام مراد ہیں جو حضرت موسےٰ نے بنی اسرائیل سے کہے تھے مفسرین کا ایسا خیال کرنا غالباً اس آیت کے ان الفاظ کی بنا پر ہے ،، فاسئل بنی اسرائیل اذ جاءھم ،، یعنی خدا نے فرمایا کہ بنی اسرائیل سے دریافت کر جب موسےٰ اُن کے پاس آئے تو وہ نو احکام بتائے تھے۔ اس خیال پر ہمارے راویوں نے ایک حدیث بھی بیان کردی اور مفسرین نے قبول کرلی اور کہا کہ یہی قول سب سے اچھا ہے ؞

ولقد آتینا موسیٰ تسع آیات بینات فاسئل بنی اسرائیل اذ جاءھم فقال لہ فرعون انی لاظنک یا موسیٰ مسحورا قال لقد علمت ما انزل ھؤلاء الا رب السموات والارض بصائر وانی لاظنک یا فرعون مثبورا (سورۂ بنی اسرائیل آیت ۱۰۳) ؞

تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ تسع آیات کے بیان میں متعدد اقوال ہیں سب سے اچھا قول یہ ہے کہ جو صفوان ابن عسال نے کہا ہے کہ ایک یہودی نے اپنے دوست سے کہا کہ پیغمبر پاس چلو اُن سے پوچھیں کہ وہ نو احکام کیا تھے وہ آئے اور پوچھا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ یہ تھے۔ خدا کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ چوری نہ کرو۔ زنا نہ کرو۔ قتل مت کرو۔ سحر مت کرو۔ سود نہ کھاؤ۔ عورتوں پر زنا کا اتہام مت کرو۔ لڑائی میں بھاگو نہیں۔ اور بالتخصیص یہودیوں کے لئے یہ حکم ہیں کہ سبت کے دن زیادتی نہ کرو۔ یہ سُن کر

فی تفسیر قولہ تعالیٰ تسع آیات بینات اقوال اجودھا ما روی صفوان ابن عسال انہ قال ان یہودیا قال لصاحبہ اذھب بنا الی ھذا النبی نسألہ عن تسع آیات فذھبا الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وسألاہ عنہا فقال ھن ان لا تشرکوا باللہ شیئا۔ ولا تسرقوا۔ ولا تزنوا۔ ولا تقتلوا۔ ولا تسحروا۔ ولا تاکلوا الربا۔ ولا تقذفوا المحصنۃ ولا تولوا الفرار یوم الزحف۔ وعلیکم خاصۃ الیہود ان لا تعتدوا فی السبت فقام الیہودیان فقبلا یدیہ ورجلیہ وقالوا نشہد انک نبی ولولا نخاف القتل لاتبعناک (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۲۸۵) ؞

(فرعون نے) کہا کہ اگر تو کوئی نشانی لایا ہے تو اُس کو لا اگر تو سچوں میں سے ہے (۱۰۴)	قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (۱۰۳)

اِس مقام پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اگر عصا بے موسٰے کا اژدہا بننا اور ہاتھ کا چٹا سو جانا اسی قسم کی قوت نفسی سے لوگوں کو دکھائی دیتا تھا جس طرح کی قوت نفسی سے سحرہ فرعون کی رسّیاں ولاٹھیاں سانپ دکھلائی دیتی تھیں اور کوئی معجزہ مافوق الفطرت نہ تھا تو خدا نے عصا و ید بیضا کی نسبت یہ کیوں فرمایا کہ " فذانك برهانان من ربك " یعنی اُن کو خدا کی طرف سے برہان کیوں تعبیر کیا ہے۔ مگر برہان کہنے کی وجہ یہ ہے کہ عصائے موسٰے کا اژدہا مرئی ہونا یا ہاتھ کا چٹا دکھائی دینا فرعون اور اُس کے سرداروں پر بطور حجت الزامی کے تھا وہ اس قسم کے امور کو دلیل اس بات کی سمجھتے تھے کہ جس شخص سے ایسے امور ظاہر ہوتے ہیں وہ کامل ہوتا ہے اور اسی لئے اُنہوں نے حضرت موسٰے سے بھی کرشمہ دکھلانے کی خواہش کی تھی۔ پس اُن دونوں چیزوں پر بمقابلہ فرعون اور اُس کے سرداروں کے برہان سے تعبیر کرنا بالکل صحیح تھا اور اسی سبب سے اُنہوں نے کہا کہ اگر کوئی کرشمہ دکھلایا جاویگا تو وہ موسٰے کو سچا جانینگے۔ خود اسی آیت میں بمقابل فرعون اور اُس کے سرداروں کے اُن دونوں امر کو برہان قرار دینے کی وجہ بیان ہوئی ہے کہ " انهم كانوا قوما فاسقين " فاسق کا لفظ نہایت وسیع معنی رکھتا ہے۔ فرعون اور اُس کے سرداروں کا ساحروں پر بسبب اُن کے کرشموں کے اعتقاد رکھنا بھی فسق میں داخل تھا پس خدا نے فرمایا کہ یہ دونوں امر ایسی قوم کے لئے جو ساحروں کے کرشموں پر یقین رکھتے ہیں خدا کی طرف سے برہان ہیں۔ پس برہان کا لفظ اُن بیانات کے منافی نہیں ہے جو ہم نے اوپر بیان کئے ہیں +

سورہ نمل میں خدا تعالٰے نے عصا کے ذکر کے بعد فرمایا کہ " وادخل يدك فى جيبك تخرج بيضاء من غير سوء فى تسع ايات الى فرعون وقومه " لفظ تسع ایات پر مفسرین نے بحث کی ہے کہ نو نشانیوں سے کیا مراد ہے +

امام فخرالدین رازی نے اس آیت کی تفسیر میں عصا اور ید بیضا کے علاوہ یہ نو نشانیاں بیان کی ہیں۔ دریا کا پھٹ جانا۔ طوفان کا ہونا۔ ٹڈیوں کا آنا۔ پسوؤں کا۔ مینڈکوں کا پیدا ہونا۔ پانی کا خون ہوجانا۔ مال و دولت مویشی میں کمی کا ہونا۔ قحط پڑنا۔ کھیتوں کی پیداوار کا گھٹ جانا +

لقائل ان يقول كانت الايات احدى عشر تنتان منها اليد والعصا والتسع الفلق والطوفان والجراد والقمل والضفادع والدم والطمسة والجدب فى بواديهم والنقصان فى مزارعهم۔ (تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ ۸۱)

اور اسی مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ " فى تسع ايات " جملہ مستانفہ ہے یعنی علیحدہ کلام ہے

قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	بیشک میں آیا ہوں تمہارے پاس دلیل لیکر تمہارے پروردگار کی طرف سے ۔ پس بھیجد میرے ساتھ بنی اسرائیل کو

فلو ھمہ لا اعینھم فثبت ان المراد انھم تخیلوا احوالا عجیبۃ مع ان الامر فی الحقیقۃ ما کان علیٰ وفق ما تخیلوہ (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۸۲ ۔ سورہ اعراف)

پر جادو کیا تو جادو کے لفظ پر لوگوں نے دلیل پکڑی ہے کہ سحر صرف دھوکا ہے ۔ قاضی کا قول ہے کہ اگر جادو برحق ہوتا تو وہ لوگوں کے دلوں پر جادو کرتی نہ کہ اُن کی آنکھوں پر ۔ پس ثابت ہوا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اُنہوں نے لوگوں کے خیال میں عجیب باتیں ڈالی تھیں باایں حقیقت میں وہ باتیں ایسی نہ تھیں جیسی کہ لوگوں کے خیال میں پڑی تھیں ۔ یعنی وہ لاٹھیاں اور رسیاں درحقیقت سانپ اور اژدہے نہیں بنی تھیں بلکہ صرف لوگوں کے خیال میں ایسی معلوم ہوتی تھیں اور یہ بات اُسی تاثیر قوتِ نفس انسانی کے سبب تھی جو ساحروں میں بذریعہ کسب اور موسیٰ میں بحسب فطرت تھی مگر حقیقت میں نہ ساحروں کی رسیاں اور لاٹھیاں سانپ اور اژدہا بنی تھیں اور نہ حضرت موسیٰ کی ✦

ید بیضا

جب کہ یہ بات تسلیم کی گئی کہ انسان میں ایک ایسی قوت ہے کہ انسان اُس کے ذریعہ سے قوائے متخیلہ کی طرف توجہ کرتا ہے اور پھر اُس میں ایک خاص قسم کا تصرف کرتا ہے اور اُن میں طرح طرح کے خیالات اور گفتگو اور صورتیں جو کچھ اُس کو مقصود ہوتی ہیں ڈالتا ہے پھر اُن کو اپنے نفس مؤثرہ کی قوت سے دیکھنے والوں کی حس پر ڈالتا ہے ۔ پھر دیکھنے والے ایسا ہی دیکھتے ہیں کہ گویا وہ خارج میں موجود ہے حالانکہ وہاں کچھ بھی نہیں ہوتا ۔ اور قرآن مجید کے الفاظ سے جو آیات مذکورہ بالا میں گذرے ہیں اور جن سے پایا جاتا ہے کہ لاٹھیاں اور رسیاں اسی قوت متخیلہ کے سبب سانپ یا اژدہے دکھائی دیتی تھیں تو ید بیضا کا مسئلہ از خود حل ہو جاتا ہے کیونکہ اُس کا بھی لوگوں کے اس طرح پر دکھائی دینا اُسی قوت نفس انسانی اور تصرف قوت متخیلہ کا سبب تھا نہ یہ کہ وہ کوئی معجزہ مافوق الفطرت تھا ۔ اور درحقیقت حضرت موسیٰ کے ہاتھ کی ماہیت بدلجاتی تھی ۔ جہاں قرآن مجید میں ید بیضا کا ذکر آیا ہے وہاں یہ مضمون بھی موجود ہے کہ جب حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ نکالا تو وہ یکایک چٹا تھا دیکھنے والوں کے لئے ۔ ونزع یدہ فاذا ھی بیضاء للناظرین ۔ سورہ اعراف و سورہ شعرا ۔ ۳۲ ۔ ۱۰۵ ✦ اور یہ مضمون صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دیکھنے والوں کی نگاہ میں وہ چٹا دکھائی دیتا تھا جو اثر قوت نفس انسانی کا تھا نہ کوئی معجزہ مافوق الفطرت ✦

حَقِيقٌ عَلَىٰٓ أَن لَّآ أَقُولَ عَلَى ٱللَّهِ إِلَّا ٱلْحَقَّ	میرے پر فرض ہے کہ میں اللہ کی نسبت کوئی بات نہ کہوں بجز سچ کے

فرعون کے ساحر جمع ہو گئے تو اُنھوں نے کہا اے موسےٰ یا تو تم ڈالو نہیں تو ہم پہلے ڈالتے ہیں موسےٰ نے کہا کہ تم ہی ڈالو پھر جب اُنھوں نے اپنی رسّیاں اور لاٹھیاں ڈالیں لوگوں کی آنکھوں پر جادو کردیا اور اُن کو ڈرا دیا اور ایک بڑا جادو کیا اور فرعون کی جے پکاری کہ ہم بیشک موسےٰ پر غالب ہوئے بس یکایک اُن کی رسّیاں اور لاٹھیاں موسےٰ کے خیال میں اُن کے جادو کے سبب سے معلوم ہوئیں کہ وہ چلتی ہیں۔ پھر موسےٰ کے دل میں ڈر سا پیدا ہوا۔ ہم نے کہا کہ تو مت ڈر تو ہی اُن پر غالب ہے۔ موسےٰ نے فرعون کے ساحروں سے کہا کہ جو کرشمہ تم نے کیا وہ جادو ہے اللہ تعالےٰ ابھی اُس کو مٹا دیگا بیشک اللہ مفسدوں کے کام کو نہیں سنوارتا۔ خدا نے موسےٰ سے کہا کہ ڈال دے جو تیرے دائیں ہاتھ میں ہے نگل جاویگا جو کچھ اُنھوں نے کیا ہے جو کچھ اُنھوں نے کیا ہے جادوگروں کا مکر ہے اور جادوگر کو جہاں جاوے فلاح نہیں ہے پس موسےٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی پھر یکایک وہ سب کو نگلنے لگی ✣

قال لھم موسیٰ القوا ما انتم ملقون فالقوا حبالھم وعصیھم وقالوا بعزۃ فرعون انا لنحن الغالبون فالقیٰ موسیٰ عصاہ فاذا ھی تلقف ما یافکون ۔
(سورۂ شعراء آیت ۴۳ و ۴۴) ✣

قالوا یا موسیٰ اما ان تلقی واما ان نکون نحن الملقین قال القوا فلما القوا سحروا اعین الناس واسترھبوھم وجاؤ بسحر عظیم واوحینا الیٰ موسیٰ ان الق عصاک فاذا ھی تلقف ما یافکون ۔
(سورۂ اعراف آیت ۱۱۰ ـ ۱۱۴) ✣

قالوا یموسیٰ اما ان تلقی واما ان نکون اول من القیٰ قال بل القوا فاذا حبالھم وعصیھم یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعیٰ فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ قلنا لا تخف انک انت الاعلیٰ والق ما فی یمینک تلقف ما صنعوا انما صنعوا کید ساحر ولا یفلح الساحر حیث اتیٰ ۔
(سورۂ طٰہٰ آیت ۶۸ ـ ۷۲) ✣

سورہ اعراف کی آیت میں جس پر باقی آیتیں محمول ہیں (لانھا یفسر بعضھا بعضا) ایک جملہ آیا ہے کہ سحروا اعین الناس یعنی لوگوں کو ڈشت بندی کردی پس یہ جملہ صاف اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ درحقیقت وہ لاٹھیاں یا رسّیاں سانپ اور اژدہے نہیں ہوگئی تھیں بلکہ بسبب تاثیر قوتِ نفس انسانی کے جو ساحروں نے کسب سے حاصل کی تھیں وہ رسّیاں اور لاٹھیاں لوگوں کو سانپ اور اژدہے معلوم ہوتی تھیں حضرت موسےٰ نے جو کچھ کیا وہ بمقتضائے قوتِ نفس انسانی تھا کوئی امر مافوق الفطرت نہ تھا مگر وہ قوت حضرت موسےٰ میں فطری اور جبلی تھی ✣

اِس امر کو علمائے متقدمین نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ خدا تعالےٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ جب سحرہ فرعون نے اپنی رسّیاں اور لاٹھیاں ڈال دیں تو اُنھوں نے لوگوں کی آنکھوں

ثم قال تعالےٰ فلما القوا سحروا اعین الناس واحتج بہ القائلون بان السحر محض التمویہ قال القاضی لو کان السحر حقا لکانوا قد سحروا

وَقَالَ مُوسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور کہا موسٰے نے ۔ اے فرعون بیشک میں رسول ہوں پروردگار عالموں کی طرف سے ﴿۱۰۲﴾

مشق کرائی جاتی ہو ۔ حضرت موسٰے میں از روے فطرت وجبلت کے وہ قوت نہایت قوی تھی تھی جس سے اس قسم کے اثر ظاہر ہوتے ہیں ۔ اُنہوں نے اس خیال سے کہ وہ لکڑی سانپ ہے اپنی لاٹھی پھینکی اور وہ اُن کو سانپ یا اژدہا دکھائی دی یہ خود اُن کا تصرف اپنے خیال میں تھا وہ لکڑی لکڑی ہی تھی اُس میں فی الواقع کچھ تبدیل نہیں ہوئی تھی ۔ خدا تعالٰے نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا کہ فانقلب العصا ثعبانا ۔ یعنی وہ لاٹھی بدلکر اژدہا ہوگئی بلکہ سورہ نمل میں فرمایا ۔ کانھا جان ۔ یعنی گویا وہ اژدہا ہے ۔ اس سے ظاہر ہے کہ درحقیقت وہ اژدہا نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ لاٹھی کی لاٹھی ہی تھی +

اس کے بعد جب حضرت موسٰے فرعون کے پاس گئے تو فرعون نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو کوئی کرشمہ دکھاؤ حضرت موسٰے نے اپنی لاٹھی کو اُس کے آگے ڈال دیا پھر وہ یکایک اژدہا ظاہر ہوئی +

فالقے عصاہ فاذا ھی ثعبان مبین ۔
(۷ ۔ سورۂ اعراف ۔ ۱۰۴) (۲۶ ۔ سورۂ شعراء ۔ ۳۱) +

صاحب تفسیر کبیر نے باوجودیکہ نہایت بے سروپا قصے ان واقعات کی نسبت لکھے ہیں مگر اُن کے ساتھ یہ بھی لکھ دیا ہے کہ وہ لاٹھی دیکھنے والوں کو اژدہا معلوم ہوئی نہ یہ کہ درحقیقت وہ اژدہا ہوگئی تھی چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ۔ خدا کا جو یہ قول ہے کہ حضرت موسٰے نے فرعون سے کہا کہ اگر میں تجھ کو علانیہ کرشمہ دکھاؤں جب بھی تو مجھے قید کریگا ۔ تو یہ کہنا اس بات پر دلیل ہے کہ لاٹھی کے ڈالنے سے پہلے خدا نے حضرت موسٰے کو بتا دیا تھا کہ وہ اژدہا ہوجاویگی ۔ کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو یہ بات حضرت موسٰے نے کبھی وہ نہ کہتے ۔ پھر جب حضرت موسٰے نے لاٹھی پھینکی تو وہ چیز ظاہر ہوئی جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا پھر لاٹھی علانیہ اژدہا ہوگئی اور علانیہ اژدہا ہوجانے سے مراد یہ ہے کہ وہ لاٹھی دیکھنے والوں کو ہلنے سے اور اَور تمام نشانیوں سے اژدہا معلوم ہوئی +

اعلم ان قولہ اولو جئتك بشیٔ مبین یدل علے ان اللہ تعالٰے قبل ان القی العصا عرفہ انہ یصیرھا ثعبانا ولولا ذلك لما قال ما قال فلما القی عصاہ ظہر ما وعد اللہ بہ فصار ثعبانا مبینا والمراد انہ مبین للناظرین انہ ثعبان بحرکاتہ وسائر العلامات
(تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۵۲) +

فلما جاء السحرۃ قال لھم موسٰی القوا ما انتم ملقون فلما القوا قال موسٰی ما جئتم بہ السحر ان اللہ سیبطلہ ان اللہ لا یصلح عمل المفسدین
(سورۂ یونس آیت ۸۰ و ۸۱) +

اس کے بعد وہ واقعہ ہے جو حضرت موسٰے اور سحرۂ فرعون میں واقع ہوا ۔ جس کا ذکر متعدد حاشیہ آیتوں میں ہے اُن آیتوں کا مضمون یہ ہے کہ جب

فَظَلَمُوْا بِهَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۱﴾

پھر اُنہوں نے ظلم کیا اُن نشانیوں کے ساتھ پھر دیکھ کیا ہوُا انجام مفسدوں کا ﴿۱۰۱﴾

اتوکؤ علیھا واھش بھا علےٰ غنمی ولی فیھا مارب اخری قال القھا یا موسٰی فالقاھا فاذا ھی حیۃ تسعی۔ قال خذھا ولا تخف سنعیدھا سیرتھا الاولی۔ واضمم یدک الی جناحک تخرج بیضاء من غیر سوءٍ اٰیۃ اخری (۲۰ - سورۂ طٰہٰ آیت ۱۸ - ۲۳) +

ہی کام کرسکتا ہے۔ خدا نے پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے موسےٰ نے کہا میری لاٹھی ہے جس کو میں ٹیک لیتا ہوں اور اُس سے بھیڑوں کو ہنکاتا ہوں اور میرے اور کام میں بھی آتی ہے۔ خدا نے کہا اے موسےٰ اس کو ڈال تو دے پھر جب موسےٰ نے اُس لاٹھی کو ڈال دیا تو وہ یکایک اژدہا تھی چلتی ہوئی۔ خدا نے کہا اُس کو اُٹھا لے اور مت ڈر ہم اُس کو پہلی ہی سیرت پر پھر کردینگے اور اپنے ہاتھ کو بغل میں رکھ کر نکال چٹا بے عیب یہ دوسری نشانی ہے +

یہی مضمون سورۂ نمل میں بھی آیا ہے خدا نے موسےٰ سے کہا کہ اپنی لاٹھی ڈالدے جب

والق عصاک فلما راٰھا تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب یا موسٰی لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون۔ وادخل یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوءٍ فی تسع اٰیات الی فرعون وقومہ انھم کانوا قوما فسقین (۲۷ - سورۂ نمل - ۱۰ و ۱۲) ^

موسےٰ نے دیکھا کہ وہ تو ہلتی ہے گویا وہ اژدہا ہے تو پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے اور پھر پلٹ کر رُخ نہ کیا خدا نے کہا اے موسےٰ مت ڈر میرے پاس پیغمبر نہیں ڈرا کرتے۔ اور اپنے ہاتھ کو اپنی جیب میں ڈال کر نکال چٹا بے عیب۔ (جا) نو نشانیاں لیکر فرعون اور اُس کی قوم کے پاس بیشک وہ قوم ہے نافرمان +

وان الق عصاک فلما راٰھا تھتز کانھا جان ولی مدبرا ولم یعقب یا موسٰی اقبل ولا تخف انک من الاٰمنین اسلک یدک فی جیبک تخرج بیضاء من غیر سوءٍ واضمم الیک جناحک من الرھب فذانک برھانان من ربک الی فرعون وملائہ انھم کانوا قوما فاسقین (۲۸ - سورۂ قصص - ۳۱ و ۳۲) +

سورۂ قصص میں یہ فرمایا ہے کہ اپنی لاٹھی ڈال پھر جب موسےٰ نے دیکھا کہ وہ ہلتی ہے گویا کہ وہ اژدہا ہے پیٹھ پھیر کر پیچھے ہٹے اور پھر پلٹ کر رُخ نہ کیا خدا نے کہا اے موسےٰ آگے آ اور مت ڈر بیشک تو ہے امن والوں میں سے اپنے ہاتھ کو اپنی جیب میں ڈالکر چٹا بے عیب نکال اور اپنے دونوں بازوؤں کو خوف سے ملا پس یہ دونوں دو برہان ہیں تیرے رب کی طرف فرعون کے اور اُس کے سرداروں کے بیشک وہ لوگ نافرمان تھے +

اِن آیتوں پر غور کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کیفیت جو حضرت مُوسےٰ پر طاری ہوئی اُسی قوت نفس انسانی کا ظہور تھا جس کا اثر خود اُن پر ہوُا تھا۔ یہ کوئی معجزہ مافوق الفطرت نہ تھا۔ اور نہ اس پہاڑ کی تلی میں جہاں یہ امر واقع ہوُا کسی معجزہ کے دکھانے کا موقع تھا۔ اور نہ یہ تصوّر ہوسکتا ہے کہ وہ پہاڑ کی تلی کوئی مکتب تھا جہاں پیغمبروں کو معجزے سکھلائے جاتے ہوں اور معجزوں کی

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ	پھر بھیجا ہم نے اُن کے بعد موسٰے کو اپنی نشانیوں سمیت فرعون اور اُس کے درباریوں کے پاس

کو فخریہ طور پر انبیا علیہم السلام کے معجزے اور اولیا اللہ کی کرامتیں اور بے اعتقادی سے کافروں کا سحر اور استدراج قرار دیں ✦

ہم کو اور اسلام کو تو فخر اس بات پر ہے کہ ہمارے رسول برحق پیغمبر خدا احمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف کہدیا کہ میرے پاس تو کوئی معجزہ وعجزہ نہیں ہے اگر ہوگا تو خدا کے پاس ہوگا میں تو مثل تمہارے ایک آدمی ہوں خدا نے مجھ کو وحی کی ہے میں تم کو بُری باتوں سے ڈراتا ہوں اور اچھی باتوں کی خوشخبری دیتا ہوں ✦

ہم کو اور اسلام کو تو اُس سچے ہادی پر فخر ہے جس نے نہ لکڑی کو سانپ کر دکھایا اور نہ اپنے دست مبارک کو چمکایا نہ سچی بات پر کچھ پردہ ڈالا۔ نہ خدا کی قدرت کے قانون کو توڑنے کا دعوےٰ کیا اور سیدھی طرح لوگوں کو سچا رستہ بتایا اور فخر اولین اور آخرین اور خاتم النبیین ہونے کا درجہ پایا ۔ یا ایھا الذین اٰمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما ✦

سوم ۔ بیان تخیل تحرک حبل وعصائے سحرۂ فرعون

چہارم ۔ بیان عصائے موسٰی علیہ السلام

پنجم ۔ بیان ید بیضا ،

یہ تینوں امر ایسے ہیں جن کا یک شامل بیان کرنا مناسب ہے ۔ اس مقام پر ہم ان تمام آیتوں سے بحث کرینگے جن میں ان امور سہ گانہ کا ذکر ہے ✦

ثعبان

اس میں کچھ شبہ نہیں ہوسکتا کہ مصر میں جس قدر اُن لوگوں کی کثرت تھی جو ساحر کہلاتے تھے اور جو جو کرشمے وہ لوگوں کو دکھاتے تھے اُس سے حضرت موسٰے بخوبی واقف تھے جب حضرت موسٰے اپنی قوم کی ہمدردی اور اپنی قوم کو فرعون کے ظلم سے رہائی دینے پر مائل یا مامور ہوئے تو یہ ایک قدرتی بات ہے کہ اُن کو اس بات کا خیال ہوا ہوگا کہ وہاں تو بڑے بڑے کرشمے دکھانے والے ہیں میں اُن پر کیونکر غالب آؤنگا ۔ اُن کو خدا نے سنایا کہ تو بھی ویسے

وماتلک بیمینک یاموسیٰ قال ھی عصای

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ ﴿١٠٠﴾	اور ہم نے نہیں پایا اُن میں سے بہت سوں کو اقرار پر قایم رہتے ۔ اور بلکہ پایا ہم نے اُن میں سے بہت سوں کو البتہ اقرار کو توڑنے والے ﴿۱۰۰﴾

لما تعده من هيئة نفسانية تصير للنفس الشخصية لشخصها وقد تحصل لمزاج يحصل وقد تحصل بضرب من الكسب تحصل النفس كالمجردة لشدة الذكاء كما يحصل للاولياء وللابرار ۔ والذي يقع له هذا في جبلة النفس ثم يكون خيرا رشيدا مزكيا لنفسه فهو ذو معجزة من الانبياء اوكرامة من الاولياء وتزيده تزكية لنفسه من هذا المعنى زيادة على مقتضى جبلته فيبلغ المبلغ الاقصى والذي يقع له هذا ثم يكون شريرا ويستعمله في الشر فهو الساحر الخبيث وقد يكسر قدر نفسه من غلوئه في هذا المعنى فلا يلحق شيئا من الاركياء فيه ۔ اشار ابو علي سينا ✦

نکے زیر کر لینے سے تیز کر لیا ہو ۔ پس وہ دبا لیتا ہے شہوت کو یا غصہ کو یا دوسرے سے خوف کو ۔ یہ قوت اکثر نفس کو اصلی سرشت کے اعتبار سے ہوتی ہے جو کہ اُس کو ہیئت نفسانیہ سے پہنچتی ہے اور نفس شخصیہ کے لئے بند اتہا ہوتی ہے اور کبھی کسی مزاج کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور کبھی کسی قسم کی کوشش کی وجہ سے ہوتی ہے جو کہ نفس کو نہایت تیزی کی وجہ سے مجرد سا بنا دیتی ہے جیسا کہ اولیا اور نیک لوگوں کو حاصل ہوتا ہے ۔ اور جس شخص کی سرشت میں یہ قوت ہو پھر وہ شخص نیک ہدایت یافتہ ہو اور اس کا نفس پاک ہو تو وہ نبی اور صاحب معجزہ ہوتا ہے یا ولی صاحب کرامت ہوتا ہے اور جب وہ نفس کا تزکیہ کرتا ہے تو اصل خلقت سے اور زیادہ ترقی کر جاتا ہے اور نہایت اونچے درجے تک پہنچ جاتا ہے اور جس کو یہ قوت ہے اور وہ شریر ہے اور اس قوت کو بُرے کام میں صرف کرتا ہے تو وہ خبیث ساحر ہے اور کبھی وہ اس کام میں زیادہ غلو کرنے کی وجہ سے اپنے نفس کی قدر کو اور بھی گھٹا دیتا ہے تو وہ اچھوں کی کسی بات کو نہیں پہنچتا ✦

ہم کو اس مقام پر اس بات سے بحث کرنی کہ معجزہ و سحر میں کیا فرق ہے اور انبیا علیہم السلام سے جو اثر نفسی ظاہر ہوتے ہیں وہ کس مبدء سے ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ سے کس کی تائید سے اور کفار و مشرکین یا خبیث انسانوں سے کس کی مدد سے کچھ ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اور جس سے ہوتا ہے وہ خود اُس کے اثر نفسی سے ہوتا ہے جو حسب فطرت انسانی خدا نے اس میں اور کسی نہ کسی قدر تمام انسانوں میں رکھا ہے پس اگر یہ سچ ہے تو ہم اُس کو نہ معجزہ قرار دیسکتے ہیں نہ سحر نہ کرامت اور نہ استدراج ۔ جیسے کہ ہم انسان کے دوسرے قولے کے اثروں کو بھی معجزہ یا سحر یا کرامت یا استدراج قرار نہیں دیتے ✦

علاوہ اس کے جب کہ یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اکثر اُن اثروں کا ظہور ایسا ہی خیالی و وہمی ہے جیسے کہ خواب میں اُن چیزوں کا ظہور جن کو دیکھنے والا صرف خواب ہی میں دیکھتا ہے اور اُن کا وجود درحقیقت اور فی الواقع کچھ نہیں ہوتا تو ہم کو جرأت نہیں پڑتی کہ ایسی بے اصل چیزوں

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ (۹۹)

یہ بستیاں ہیں ہم سناتے ہیں تجھ کو اُن کی بعضی خبریں ۔ اور بیشک آئے تھے وہاں ہمارے پیغمبر دلیلوں کے ساتھ پھر وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاویں اُس پر جس کو جھٹلایا اُس سے پہلے ۔ اس طرح مُہر کردیتا ہے اللہ کافروں کے دلوں پر (۹۹)

وصاحب المعجزۃ لا یصدر منہ الشر ولا یستعمل فی اسباب الشر وکانھما علی طرفی التنقض فی اصل فطرتھما ۔ مقدمہ ابن خلدون ۔ صفحہ ۴۲۰ ✣

معجزہ کا وقوع ہونا ناممکن ہے کیونکہ معجزہ کی دلالت سچائی پر عقلی ہے اس لئے کہ معجزہ تصدیق کی خاص صفت ہے تو وہ اگر جھوٹ کے ساتھ واقع ہو تو سچی چیز جھوٹی ٹھہر جاوے بس معجزہ مطلقاً جھوٹے سے نہیں سرزد ہوسکتا ۔ لیکن حکما کے نزدیک جیسا ہم نے ذکر کیا معجزہ وسحر میں خیر و شر کا فرق ہے اور وہ بھی انتہا کے کنارہ تک ۔ تو ساحر سے اچھا کام نہیں ہوتا اور نہ وہ اس کو اچھے کام کے اسباب میں صرف کرتا ہے ۔ اور صاحب معجزہ سے شر نہیں صادر ہوتا نہ وہ اُس کو اسباب شر میں استعمال کرسکتا ہے ۔ گویا وہ دونوں خلقت ہی سے مخالفت کی اخیر سرحد پر ہیں ✣

بوعلی سینا نے معجزہ یا کرامات کی نسبت یہ لکھا ہے کہ ۔ تم اس بات کو بعید نہ سمجھو کہ بعض نفسوں

لا تستبعدن ان یکون لبعض النفوس ملکۃ تتعدی تاثیرھا بدنھا او یکون لقوتھا کانھا نفس ما للعالم وکما تاثر بکیفیۃ مزاجیۃ یکون قد اثرت لمبدأ جمیع ما عددتہ اذ مبادیھا ھذہ الکیفیات لاسیما فی جرم صار اولی بہ لمناسبۃ تخصہ مع بدنہ لاسیما وقد علمت انہ لیس کل مسخن بحار ولا کل مبرد بارد ولا تستنکرن ان یکون لبعض النفوس ھذہ القوۃ حتی تفعل فی اجرام اخر تنفعل عنھا انفعال بدنہ ولا تستنکرن ان تتعدی من قواھا الخاصۃ الی قوی نفوس اخری تفعل فیھا لاسیما اذا کانت شحذت ملکتھا بقھر قواھا البدنیۃ التی لھا فتقھر شھوۃ اوغضبا او خوفا من غیرھا ۔ ھذہ القوۃ ربما کانت للنفس بحسب المزاج الاصلی

کو ایسا ملکہ ہو جس سے اُس کی تاثیر اُس کے بدن تک پہنچے یا وہ اپنی قوت کی وجہ سے گویا کہ عالم کے لئے بمنزلہ نفس کے ہو ۔ اور جیسا کہ وہ کیفیت مزاجیہ کی وجہ سے اثر کرتی ہے تو وہ کسی مبدء کی وجہ سے وہ سب اثر کرے جن کو ہم نے گنایا ہے کیونکہ اُس کے مبادی بھی کیفیتیں ہیں خصوصاً اس جرم میں جس کے ساتھ وہ زیادہ مناسب ہے بوجہ اُس مناسبت کے جو کہ اُس کو اپنے بدن کے ساتھ ہے بالخصوص جب تم یہ بات معلوم کرچکے ہو کہ ہر مسخن گرم نہیں ہے نہ ہر سرد سرد ہے ۔ اور اس بات کا انکار نہ کرو کہ بعض نفسوں کو یہ قوت اس درجہ تک ہو کہ دوسرے اجسام میں اثر کرے اور وہ ایسا ہی منفعل ہو جیسا کہ اُس نفس کا بدن ۔ اور اس بات کا انکار نہ کرو کہ وہ اپنی خاص قوت سے تجاوز کرکے دوسرے نفسوں پر اثر کرے خصوصاً جب کہ اُس نے اپنے ملکہ کو قوائے بدنیہ

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِن بَعْدِ أَهْلِهَا أَن لَّوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿٩٨﴾

کیا ہدایت نہیں ہوئی اُن لوگوں کو جو وارث ہوئے زمین کے اُس کے رہنے والوں کے بعد کہ اگر ہم چاہیں پہنچا دیں ہم اُن کو اُن کے گناہوں کے ساتھ۔ اور مہر لگا دیں اُن کے دلوں پر پھر وہ نہیں سنتے ﴿٩٨﴾

المتمحضة للشر هذا هو الفرق بينهما عند الحكماء الالهيين وقد يوجد لبعض المتصوفة واصحاب الكرامات تاثير ايضا في احوال العالم وليس معدودا من جنس السحر وانما هو بالامداد الالهي لان طريقتهم ونحلتهم من آثار النبوة وتوابعها ولهم في المدد الالهي حظ على قدر حالهم وايمانهم وتمسكهم بكلمة الله واذا اقتدر احد منهم على افعال الشر فلا ياتيها لانه متقيد فيما ياتيه ويذره للامر الالهي فما لا يقع لهم فيه الاذن لا ياتونه بوجه ومن اتاه منهم فقد عدل عن طريق الحق وربما سلب حاله ولما كانت المعجزة بامداد روح الله والقوى الالهية فلذلك لا يعارضها شيء من السحر ـ مقدمہ ابن خلدون ـ صفحہ ۴۱۹ *

سحر بُرے آدمی سے بُرے کام کے لئے ۔ اکثر مرد و عورت میں جدائی ڈالنے کے لئے دشمنوں کو ضرر پہنچانے کے لئے۔ اور اسی قسم کے کاموں کے لئے ہوتا ہے ۔ اور نفوس متمحضہ سے شر کے لئے ہوتا ہے ۔ حکمائے الٰہیین کے نزدیک تو معجزہ و سحر میں یہ فرق ہے ۔ اور کبھی بعض صوفیوں سے اور کرامت والوں سے عالم کے حالات میں تاثیر پائی جاتی ہے مگر اس کا شمار سحر کی جنس میں نہیں ہے ۔ بلکہ وہ تائید الٰہی سے ہوتا ہے کیونکہ اُن کا طور و طریق نبوت کے آثارات اور توابع میں سے ہے ۔ اور تائید الٰہی میں ۔ علیٰ قدر مراتب اور خدا سے تقرب کے لحاظ سے اُن کو بھی حصہ ملا ہوا ہے اور جب اُن میں کا کوئی شخص فعال شر پر قادر ہوتا ہے تو اُس کو کر نہیں سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے کام میں پابند ہے اور اُس کو خدا کے حکم پر چھوڑ رکھا ہے اور جس میں خدا کا حکم نہیں ہوتا ہے اُس کو وہ کسی طرح نہیں کرتا ۔ اور اگر کسی نے کیا تو وہ راہ حق سے منحرف ہو گیا اور اکثر اُس کی کرامت مسلوب ہو جاتی ہے ۔ اور چونکہ معجزہ خدا کی مدد اور خدائی قوتوں کی وجہ سے ہوتا ہے تو سحر اُس کا مقابلہ نہیں کر سکتا لیکن اُن لوگوں کے نزدیک معجزہ و سحر میں فرق یہ ہے کہ متکلمین تو کہتے ہیں کہ اُس کا مرجع تحدی کی طرف ہے اور تحدی کے معنی ہیں معجزہ کے وقوع کا دعوے کرنا اپنے دعوے کے موافق ۔ اور متکلمین کہتے ہیں کہ ساحر اس قسم کی تحدی سے معذور ہے ۔ اس لئے اُس سے تحدی ہو نہیں سکتی ۔ اور جھوٹے شخص کے دعوے کی موافق

واما الفرق عندهم بين المعجزة والسحر فالذي ذكره المتكلمون انه راجع الى التحدي وهو دعوى وقوعها على وفق ما ادعاه قالوا والساحر مصروف عن مثل هذا التحدي فلا يقع منه وقوع المعجزة على وفق دعوى الكاذب غير مقدور لان دلالة المعجزة على الصدق عقلية لان صفة نفسها التصديق فلو وقعت مع الكذب لاستحال الصادق كاذبا وهو محال فاذا لا تقع المعجزة مع الكاذب بالاطلاق واما الحكماء فالفرق بينهما عندهم كما ذكرناه فرق بين الخير والشر في نهاية الطرفين فالساحر لا يصدر منه الخير ولا يستعمل في اسباب الخير

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿۹۷﴾	پھر کیا وہ نڈر ہو گئے ہیں اللہ کی مکر سے پھر نڈر نہیں ہوتے اللہ کے مکر سے مگر نقصان پانے والی قوم ﴿۹۷﴾

تکون فی الساحر بالقوۃ شان القوی البشریۃ کلہا وانما تخرج الی الفعل بالریاضۃ

(مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۱۰)

اور حالانکہ وہاں کچھ نہیں ہوتا جیسا کہ بعض لوگوں کا قصہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ باغ ۔ نہریں ۔ مکانات دیکھتے ہیں اور وہاں کچھ نہیں ہوتا ۔ فلاسفہ کے نزدیک یہ شعبدہ یا شعبدہ ہے یہ اس کے مراتب کی تفصیل ہے ۔ پھر یہ خاصیت ساحریں اور قوائے بشریہ کی طرح بالقوہ موجود ہوتی ہے مگر ریاضت کرنے سے بالفعل موجود ہو جاتی ہے ✦

ابن خلدون نے جو سحر کے تین درجے قرار دئے ہیں حقیقت میں وہ تینوں سے واحد ہیں پہلا درجہ صرف ہمت کی تاثیر قرار دیا ہے اور تیسرا درجہ تخیلہ میں چیزوں کا جمع کرکے دوسرے کے تخیلہ میں اُس کا القاء کرنا قرار دیا ہے ۔ یہ قسم درحقیقت صرف ہمت ہی سے متعلق ہے کوئی شے اُس سے علیحدہ نہیں ہے دوسرا درجہ امداد کا مزاج افلاک وعناصر اور خواص اعداد سے قرار دیا ہے حالانکہ اس بات کے لئے کہ افلاک وکواکب واعداد سے درحقیقت اس میں کچھ اعانت ہوتی ہے کچھ ثبوت نہیں ہے پس یہ دوسری قسم محض فرضی ہے اور تینوں قسمیں قسم واحد ہیں ۔ یعنی صرف ہمت سے تاثیرات کا ظہور ✦

اسی قوت نفسی کے آثار جب انبیاء علیہم السلام سے ظاہر ہوتے ہیں تو اُس کو معجزہ سے

والفرق عندھم بین المعجزۃ والسحر ان المعجزۃ قوۃ الٰہیۃ تبعث فی النفس ذلک التاثیر فھو مؤید بروح اللہ علی فعلہ ذلک والساحر انما یفعل ذلک من عند نفسہ وبقوتہ النفسانیۃ و بامداد الشیاطین فی بعض الاحوال فبینھما الفرق فی المعقولیۃ والحقیقۃ والذات فی نفس الامر وانما نستدل نحن علی التفرقۃ بالعلامات الظاہرۃ وھی وجود المعجزۃ لصاحب الخیر وفی مقاصد الخیر وللنفوس المتمحضۃ للخیر والتحدی بھا علی دعوی النبوۃ والسحر انما یوجد لصاحب الشر وفی افعال الشر فی الغالب من التفریق بین الزوجین وضرر الاعداء وامثال ذلک وللنفوس

تعبیر کیا جاتا ہے ابن خلدون نے معجزہ اور سحر میں یہ فرق بتلایا ہے کہ ۔ اُن کے نزدیک (یعنی حکمائے الٰہیین کے نزدیک) معجزہ وسحر میں یہ فرق ہے کہ معجزہ ایک قوت الٰہی ہے جو نفس میں اس تاثیر کو برانگیختہ کرتی ہے ۔ پس وہ شخص (صاحب معجزہ) اس کام کے کرنے میں خدا کی روح سے تائید یافتہ ہوتا ہے اور ساحر اسی کام کو اپنی طرف سے اور قوت نفسانیہ کے ذریعہ سے اور بعض حالتوں میں شیاطین کی مدد سے کرتا ہے ۔ پس اُن دونوں میں معقولیت ۔ حقیقت ۔ ذات ۔ کی رو سے ایک واقعی فرق ہے ۔ اور ہم اس تفرقہ پر ظاہری علامتوں سے استدلال کرتے ہیں اور وہ یہ کہ معجزہ اچھے شخص سے اچھے مقصدوں کے لئے ہوتا ہے اور نفوس متمحضہ سے اچھے کام کے لئے دعوے نبوت پر تحدی کے لئے ہوتا ہے ۔ اور

أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ (۹۸)	یا نڈر ہو گئے ہیں بستیوں کے رہنے والے کہ آوے اُن پر ہمارا عذاب دن چڑھے اور وہ کھیلتے ہوں (۹۸)

بخاصیه وحدة بالنوع لا توجد فی الصنف الاخر وصارت تلك الخواص فطرة وجبلة لصنفها فنفوس الانبیاء علیهم الصلوٰة والسلام لها خاصیه تستعد بها للمعرفة الربانیه ومخاطبة الملائکة علیهم السلام عن الله سبحانه وتعالٰی کما مر وما یتبع ذلك من التاثیر فی الاکوان واستجلاب روحانیة الکواکب للتصرف فیها والتاثیر بقوة نفسانیة او شیطانیة فاما تاثیر الانبیاء فمدد الٰهی وخاصیة ربانیه ونفوس الکهنة لها خاصیة الاطلاع علی المغیبات بقوی شیطانیة وهکذا کل صنف مختص بخاصیة لا توجد فی الاخر والنفوس الساحرة علی مراتب ثلاثة یاتی شرحها فاولها المؤثرة بالهمة فقط من غیر الة ولا معین هذا هو الذی یسمیه الفلاسفة السحر والثانی بمعین من مزاج الافلاك او العناصر او خواص الاعداد ویسمونها الطلسمات وهی اضعف رتبة من الاول والثالث تاثیر فی القوی المتخیلة یعمد صاحب هذا التاثیر الی القوی المتخیلة فیتصرف فیها بنوع من التصرف ویلقی فیها انواعا من الخیالات والمحاکات وصورا مما یقصد من ذلك ثم ینزلها الی الحس من الرائین بقوة نفسه المؤثرة فیه فینظر الراؤن کانها فی الخارج ولیس هناك شیئا من ذلك کما یحکی عن بعضهم انه یری البساتین والانهار والقصور ولیس هناك شیٔ من ذلك ویسمی هذا عند الفلاسفة الشعوذة او الشعبذة هذا تفصیل مراتبه ثم هذه الخاصیة

وہ چند قسم کے ہیں ـ ہر ایک قسم ایک نوع خاص کی خاصیت کے ساتھ مخصوص ہے کہ جو دوسری قسم میں نہیں پائی جاتی ـ اور یہ خاصیتیں اُن کی جبلت اور سرشت ہیں ـ پس انبیا علیہم السلام کے نفوس کو ایک خاص مناسبت ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ خدا کی معرفت اور فرشتوں سے (جو خدا کی طرف سے آتے ہیں) بات چیت کی ـ اور اِس قسم کے اور کام کی یعنی موجودات میں تاثیر کی ـ اور ستاروں کی روحانیت کی تسخیر کی اُن میں تصرف کرنے کی غرض سے قابل ہوتے ہیں ـ اور تاثیر قوت نفسانیہ سے ہوتی ہے یا شیطانیہ سے لیکن انبیا کی تاثیر تو وہ امداد الٰہی اور خاصیت ربانی ہے اور جادوگروں کے نفوس کو غائب چیزوں پر اطلاع حاصل کرنے کی خاصیت قوائے شیطانیہ کے ذریعہ سے ہے ـ اور اسی طرح ہر ایک قسم ایک خاصیت کے ساتھ مخصوص ہے جو کہ دوسری میں نہیں پائی جاتی ـ اور جادوگروں کے نفوس کے مختلف درجے ہیں جن کی تفصیل آتی ہے ـ قسم اول تو صرف ہمت کے ذریعہ سے بغیر کسی آلہ اور مددگار کے تاثیر کرنے والی ہیں اور فلاسفہ اسی کو سحر کہتے ہیں ـ دوسری قسم بذریعہ کسی معین کی تاثیر کے ہے یعنی افلاک یا عناصر کے مزاج یا عددوں کی خاصیتوں سے ـ اور اُس کو طلسمات کہتے ہیں ـ اور یہ قسم اول سے رتبہ میں کم ہے تیسری قسم خیالی قوتوں میں تاثیر کرنا ہے ـ اس تاثیر والا آدمی قوائے متخیلہ کی طرف توجہ کرتا ہے پس اُن میں ایک خاص قسم کا تصرف کرتا ہے ـ اور اُن میں طرح طرح کے خیالات اور گفتگو اور صورتیں جو کچھ اُس کو مقصود ہوتی ہیں ڈالتا ہے پھر اُن کو دیکھنے والوں کی حس پر ڈالتا ہے اپنے نفس مؤثرہ کی قوت کے ذریعہ سے ـ سو دیکھنے والے ایسا دیکھتے ہیں کہ گویا وہ خارج میں موجود ہیں

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٥﴾

پھر کیا نڈر ہو گئی ہیں بستیوں کے رہنے والے کہ آوے اُن پر ہمارا عذاب رات کو اور وہ سوتے ہوں ﴿۹۵﴾

ہو جاتی ہے جو خواب مقناطیسی سے تعبیر کی جا سکتی ہے اور اس حالت میں انسان ایسی چیزوں کو موجود دیکھتا ہے جو فی الحقیقت موجود نہیں ہیں اور ایسے واقعات اپنے گذرتے ہوئے یقین کرتا ہے جو در حقیقت اُس پر نہیں گذرتے ٭

یہ قوت مقناطیسی جس میں قوی ہوتی ہے وہ دوسرے شخص پر بھی ڈال سکتا ہے اور اُس دوسرے شخص پر بحالت بیداری ایک قسم کی خواب مقناطیسی طاری ہوتی جاتی ہے۔ کبھی وہ دوسرا شخص جاگتا رہتا ہے اور خواب مقناطیسی اُس پر طاری رہتی ہے اور کبھی وہ اُسی خواب مقناطیسی میں بیہوش ہو جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سوتا ہے ٭

اس قوت مقناطیسی سے کیا کیا چیزیں ظہور میں آتی ہے بحث طلب ہیں جو لوگ اس فن کے عامل ہیں وہ اس قوت سے بہت سی عجائب و غرائب چیزوں کے ظہور کا دعوے کرتے ہیں مگر جب تک وہ تجربہ اور مشاہدہ میں نہ آویں اُس وقت تک اُن کے صحیح و غیر صحیح ہونے کا فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ ہاں صرف اُن باتوں کے وجود سے یا اُن کے ظہور پذیر ہونے سے انکار کیا جا سکتا ہے جو معلوم قوانین قدرت کے برخلاف ہیں۔ بایں ہمہ جو امور کہ اُس سے ظہور میں آویں وہ صرف خیالی اور وہمی ہوتے ہیں جیسے خواب کی چیزیں نہ اصلی اور واقعی ٭

یہ قوت بعض آدمیوں میں خلقی نہایت قوی ہوتی ہے اور جو لوگ مجاہدات کرتے ہیں اور لطائف نفسانی کو متحرک کرتے ہیں خواہ وہ اُن مجاہدات میں خدا کا نام لیا کریں یا اَور کسی کا اُن میں بھی یہ قوت نہایت قوی ہو جاتی ہے اور اُس کے اثر ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اُن اثروں کو جب کہ مسلمانوں سے ظاہر ہوتے ہیں مسلمان کرامت سے تعبیر کرتے ہیں اور جب کہ غیر مذہب والے سے ظاہر ہوتے ہیں اُس کو استدراج سے تعبیر کرتے ہیں حالانکہ دونوں کی اصلیت واحد ہے۔ بہر حال جو کچھ کہ اُس سے ظاہر ہو اس کا کوئی وجود اصلی و حقیقی نہیں ہے بلکہ صرف وجود وہمی و خیالی ہے ٭

اسی قسم کی تاثیرات نفسانی کے ظہور کو جب کہ اُن کا برانگیختہ کرنا ایسے مجاہدات سے کیا گیا ہو جو خدا کے سوا اور اشیا یا اشخاص کے تصوّر و تذکر سے تعلق رکھتے ہیں سحر سے تعبیر کیا گیا ہے اگرچہ صاحب تفسیر کبیر نے بھی سحر کی نسبت بہت لمبی بحث لکھی ہے۔ مگر ابن خلدون نے اس بحث کو نہایت خوبی سے صاف صاف مختصر طور پر لکھا ہے جس کو ہم بجنسہٖ اس مقام پر نقل کرتے ہیں چنانچہ اُنہوں نے لکھا ہے

حقیقۃ السحر۔ وذلك ان النفوس البشریة وان كانت واحدة بالنوع فهي مختلفة بالخواص وهي اصناف كل صنف مختص

کہ سحر کی حقیقت یہ ہے کہ نفوس انسانی اگرچہ نوعیّت کے لحاظ سے متحد ہیں مگر خاصیتوں کے اعتبار سے مختلف ہیں۔ اور

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۴﴾	اور اگر اُس بستی کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگاری کرتے تو بیشک ہم اُن پر کھول دیتے آسمان اور زمین کی برکتیں ولیکن اُنہوں نے جھٹلایا پھر ہم نے اُن کو پکڑ لیا بسبب اُس کے جو وہ کماتے تھے ﴿۹۴﴾

لکھی ہیں۔ چنانچہ تاریخ یافعی میں لکھا ہے کہ اس مباحثہ کے بعد ابو عبیدہ نے اُسی دن سے ارادہ کیا کہ وہ قرآن کے اس قسم کے الفاظ کے بیان میں ایک کتاب لکھے اور جب وہ بصرہ میں واپس آگیا تو اُس نے کتاب لکھی اور اس کا نام مجاز رکھا۔ افسوس ہے کہ اس قسم کی کتابیں دستیاب نہیں ہوتیں ہمارے زمانہ کے عالم اُن کتابوں سے ناواقف محض ہیں۔ اور جب کوئی شخص جس کو خدا نے بصیرت دی ہے قرآن مجید پر غور کرکے اور تمام حالات کو پیش نظر رکھ کے اس قسم کے الفاظ کی نسبت کچھ لکھتا ہے تو اُن کو ایک نئی بات معلوم ہوتی ہے اور چونک اُٹھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو نص کے برخلاف ہے حالانکہ جس کو وہ نص سمجھتے ہیں درحقیقت وہی نص کے برخلاف ہے +

وعزمت مذ ذلك اليوم ان اضع كتابا في القرآن لمثل هذا واشباهه ولما يحتاج اليه من علمه ولما رجعت الى البصرة عملت كتاب الذي سميته المجاز۔
مرآۃ الجنان یافعی صفحہ ۱۵۷ +

سحر جس طرح کہ لوگ اُس پر یقین کرتے ہیں اور عرف عام میں جس طرح پر وہ سمجھا جاتا ہے اُس کی کچھ اصلیت نہیں ہے اور نہ قرآن مجید سے اُس کی تصدیق پائی جاتی ہے۔ ہاں تمام انسانوں میں خواہ وہ انبیا ہوں یا اولیا یا عوام الناس اور کسی مذہب کے ہوں حتیٰ کہ حیوانوں میں بھی ایک قسم کی قوت مقناطیسی موجود ہے جو خود اُس پر اور نیز دوسروں پر ایک قسم کا اثر پیدا کرتی ہے۔ یہ قوت بمقتضائے خلقت بعضوں میں ضعیف اور بعضوں میں قوی اور بعضوں میں اقویٰ ہوتی ہے۔ اور جس طرح اور قوائے انسانی ورزش سے قوت پکڑتے ہیں جیسے کہ پنجہ کشی کی ورزش سے پنجہ میں۔ کلائی کی ورزش سے کلائی میں زیادہ قوت آجاتی ہے اسی طرح اس قوت دماغی میں بھی خاص قسم کی ورزش سے قوت زیادہ ہو جاتی ہے +

انسان جو خواب میں عجیب عجیب چیزیں دیکھتا ہے اور عجیب واقعات و حالات اُس پر گذرتے ہیں جن کو وہ سمجھتا ہے کہ درحقیقت وہ تمام چیزیں موجود ہیں اور فی الواقع وہ حالات اُس پر گذر رہے ہیں اُسی قوت کے اثروں میں سے ہے حالانکہ وہ چیزیں درحقیقت نہ موجود ہوتی ہیں اور نہ فی الواقع وہ حالات اُس پر گذرتے ہیں +

یہ کیفیت جس طرح کہ خواب طبعی میں ہوتی ہے کبھی حالت بیداری میں بھی پیدا ہو جاتی ہے آدمی سمجھتا ہے کہ میں جاگتا ہوں اور درحقیقت وہ جاگتا بھی ہوتا ہے مگر اس پر ایک قسم کی خواب طاری

وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۳﴾	اور سکھ نے ۔ پھر ہم نے اُن کو یکایک پکڑ لیا اور وہ نہیں جانتے تھے ﴿۹۳﴾

امری القیس

انقتلنی والمشرفی مضاجعی

ومسنونۃ زرق کانیاب اغوال

وھم لمیرو الغول قط ولکنہ لما کان امر

الغول یھولھم اوعدوابہ فاستحسن

الفضل والسائل فی ذالک ❊

مراۃ الجنان ۔ ورق ۱۸۷ ❊ اور ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کر کے منشی سے پوچھا کہ تم ان کو جانتے ہو اُس نے عرض کیا کہ میں نہیں جانتا وزیر نے کہا کہ یہ ابو عبیدہ ہیں علماء اہل بصرہ میں نے اُن کو بلایا ہے تاکہ اُن کے علم سے ہم فائدہ اٹھادیں اُس منشی نے وزیر کو دعا دی اور ابو عبیدہ کی طرف متوجہ ہوا اور کہا کہ میں آپ سے ملنے کا بہت مشتاق تھا ۔ لوگوں نے مجھ سے ایک مسئلہ پوچھا ہے آپ مجھ کو اجازت دیتے ہیں کہ اُس کو آپ سے کہوں ابو عبیدہ نے کہا کہ کہو اُس منشی نے کہا کہ خدا تعالیٰ نے دوزخ کے درخت کے پھل کو شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دیکر ڈرایا ہے مگر لالچ دینا یا ڈرانا ایسی چیز سے ہو سکتا ہے جس کو وہ لوگ جانتے ہوں مگر شیطانوں کے سروں کو تو کوئی نہیں جانتا کہ کیسے ہیں ابو عبیدہ نے کہا کہ خدا نے عرب کے کلام کے مطابق کلام کیا ہے کیا تم نے امرء القیس کا قول نہیں سنا چنانچہ ابو عبیدہ نے وہ شعر پڑھا جس کا مطلب یہ ہے :۔

کیا وہ مجھ کو مار ڈالینگے اور تلوار میری ساتھ لیٹی ہے

اور نیلی چمکدار برچھیاں ہیں مانند دانتوں غول بیابانی کے

اُس شخص نے جس کے حق میں یہ شعر کہا ہے یا اور کسی نے غول بیابانی کو کبھی نہیں دیکھا تھا ۔ مگر جب کہ غول بیابانی کا ہول اُس کے دل میں تھا تو اُسی سے اُن کو ڈرایا ۔ اس تقریر کو وزیر ابوالفضل اور اُس کے منشی دونوں نے پسند کیا (انتہیٰ) ❊

غرضکہ جس طرح امرء القیس کے شعر سے یہ لازم نہیں آتا کہ درحقیقت غول بیابانی کے لمبے لمبے نیلے نیلے چمکدار دانت ہوتے ہیں اسی طرح قرآن مجید میں جو رؤس الشیاطین کا لفظ آیا ہے اُس کو یہ لازم نہیں آتا کہ درحقیقت شیطان کا ڈراونا سر ہوتا ہے بلکہ جس چیز سے اپنے خیالات کے موافق عرب دہشت کھاتے تھے اُسی سے اُن کے خیالات کے موافق وعید کی ہے ۔ اسی طرح سحر کا لفظ جہاں قرآن میں آیا ہے وہ صرف عرب جاہلیت کی خیال کے موافق آیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جس طرح پر عرب جاہلیت سحر کو سمجھتے تھے درحقیقت اُس طرح پر اُس کا وجود تھا ۔ یا خدا تعالیٰ نے اُس کا واقعی ہونا بتایا ہے یا عرب جاہلیت کے خیالات کی تصدیق کی ہے ❊

اسی طرح سینکڑوں لفظ قرآن مجید میں حسب محاورہ زبان عرب اور بلحاظ خیالات عرب جاہلیت آئے ہیں جن سے اُن کا واقعی ہونا مراد نہیں ہے ۔ علمائے متقدمین نے اس باب میں کتابیں

ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ	پھر بدل دیا ہم نے بُرائی کی جگہ بھلائی کو یہاں تک کہ بڑھ گئے اور کہنے لگے کہ بیشک چھوا تھا ہمارے باپوں کو دُکھ

بھی قرآن مجید میں آئے ہیں - مگر قرآن مجید میں اُس کا استعمال اُن اثروں کے سمجھانے کے لیئے ہُوا ہے جو اثر کہ اہل عرب اُن لفظوں سے پاتے تھے نہ اس لیئے کہ اُن لفظوں کے لیئے فی الواقع کوئی حقیقت تھی یا درحقیقت اُن کا کوئی مصداق تھا +

اس کی مثال میں ہم ایک مباحثہ لطیف کا ذکر کرتے ہیں جو خلیفہ منصور کے وزیر ابو الفضل بن ربیع کی مجلس میں ایک بہت بڑے عالم سے ہُوا تھا - مراۃ الجنان المشہور بہ تاریخ یافعی میں لکھا ہے کہ فضل بن ربیع نے جو خلیفہ منصور کا وزیر اور ایک بہت بڑا عالم تھا ابو عبیدہ کے پاس جو اُس زمانہ کے بہت بڑے عالم متبحر تھے اور بصرہ میں تھے ایک شخص بھیجا اور اپنے پاس بُلایا وہ آئے اور اُن کو وزیر کی مجلس میں آنے کی اجازت ملی جب وہ مجلس میں گئے تو دیکھا کہ وہ ایک بہت لنبے چوڑے مکان میں ہے جس میں بھر پورا ایک ہی کپڑے کا فرش بچھا ہُوا ہے اور صدر میں ایک بہت اونچی جگہ پر جس پر بغیر زینہ کے چڑھا نہیں جا سکتا مسند تکیہ لگا ہُوا ہے اور وہ اس پر بیٹھا ہے - ابو عبیدہ نے موافق اُس آداب کے جو وزیروں کے لیئے مقرر کیا تھا سلام علیک کی وزیر نے اُس کا جواب دیا اور اپنی مسند کے پاس بیٹھنے کی اجازت دی - پھر ابو عبیدہ کی خیر و عافیت پوچھی اور اَور حالات دریافت کیئے اور بہت مہربانی کی - پھر کہا کہ کچھ اشعار پڑھو - ابو عبیدہ نے عرب جاہلیت کے نہایت عمدہ اشعار جو اس کو یاد تھے پڑھے - وزیر نے کہا کہ ایسے تو بہت سے اشعار میں بھی جانتا ہوں میرا یہ مقصد تھا کہ کچھ نمکین چٹ پٹے اشعار سناؤ ابو عبیدہ نے ویسے ہی اشعار پڑھے جن کو سُنکر وزیر خوش ہُوا اور ہنسا اور مزے میں آگیا - اتنے میں وزیر کا ایک منشی جو وجیہ آدمی تھا آگیا - وزیر نے اُس کو ابو عبیدہ کے پاس بیٹھنے کا حکم دیا اور

قال ابو عبیدۃ ارسل الی الفضل بن الربیع الی البصرۃ فی الخروج الیہ فقدمت علیہ وکنت اخبر عن تجبرہ فاذن لی فدخلت علیہ وھو فی مجلس طویل عریض فیہ بساط واحد قد ملاءہ وفی صدرہ فرش عالیۃ لا یرتقی علیھا الا بکرسی وھو جالس علی الفرش فسلمت علیہ بالوزارۃ فرد وضحک الی واستدنانی من فرشہ ثم سالنی وبسطنی وتلطف بی وقال انشدنی فانشدتہ من عیون اشعار جاھلیۃ احفظھا فقال قد عرفت اکثر ھذہ وارید من ملیح الشعر فانشدتہ فطرب وضحک وزادہ نشاطا ثم دخل رجل فی زی الکتاب ولہ ھیئۃ حسنۃ فاجلسہ الی جانبی وقال اتعرف ھذا قال لا فقال ھذا ابو عبیدۃ علامۃ اھل البصرۃ اقدمناہ لنستفید من علمہ فدعا لہ الرجل ثم التفت الی وقال انی کنت الیک مشتاقا وقد سألت عن مسئلۃ افتاذن لی ان اعرفک ایاھا قلت ھات فقال قال اللہ تعالی طلعھا کانہ رؤس الشیاطین وانما یقع الوعد والایعاد بما قد عرف وھذا لم یعرف قال فقلت انما کلم اللہ العرب علی قدر کلامھم اما سمعت قول

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۲﴾	اور ہم نے نہیں بھیجا کسی بستی میں کوئی نبی مگر ہم نے اُسی کے لوگوں کو پکڑا بلائیں اور دُکھ میں تاکہ وہ عاجزی کریں ﴿۹۲﴾

اژدہے کے دکھائی دینا ۔ ۵ ۔ بیان ید بیضا ۔ ۶ ۔ ذکر قتل اولاد بنی اسرائیل ۔ ۷ ۔ بیان قحط ۔ ۸ ۔ ذکر طوفان ۔ و جراد ۔ و قمل ۔ و ضفادع ۔ و دم ۔ ۹ ۔ غرق فی البحر ۔ ۱۰ ۔ اعتکاف حضرت موسٰے کا پہاڑ میں ۔ ۱۱ ۔ حقیقت کلام خدا با موسٰے ۔ ۱۲ ۔ حقیقت تجلی للجبل ۔ ۱۳ ۔ بیان کتابت فی الالواح ۔ ۱۴ ۔ اتخاذ عجل ۔ ۱۵ ۔ ستر آدمیوں کا منتخب کرنا ۔ ۱۶ ۔ ذکر استسقاے قوم موسٰے اور ظاہر ہونا چشموں کا ۔ ۱۷ ۔ سایہ کرنا ابر کا ۔ ۱۸ ۔ من و سلوٰے کا اُترنا ۔ ۱۹ ۔ دخول باب ؛

ہم ان اُنیسوں امور کی نسبت علٰحدہ علٰحدہ بیان کرنا چاہتے ہیں مگر ان میں سے جن امور کا پہلے بیان ہو چکا ہے اُن کے صرف حوالہ دینے پر اکتفا کرینگے ؛

اول ۔ تحقیق معنی لفظ آیہ و بیّنہ

ہم نے سورہ بقر کی تفسیر میں بر تحت تفسیر " واتینا عیسی ابن مریم البینات " لفظ آیہ و بیّنہ پر مُفصل بحث کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ ان الفاظ کے معنی معجزہ کے نہیں ہیں بلکہ احکام کے ہیں ۔ اور یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ معجزہ دلیل ثبوت نبوت نہیں ہو سکتا اور اس صورت میں ایہ و بیّنہ کے معنی اس غرض سے معجزہ کے لینے کہ وہ مثبت نبوت ہوتا ہے خرط القتاد سے کچھ زیادہ رتبہ نہیں رکھتا ؛

دوم ۔ حقیقت سحر

اور یہ کہ کن معنوں میں اُس کا استعمال ہوتا ہے

سحر کا لفظ قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے مگر بہت سے الفاظ زبان عرب میں ایسے مستعمل تھے جن کے لئے فی الواقع کوئی حقیقت نہ تھی اور نہ درحقیقت اُن کا مصداق تھا نہ اُن کا کوئی مسمّی حقیقۃً وجود رکھتا تھا ۔ بلکہ عرب جاہلیت نے اپنے وہم میں ایک شے غیر موجود کا وجود قرار دیا تھا اور اُس سے کچھ افعال منسوب کئے تھے اور اُس شے غیر موجود وہمی کے لئے وہ الفاظ مستعمل کرتے تھے ۔ قرآن مجید اہل عرب کی زبان میں نازل ہوا اور اس لئے اُس زبان کے محاورہ کے موافق وہ الفاظ

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۰﴾	جن لوگوں نے جھٹلایا شعیب کو (وہ ہو گئے ایسے کہ) گویا ایسے نہ تھے اُن میں۔ جن لوگوں نے جھٹلایا شعیب کو وہی تھے نقصان پانیوالے ﴿۹۰﴾

تمتعوا فی دارکم ثلثة ایام" ❊

جو آفت کہ قوم ثمود پر آئی وہ شدید بھونچال تھا لفظ طاغیہ جو بعض آیتوں میں ہے وہ اُس کی شدت اور حد سے زیادہ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ لفظ صیحہ کا اُس بھونچال کی آواز گڑگڑاہٹ پر اشارہ کرتا ہے اور رجفہ کے معنی بھونچال کے ہیں غرضکہ جس طرح عادت اللہ جاری ہے بھونچال کے آنے سے وہ قوم غارت ہو گئی یعنی اُس کے بہت سے آدمی مر گئے اور بہت سے بچے بھی رہے قوم ثمود کے مکانات پہاڑوں میں بھی تھے اور میدانوں میں بھی تھے میدانوں کے مکانات پر تو بھونچال سے صدمہ ظاہر ہے مگر پہاڑ کے اندر کے مکانات پر بھی متعدد طرح سے صدمہ پہنچ سکتا ہے یہ واقعہ کوئی ایسا واقعہ نہیں ہے جس کو معجزہ یا خلاف قانون قدرت یا ما فوق الفطرت تصور کیا جاوے ابھی یہ واقعہ ہوا ہے کہ اندلس[1] کے علاقہ میں ایک بھونچال کے سبب ایکہزار آدمی مر گیا ❊

حضرت لوطؑ کا قصہ سورہ ہود میں زیادہ تفصیل سے ہے اور اُسی مقام پر اُس سے بحث کرنی زیادہ مناسب ہے اس لیئے اس بحث کو سورہ ہود کی تفسیر میں لکھینگے مگر حضرت شعیب کے قصہ کا اس مقام پر بیان کرتے ہیں ❊

﴿۸۳﴾ (والی مدین اخاھم شعیبا) مدین ۔ حضرت ابراہیم کے بیٹے کا نام ہے جو قطورا کے پیٹ سے قریبًا سنہ ۲۱۵۱ دنیوی کے پیدا ہوا تھا ۔ مدین کا بیٹا عیفاہ تھا۔ جس کو بعض عربی کتابوں میں غلطی سے عنقا لکھ دیا ہے ۔ یہاں تک تو نسب توریت میں مندرج ہے (دیکھو سفر پیدایش باب ۲۵ ورس ۱ و ۴) اُس کے بعد تاریخ کی کتابوں میں اختلاف ہے۔ مگر اُن اختلافات سے جو امر ہمارے نزدیک زیادہ ترقرین صحت ہے یہ ہے کہ عیفاہ کا بیٹا نوبہ یا نابب تھا۔ اور اُس کا بیٹا ضیعون اور ضیعون کے بیٹے حضرت شعیب ہیں پس حضرت شعیب حضرت ابراہیم سے پانچویں پشت میں ہیں ❊

مدین ۔ جہاں حضرت ابراہیم کے بیٹے مدین نے سکونت اختیار کی تھی رفتہ رفتہ وہاں شہر آباد ہو گیا۔ اور مدین ہی اس شہر کا نام ہو گیا بطلیموس کے جغرافیہ میں (موڈیانا) اس شہر کا نام لکھا ہے وہ شہر بحر قلزم کے کنارہ سے کسی قدر فاصلہ پر حجاز عرب میں واقع ہے کوہ سینا کے جنوب مشرق میں اب یہ شہر بالکل ویران ہے کچھ نشان کھنڈرات وہاں اب تک موجود ہیں اور کہتے ہیں کہ وہاں ایک قدیم کنواں موسےٰ کے وقت کا بھی موجود ہے ❊

[1] [illegible]

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۸۹﴾	پھر پکڑا اُن کو زلزلہ نے پھر اُنھوں نے صبح کی اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے ﴿۸۹﴾

من ربکم ھٰذہ ناقة الله فذروھا تاکل الخ دوسرے یہ کہ خدا کی تمام مخلوقات وہ کسی طرح پر پیدا ہو خدا پر دلیل ہے اونٹنی کے پیدا ہونے سے گو کہ وہ کسی عجیب طرح سے پیدا ہوئی ہو خدا پر دلیل ہونے کی کچھ خصوصیت نہیں ہو سکتی پس صاف ظاہر ہے کہ قد جاءتکم بینة من ربکم جدا جملہ ہے اور اس سے وہ دلیل مراد ہے جو انبیا اپنی اُمت کو خدا تعالیٰ کے وجود اور اُس کی توحید اور اُس کے استحقاق عبادت کی نسبت بتلاتے ہیں اور "ھذہ ناقة الله لکم آیة الیٰ آخرہ" جملہ مستانفہ ہے اُس کو بینة من ربکم سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

اگر ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ اُس کو بینة من ربکم سے تعلق ہے تو بھی اُس سے کوئی نتیجہ سوائے اس کے نہیں نکلتا کہ حضرت صالح نے اُس اونٹنی کو جس طرح ایک نشانی بتایا تھا اُسی طرح اور اُسی مقصد سے اُس کو دلیل یا گواہ بھی کہا تھا۔ بینة کے لفظ سے اُس سانڈھنی کا معجزہ ہونا اور خلاف قانون قدرت یا مافوق الفطرت پیدا ہونا کس طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام قصہ حضرت صالح کا بیان کیا اور جو بات سب سے مقدم اور سب سے زیادہ عجیب تھی کہ پہاڑ کو فی الفور اونٹنی کا حمل رہا اور وہ مثل حاملہ کے پیٹ کے پھولنا شروع ہوا اور شق ہو گیا اور اونٹنی لمبی لمبائی ساٹھ گز چوڑی اور معلوم نہیں کس قدر لمبی سنڈ مسنڈ اُس میں سے پیدا ہوئی اور پیدا ہوتے ہی اپنی برابر کا بچہ جنا اور قدرتی مسئلہ المظروف اقصر من الظرف والجزء اقصر من الکل کو بھی باطل کر دیا۔ اُس کا بیان بالکل چھوڑ دیا۔ اور مفسرین کو اُس کا الہام کیا کیونکہ اُنھوں نے بغیر غور و فکر اور بغیر کسی معتبر سند کے اس قصہ کو لکھا ہے جو بغیر الہام کے اور کسی طرح لکھا نہیں جا سکتا تھا۔ افسوس ہے کہ ہمارے مفسروں نے ایسے ہی لغو بے معنی قصوں کو قرآن مجید کی تفسیروں میں داخل کر کے مسائل مستحکمہ اسلام کو مضحکہ اطفال بنایا ہے اور اُس کے نور عالم افروز کو لغویات کے گرد و غبار سے دھندلا کر دیا ہے۔ خدا اُن پر رحم کرے آمین ✣

جب کہ اُن لوگوں نے اُس سانڈھنی کو مار ڈالا اور کفر و بُت پرستی کو نہ چھوڑا تو حضرت صالح نے فرمایا کہ تم تین دن اور چین کر لو پھر تم پر خدا کا عذاب ضرور آویگا۔ اعداد جو ایسے مقام پر بیان ہوتے ہیں اُن سے وہی عدد مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک زمانہ مراد ہوتا ہے اس طرح کے کلام کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ چند روز تم اور چین کر لو پھر تم پر عذاب ہوگا بدکار انسان کی نسبت بھی کہا جاتا ہے کہ تین دن کا یا چند روز کا یہ عیش و آرام ہے اور اُس سے اُس کی تمام عمر مراد ہوتی ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کا حال معلوم ہوگا پس اسی طرح حضرت صالح نے فرمایا "تمتعوا

وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۸۸﴾	اور کہا اُن سرداروں نے جو کافر تھے اُسی کی قوم سے کہ اگر تم پیروی کرو گے شعیب کی تو بیشک اُس وقت تم ہو گے نقصان پانے والے ﴿۸۸﴾

ہے نہ شکل ہے نہ اُس کا وجود دکھائی دیتا ہے نہ کوئی اُس کے پاس جا کر اُسے دیکھ سکتا ہے صرف خیال ہی خیال میں وہ ہے اور خیال میں بھی بیچون و بیچگون مبرا حیز و مکان اور شکل و صورت و جہت و مثال سے تو ایک فطرتی بات تھی کہ ایک پشتینی بت پرست کہتے کہ اگر تم سچے ہو تو اُس کی نشانی لاؤ۔ جس کے ذریعہ سے وہ اُس ان دیکھے خدا کی پرستش کریں کیونکہ بغیر کسی ظاہری وجود کے اُن کے دل کو تسلی نہیں ہو سکتی تھی۔ اُنہوں نے ایک اونٹنی کو بطور سانڈ کے چھوڑ دیا کہ یہ خدا کی اونٹنی ہے اور تمہارے لئے خدا کی نشانی ہے اُس کو کسی قسم کی ایذا مت پہنچاؤ اور چرنے پھرنے دو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح پر جانوروں کے چھوڑنے کی قدیم رسم تھی عرب متعدد طرح پر سانڈ چھوڑتے تھے۔ اونٹنی جب پانچ بچے جن لیتی تھی تو اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے۔ اور جہاں وہ چرتی چرنے دیتے تھے اور پانی پینے سے نہ ہکانے تھے۔ بیماری سے اچھا ہونے یا سفر سے آنے پر یا دس برس خدمت لینے کے بعد اونٹ کو بتوں کے نام پر بطور سانڈ کے چھوڑتے تھے جو بحیرہ اور سائبہ اور حام کے نام سے مشہور ہیں حضرت صالح نے بھی اسی طرح اس اونٹنی کو چھوڑا صرف اتنا فرق کیا کہ کسی بت یا کسی مخلوق کے نام پر نہیں چھوڑا بلکہ خدا کے نام پر چھوڑا ۔

آیت کے لفظ کے معنی معجزہ کے نہیں ہیں اور اس لئے مصنف تفسیر کبیر کا یہ لکھنا۔ کہ "والعلم حاصل بانہا کانت معجزۃ بوجہ ما لا محالہ" صحیح نہیں ہے۔ آیت کے معنی نشانی کے ہیں۔ محمد بن ابی بکر الرازی نے لغات قرآن میں لکھا ہے کہ الآیۃ العلامۃ ومنہ قولہ تعالیٰ ان اٰیۃ ملکہ، وقولہ تعالیٰ، وجعلنا اللیل والنہار آیتین، ای علامتین "پس آیت کے لفظ سے یہ قرار دینا کہ وہ اونٹنی یا سانڈھنی ایک معجزہ تھی جو خلاف قانون قدرت یا ما فوق الفطرت پیدا ہوئی تھی قابل تسلیم نہیں ہے ۔

دوسرا لفظ ان آیتوں میں "بینۃ من ربکم" کا ہے۔ ان الفاظ کا جو قرآن مجید میں ہیں ترجمہ یہ ہے کہ "کہا (صالح) نے اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی خدا سوائے اُس کے۔ بیشک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے پروردگار سے ۔ یہ اونٹنی اللہ کی تمہارے لئے نشانی ہے" اگر یہ کہا جاوے کہ اونٹنی ہی وہ دلیل تھی تو الفاظ لکم آیۃ بیکار ہو جاتے ہیں کیونکہ اُس حالت میں صرف اتنا کہنا کافی تھا کہ قد جاءتکم بینۃ

قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّانَا اللّٰهُ مِنْهَا وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللّٰهُ رَبُّنَا وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ ﴿۸۷﴾	بیشک ہم نے جھوٹا افترا کیا ہوگا اللہ پر اگر ہم پھر آجاویں تمہارے دین میں بعد اس کے کہ نجات دی ہم کو اللہ نے اُس سے ۔ اور نہیں ہو سکتا کہ ہم پھر آجاویں اُس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ پروردگار ہمارا ۔ گھیر لیا ہے ہمارے پروردگار نے ہر چیز کو (اپنے) علم میں اللہ پر ہمارا توکل ہے ۔ اے ہمارے پروردگار فیصلہ کر دے ہم میں اور ہماری قوم میں ٹھیک اور تو بہت اچھا فیصلہ کرنیوالا ہے (۸۷)

اُس کے ہاتھ سے ہوگی اُنہوں نے یہ بات سُن کر جو لڑکا پیدا ہوا اُس کو مار ڈالا یہاں تک کہ نو لڑکوں کو مارا جب دسواں لڑکا پیدا ہوا کہا کہ بھئی اب تو ہم نہ مارینگے مگر بدبختی سے یہ وہی لڑکا تھا جس کے ہاتھ سے اُن کی موت ہونے والی تھی ✦

بہرحال وہ لڑکا بڑا ہوا جوان ہوا یاروں میں بیٹھنے لگا ایک دن وہ اپنے یاروں کی مجلس میں تھا اور سب نے شراب پینے کا ارادہ کیا اور شراب میں پانی ملانے کو پانی چاہا مگر وہ دن اونٹنی کے پانی پینے کا تھا وہ سب پانی پی گئی تھی ایک قطرہ شراب میں ملانے کو بھی نہیں چھوڑا تھا ✦

اُس جوان کو نہایت غصہ آیا وہ پہاڑ میں گیا اور اونٹنی کو بلایا جب آئی تو اُس کو ذبح کر ڈالا یا کونچیں کاٹ ڈالیں کہ وہ مر گئی ۔ پھر اُن پر تین دن میں عذاب آیا پہلے دن سب کے بدن سُرخ ہو گئے ۔ دوسرے دن زرد ہو گئے ۔ تیسرے دن کالے ہو گئے ۔ اس پر بھی نہ مرے ۔ تب بھونچال آیا اور اُس کے سبب سے مر گئے ۔ اس قصہ کا لغو اور مہمل ہونا خود اس قصہ سے ظاہر ہوتا ہے مفسرین نے بھی اس قصہ کو اگرچہ لکھا ہے مگر چنداں اعتبار نہیں کیا بعضوں نے "تو" روی " کر کر لکھا ہے کہ یہ لفظ خود قصہ کے ضعیف اور بے سند ہونے پر دلالت کرتا ہے صاحب تفسیر کبیر نے لکھا ہے کہ قرآن سے پایا جاتا ہے کہ اس اونٹنی میں کچھ نہ کچھ ایک نشانی تھی مگر یہ بات کہ وہ کیا نشانی تھی اور کس طرح پر تھی بیان نہیں ہوئی مگر اتنی بات معلوم ہے کہ وہ کسی نہ کسی وجہ سے معجزہ تھی ۔

اعلم ان القرآن قد دل على ان فيها آية فاما ذكر انها كانت آية من اى الوجوه فهو غير مذكور والعلم حاصل بانها كانت معجزة من وجه ما لا محالة ۔
(تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۶۱) ✦

مگر میں کہتا ہوں کہ جس وجہ سے صاحب تفسیر کبیر نے اُس کو معجزہ مافوق الفطرت قرار دیا ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے ✦

ثمود کی قوم نے بتوں کی پرستش اختیار کی تھی اور کئی نسلیں اُن کی بت پرستی میں گذر گئی تھیں ۔ جب حضرت صالح نے ایسے خدائے واحد کی پرستش کی ہدایت کی جس کی نہ کوئی صورت

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ
وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ
بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوْٓا
اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ وَانْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۴﴾
وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا
بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ
لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ
اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور مت گھات میں بیٹھو ہر رستہ میں کہ ڈراتے ہو اور بند کرتے ہو اللہ کے رستہ سے اُس کو جو اُس کے ساتھ ایمان لایا ہے اور چاہتے ہو اس میں کجروی۔ اور یاد کرو جب کہ تم تھوڑے تھے پھر زیادہ کر دیا تم کو اور دیکھو کیا ہوا انجام فساد کرنے والوں کا ﴿۸۴﴾ اور اگر ہے تم میں کوئی گروہ کہ ایمان لایا ہے اُس پر جس کے ساتھ میں بھیجا گیا ہوں اور کوئی گروہ کہ نہیں ایمان لایا تو صبر کرو یہاں تک کہ حکم کرے اللہ ہم میں اور وہ بہت اچھا حکم کرنے والا ہے ﴿۸۵﴾

وانا نی منہ رحمۃ فمن ینصرنی من اللہ ان عصیتہ فما تزیدوننی غیر تخسیر۔ ویا قوم ھذہ ناقۃ اللہ لکم آیۃ فذروھا تاکل فی ارض اللہ ولا تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب قریب فعقروھا فقال تمتعوا فی دارکم ثلثۃ ایام ذلک وعد غیر مکذوب فلما جاء امرنا نجینا صالحا والذین آمنوا معہ برحمۃ منا ومن خزی یومئذ ان ربک ھو القوی العزیز واخذ الذین ظلموا الصیحۃ فاصبحوا فی دیارھم جاثمین ۱۱ ھود - ۶۶ - ۷

قالوا انما انت من المسحرین ما انت الا بشر مثلنا فات بآیات ان کنت من الصادقین - قال ھذہ ناقۃ لھا شرب ولکم شرب یوم معلوم - و لا تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب یوم عظیم - فعقروھا فاصبحوا نادمین - فاخذھم العذاب ان فی ذلک لآیۃ وما کان اکثرھم مومنین -

(۲۶ - الشعراء ۱۵۳ - ۱۵۸)

واما ثمود فھدیناھم فاستحبوا العمی علی الھدیٰ فاخذتھم صاعقۃ العذاب الھون بما کانوا یکسبون -

(۴۱ - فصلت ۱۶)

انا مرسلوا الناقۃ فتنۃ لھم فارتقبھم واصطبر - ونبئھم ان الماء قسمۃ بینھم کل شرب محتضر - فنادوا صاحبھم فتعاطی فعقر - فکیف کان عذابی ونذر - انا ارسلنا علیھم صیحۃ واحدۃ فکانوا کھشیم المحتظر (۵۴ - سورۃ القمر - ۲۷ - ۳۱) -

زمین میں چرتی پھرے۔ پانی رہا پانی ایک دن اُس کو پی لینے دیا کرو اور ایک دن تم لے لیا کرو اور اُس کو کچھ بُرائی مت پہنچاؤ نہیں تو تم کو دکھ دینے والا عذاب پکڑ لیگا۔ وہ لوگ اونٹنی سے تنگ آ گئے اُنہوں نے اُس کو ذبح کر ڈالا یا اُس کی کونچیں کاٹ دیں کہ مر گئی۔ حضرت ہود نے کہا کہ تم تین دن اپنی جگہ میں چین کر لو عذاب آنے کا وعدہ نہیں ٹلنے کا اُس کے بعد اُن پر یہ خدا کا عذاب پڑا کہ بڑی گڑگڑاہٹ سے اور حد سے زیادہ بھونچال آیا اور وہ اپنے رہنے کی جگہ میں گھٹنوں کے بل گر کر مر گئے ؞

قرآن مجید میں تو یہ قصہ اسی قدر ہے مگر ہمارے مفسرین نے اس قصہ کو ایک تودہ طوفان بنا دیا ہے جس کے لئے کوئی معتبر سند بھی نہیں ہے۔ اُنہوں نے قرآن مجید کے ان لفظوں کو کہ ،، فأت بآیۃ ان کنت من الصادقین ،، اور ان لفظوں کو ،، قد جاءتکم بینۃ من ربکم ،، دیکھ کر یہ تصور کیا کہ وہ اونٹنی کسی عجیب و معجز طریقہ سے پیدا ہوئی ہوگی۔ کچھ عجیب نہیں کہ پہلے سے عرب میں اُس

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾

اور برسایا ہم نے اُن پر برسانا پھر دیکھ کیا ہوا انجام گنہگاروں کا ﴿۸۴﴾ اور (بھیجا ہم نے) مدین کے لوگوں کے پاس اُن کے بھائی شعیب کو اُس نے کہا کہ اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود بجز اس کے۔ بیشک آئی ہے تمہارے پاس دلیل تمہارے پروردگار سے پھر پورا کرو پیمانہ کو اور ترازو کو اور مت کم دو اُن لوگوں کو اُن کی چیزیں اور نہ فساد کرو زمین میں اس کی اصلاح ہو جانے کے بعد یہ ہے بہتر تمہارے لئے اگر تم ایمان والے ہو ﴿۸۵﴾

کو دیکھا تھا جو پہاڑ کو کھود کر بنائے تھے۔ افسوس ہے کہ سلاطین اسلامیہ نے اس طرح پر عرب کے قدیم حالات کی تحقیقات نہیں کی کچھ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جزیرہ عرب میں بہت سی ایسی چیزیں موجود ہونگی جن سے پرانے تاریخی حالات کی صحت پر بہت کچھ مدد مل سکتی ہے +

عاد اولے حضرت نوح سے پانچویں پشت میں تھا اور عاد اور ثمود دونوں آپس میں بھائی تھے قوم عاد کے برباد ہونے کے بعد قوم ثمود نے ترقی کی تھی جس کی نسبت خدا نے فرمایا، "واذکروا اذجعلکم خلفاء من بعد عاد" اور چونکہ قوم ثمود نے قوم عاد کے بعد ترقی کی تھی اسی سبب سے ثمود کو عاد ثانی کہتے ہیں جیسے کہ نوح کو آدم ثانی +

حضرت صالح قوم کی ہدایت کے لئے مبعوث ہوئے جو واقعات کہ اُن کے زمانہ نبوت میں گذرے اُن کا بیان مندرجہ حاشیہ آیتوں میں ہے اُن کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت صالح نے اُن لوگوں سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو خدا کی عبادت کرو تمہارے لئے اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ اُن لوگوں نے کہا کہ تم تو سحر زدہ ہو تم تو ہم ہی جیسے ایک آدمی ہو۔ اگر تم سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ۔ حضرت صالح نے کہا کہ تمہارے پاس ایک دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے آئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے اس کو چھوڑ دو کہ خدا کی

والی ثمود اخاھم صالحا قال یاقوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ قد جاءتکم بینۃ من ربکم ھذہ ناقۃ اللہ لکم اٰیۃ فذروھا تاکل فی ارض اللہ ولا تمسوھا بسوء فیاخذکم عذاب الیم۔ واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد عاد وبوأکم فی الارض تتخذون من سھولھا قصورا وتنحتون الجبال بیوتا فاذکروا اٰلاء اللہ ولا تعثوا فی الارض مفسدین فعقروا الناقۃ وعتوا عن امر ربھم واخذتھم الرجفۃ فاصبحوا فی دارھم جاثمین۔ (الاعراف)

قال یاقوم ارأیتم ان کنت علی بینۃ من ربی

وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۱﴾	اور نہ تھا اُن لوگوں کا جواب بجز اس کے کہ انہوں نے کہا نکالدو ان کو اپنی بستی سے بیشک وہ آدمی ہیں اپنے تئیں پاک بتانے والے ﴿۸۰﴾ پھر نجات دی ہم نے اُس کو اور اُس کے لوگوں کو بجز اُس کی عورت کے کہ وہ تھی پیچھے رہجانے والوں میں ﴿۸۱﴾

وغیر ذلك فانها کلها من الفطرة والمادة لیست بحث عن ذلك بالاصالة (تفہیمات) خواہ وہ شے موم ہو خواہ گارا فطرت مذہب کے لئے بمنزلہ مادہ کے ہے مثل موم اور گوندھی مٹی کے

پس تعجب نہ کرنا چاہیئے اختلاف احوال انبیا سے اور اُن کے اس اختلاف سے جو اُن امور سے متعلق ہیں جو بمنزلہ مادہ کے ہے پس اصل نبوت تہذیب نفس کی ہے اللہ تعالے کی عظمت کے اعتقاد سے اور اُس کی طرف متوجہ ہونے سے اور اُن امور کے کرنے سے جو اللہ تعالے کے عذاب سے دنیا اور آخرت میں بچاوے بُرائی کا بدلہ پہلے زمانہ میں اس پر موقوف نہ تھا کہ مرنے کے بعد اُٹھنے کو جانیں اور ؟ پچھلے زمانہ میں اس پر موقوف ہے کہ اللہ پر ایمان لاویں اور اُس کی صفات تعظیمیہ پر اور فرشتوں پر اور اُس کی کتابوں پر اور اُس کے سب رسولوں پر اور مرنے کے بعد اُٹھنے پر ایمان لاویں اور مسئلہ قدم عالم اور حدوث عالم اور مسئلہ تناسخ اور مسئلہ حرام ہونے ذبح جانور کا اور مسئلہ صفات کا جو کہ بدلتے رہتے ہیں اور صفات جو کہ حادث ہیں جیسے دیکھنا اور اُترنا اور دنیا ارادہ اور ایسے ہی اور صفات پس یہ مسئلہ فطرتی ہے اور بمنزلہ مادہ کے ہے ایسے مسائل سے اصلی طور پر نبی بحث کرتا ہے۔ یہ بیان شاہ ولی اللہ صاحب کا ہماری دلیل سے بالکل مطابق ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ ہماری دلیل کا ماخذ یہی بیان ہے جو نہایت عالی دماغی اور بلاخوف لومۃ لائم کے شاہ صاحب نے فرمایا ہے۔

قوم ثمود

ثمود جس کے نام سے قوم ثمود مشہور ہوئی جثر بن ارام بن سام بن نوح کا بیٹا ہے۔ اور عاد اولے اور ہود کا ہمعصر ہے حضرت صالح پیغمبر اُس کی چھٹی پشت میں ہیں اور اسی لئے زمانہ حضرت صالح کا اخیر انیسویں یا شروع بیسوی صدی دنیاوی میں اور قریباً سو برس پیشتر حضرت ابراہیم سے پایا جاتا ہے۔

قوم ثمود الحجر میں آباد تھی اور پہاڑ کو کھود کر اُس میں گھر بناتے تھے تقویم البلدان میں اسمٰعیل ابو الفدا نے ابن حوقل کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اُن پہاڑوں میں گیا تھا اور اُس نے اُن کا نا

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۸﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۷۹﴾

اور (بھیجا ہم نے) لوط کو جس وقت اُس نے کہا اپنی قوم کو کیا تم فحش کام کرتے ہو کہ اُس کو تم سے پہلے کسی ایک نے بھی جہانوں کے لوگوں میں سے نہیں کیا ﴿۷۸﴾ بیشک تم مردوں کے پاس آتے ہو شہوت رانی کو عورتوں کے سوا ہاں تم ایک قوم ہو حد سے گذری ہوئی ﴿۷۹﴾

کل قوم واقلیم لهم فطرة فطروا علیها امورهم کلها کاستقباح الذبح والقول بالقدم فطرة فطر الهنود علیها وجواز الذبح والقول بحدوث العالم فطرة فطر علیها بنو سام من العرب والفارس فانما یجیئ النبی یتامل فیما عندهم من الاعتقاد والعمل فما کان موافقا لتهذیب النفس یثبته لهم ویرشدهم الیه وماکان مخالف لتهذیب النفس فانه ینهاهم عنه وقد یحصل بعض الاختلاف من قبل اختلاف نزول الجود کما ذکرنا فی توجه المجوس الی القوی الفلکیة وتوجه الحنفاء الی الملاء الاعلی الاعیر وکما ذکرنا فی عموم بعثة النبی وخاتمته بخلاف سائر النبوة والنبوة سویه وتهذیبه وجعله کاحسن ما ینبغی سواء کان ذلك الشیئ سمعا وطبا والفطرة والملة بمنزلة المعاد کالشمع والطین ولا نعجب باختلاف احوال الانبیاء علیهم السلام و اختلاف امورهم عما یتعلق بالمادة فاصل النبوة تهذیب النفس باعتقاد تعظیم الله والتوجه الیه وکسب ما ینجی من عذاب الله فی الدنیا والاخرة و اما مجارات السنة ففی الدرة الاولی کان لا یتوقف علی معرفة البعث بعد الموت ولا الملئکة وفی الدرة الاخری توقف علی الایمان بالله بالصفات التعظیمیة والملائکة وکتبه ورسله والایمان بالبعث بعد الموت اما مسئلة قدم العالم وحدوثه ومسئلة التناسخ ومسئلة تحریم الذبح وحله ومسئلة الصفات الله التی من التجدد والتنقل والصفات الحادثة کالرویة والنزول والارادة المتجددة والبداء

ہوتی ہیں پھر وہ اُن چیزوں کی صورتوں کو دیکھتا ہے جس کو اس نے پیدا کیا ہے نہ اُس کے سوا اور کسی کو ویسے ہی ہر ایک قوم اور اقلیم کی ایک فطرت ہے جس پر اُس کی سب باتیں پیدا کی گئی ہیں۔ جیسے جانور کے ذبح کرنے کو بُرا جاننا اور عالم کو قدیم کہنا یہ ایک فطرت ہے کہ فطرت ہنود کی اس پر ہے اور ذبح جانور کو جائز ماننا اور عالم کو حادث کہنا فطرت ہے جس پر بنی سام یعنی عرب اور فارس مخلوق ہوئے ہیں نبی جو آیا کرتا ہے وہ اُن کے علوم اور اعتقادات اور اعمال میں تامل کیا کرتا ہے جو اُن میں سے موافق تہذیب نفس کے ہوتا ہے اسکو ثابت رکھتا ہے اور اُن کو وہی راہ چلاتا ہے اور جو کہ تہذیب نفس کے خلاف ہو اُس سے منع کرتا ہے اور کبھی کچھ اختلاف ہو جاتا ہے بوجہ اختلاف فیض الٰہی جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے بیچ معاملہ متوجہ ہونے مجوس کے قوائے فلکیہ کی جانب اور متوجہ ہونے حنفا کے ملاء اعلےٰ کی جانب اور جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے بعثت نبی کے عام ہونے اور خاتم النبیین کے بیان میں بخلاف اور نبیوں کے پس نبوت اُس فطرت کا درست اور آراستہ کرنا ہے اور اُس کو درست کرنا جس قدر اُس کا عمدہ تر ہونا ممکن ہے

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۷۹﴾	پھر پکڑا اُن کو زلزلہ نے پھر صبح کی اُنہوں نے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے (۷۸) پھر (صالح) اُن سے پھر گیا اور کہا اے میری قوم بیشک میں نے پہنچایا تمہارے پاس پیغام اپنے پروردگار کا اور خیر خواہی کی تمہارے لئے ولیکن تم دوست نہیں جانتے خیر خواہی کرنے والوں کو (۷۹)

اپنے گرد دیکھ کر کسی وجود قوی کا جس کو اُنہوں نے خدا تسلیم کیا خیال آیا ہے اُسی کے ساتھ ساتھ اُس کے خوش رکھنے کے لئے اُسی کی عبادت کا بھی خیال ہوا ہے اور اسی کے ساتھ یہ خیال بھی پیدا ہوا ہے کہ دنیا میں جو مصیبتیں آتی ہیں وہ اُس کی خفگی کے اور انسانوں کے افعال سے ناراض ہو جانے کے سبب آتی ہیں پس یہ خیال کہ تمام آفات ارضی وسماوی انسانوں کے گناہوں کے سبب سے ہوتی ہیں ایک ایسا خیال تھا جو تمام انسانوں کے دلوں میں بیٹھا ہوا تھا اور اس زمانہ میں بھی جاہل قوموں کے دلوں میں ویسی ہی مضبوطی سے جما ہوا ہے۔ یہ خیال خواہ وہ حقیقت اشیاء علی ماہی علیہ کے مطابق ہو یا نہ ہو ایک ایسا خیال ہے جو تہذیب نفس انسانی کا نہایت موید ہے اور بموجب اُس اصول فطرت کے جس کے تابع انبیاء علیہم السلام ہوتے ہیں اُن کو ضرور تھا کہ اس امر مسلمہ کو تسلیم کر کے لوگوں کو تہذیب نفس کی ہدایت کریں۔ پس قرآن مجید کے اس قسم کے بیانات کو جن میں حوادث ارضی وسماوی کو انسان کے گناہوں سے منسوب کیا ہے یہ سمجھنا کہ وہ ایک حقیقت اشیاء علی ماہی علیہ کا بیان ہے اُن سمجھنے والوں کی غلطی ہے نہ قرآن مجید کی +

یہ اصول جو میں نے بیان کیا ایک ایسا اصول ہے کہ اگر وہ ذہن میں رکھا جاوے تو بہت سے مقاماتِ قرآن مجید کی اصلی حقیقت منکشف ہوتی ہے مگر یہ اصول ایسا نہیں ہے جس کو میں نے ایجاد کیا ہو اور نبوت کو ماتحت فطرت قرار دیا ہو بلکہ ادر محققین علما کی بھی یہی رائے ہے جس کا بیان بہت مختصر طور پر "سنہ امام" کے بیان میں گذرا ہے مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے تفہیمات الٰہیہ میں اس اصول کو زیادہ تر وضاحت سے بیان کیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کچھ اس کی نسبت لکھا ہے اُس کا مطلب بالکل اُسی کے مطابق ہے جو میں نے بیان کیا گو کہ دونوں کے طرز ادا اور طریق تقریر اپنی اپنی طرز پر جداگانہ مذاق سے ہو +

شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "یہ بات جان لینی چاہیئے کہ نبوت فطرت کے ماتحت ہے جیسا کہ انسان کے کبھی دل میں بہت سے علوم اور باتیں جم کر بیٹھ جاتی ہیں اور اُنہی پر مبنی ہوتی ہیں وہ چیزیں جو اُس پر اُس کے رویا میں فائض

اعلم ان النبوة من جنس الفطرة کما ان الانسان قد یدخل فی صمیم قلبه وجذر نفسه علوم و ادراکات علیها تبنی ما یفاض علیه من رویا غیری الامور منسجمة بما احترته دون غیرها کذلک

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کٰفِرُوْنَ ﴿۷۴﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ کُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۷۵﴾

کہا اُن لوگوں نے جو تکبر کرتے تھے کہ بیشک ہم اس شخص کے جس کے ساتھ تم ایمان لائے ہو منکر ہیں ﴿۷۴﴾ پھر اُنہوں نے اُس اونٹنی کی کونچیں کاٹ ڈالیں اور نافرمانی کی اپنے پروردگار کے حکم کی اور کہا اے صالح لے آ ہمارے پاس جو دھمکی تو ہم کو دیتا ہے اگر تو ہے رسولوں میں سے ﴿۷۵﴾

خالی نہیں ہے ۔

اس قسم کے شبہے یا اشتباہ انسان کے دل میں پیدا ہوتے ہیں اور وہ شبہات بیشک اصلی ہوتے ہیں کیونکہ حوادث ارضی و سماوی حسب قانون قدرت واقع ہوتے ہیں اُن کو انسانوں کے گناہوں سے کچھ تعلق نہیں ہوتا اور نہ انسانوں کے گناہ اُن حوادث کے وقوع کا باعث ہوتے ہیں مگر ان شبہات کے پیدا ہونے کا منشاء یہ ہے کہ لوگ حقیقت نبوت اور اُس کی غایت کے سمجھنے میں پہلے غلطی کرتے ہیں اور پھر اُس غلطی کی بنا پر اُس شبہ کو قایم کرتے ہیں ۔ نبوت ہمیشہ فطرت کے تابع ہوتی ہے اُس کا مقصد حقایق اشیا کو علے ما ہی علیہ بیان کرنا نہیں ہوتا بلکہ اُس کی غایت تہذیب نفس ہوتی ہے پس جو امور کہ کسی قوم میں یا انسان کے خیال میں ایسے پائے جاتے ہیں جو موید تہذیب نفس کے ہیں گو کہ وہ مطابق حقایق اشیا علے ما ہی علیہ کے نہ ہوں تو انبیا اُن سے کچھ تعرض نہیں کرتے بلکہ وہ اُس کو بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ مطابق حقیقت اشیا علے ما ہی علیہ کے ہے یا نہیں بطور ایک امر مسلمہ مخاطب کے تسلیم کرکے لوگوں کو ہدایت کرتے ہیں اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک شخص بحث کرنے والا اپنے مخالف کے امر مسلمہ کو باوجود یکہ وہ اس کو صحیح نہ یا نتا ہو تسلیم کرکے مخالف ہی کے امر مسلمہ سے مخالف کو ساکت کرتا ہے پس ایسے مواقع پر یہ سمجھنا کہ جو کچھ انبیا نے تسلیم کیا یا اُس کو اپنے مقصد کے لئے کام میں لائے اُسی کے مطابق حقایق اشیا بھی ہیں یہ پہلی غلطی ہے اور یہی غلطی باعث اس قسم کے شبہات کے پیدا ہونے کی ہوتی ہے ۔ مثلاً لوگ یقین کرتے تھے کہ خدا نے چھ دن میں زمین و آسمان و تمام کائنات پیدا کی ہے ۔ اب ایک پیغمبر اس قوم کو نصیحت کرتا ہے کہ جس نے چھ دن میں زمین و آسمان پیدا کئے اُسی کی عبادت کرو پس اس بیان سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اُس پیغمبر کا بیان نسبت چھ دن میں آسمان و زمین کی پیدایش کے بطور بیان حقیقت اشیا ما ہی علیہ کے ہے سخت غلطی ہے کیونکہ اُس پیغمبر نے اُس قوم کے امر مسلمہ ہی کو تسلیم کرکے آسمان و زمین کے پیدا کرنے والے کے استحقاق عبادت کو ثابت کیا ہے ۔

انسان کی ابتدائی حالت کی فلاسفی پر غور کرنے سے جو وحشی قوموں کی حالت یا وحشی زمانے شروع ہوتے ہی ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح انسان کے دل میں اپنے سے زیادہ قوی و غیر دست اشیا

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۳﴾

کہا اُس قوم کے سرداروں میں سے اُن لوگوں نے جو تکبر کرتے تھے اُن کو جو اُن لوگوں میں سے ایمان لائے تھے جو کمزور سمجھے جاتے تھی کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے پروردگار کی طرف سے بھیجا گیا ہے اُن لوگوں نے کہا کہ بیشک ہم اُس پر جو اُس کے ساتھ بھیجا گیا ہے ایمان لاتے ہیں ﴿۷۳﴾

ھو ما تجہلون - فلما راوہ عارضا مستقبل ودیتہم قالوا ھذا عارض ممطرنا بل ھو ما استعجلتم بہ ریح فیہا عذاب الیم - تدمر کل شیء بامر ربہا فاصبحوا لا یری الا مساکنہم کذلک نجزی المجرمین - ۴۶ سورۃ احقاف ۲۱ لغایت ۲۴ ❊

وفی عاد اذ ارسلنا علیہم الریح العقیم - ما تذر من شیء اتت علیہ الا جعلتہ کالرمیم -

۵۱ سورۃ ذاریات ۴۱ - ۴۲

وانہ اھلک عادا الاولی - ۵۳ سورۃ النجم ۵۱ ❊

ارفکسد بن سام کی اولاد میں حضرت ہود تھے اور ارام بن سام کی اولاد میں عاد اور قوم عاد تھی اسی وجہ سے خدا نے حضرت ہود کو قوم عاد کا بھائی کہا حضرت ہود احقاف میں گئے جہاں قوم عاد بستی تھی اور بت پرستی کرتی تھی تین بُت تھے جن کو وہ پوجتے تھے حضرت ہود نے اُن کو بُت پرستی سے منع کیا اور کہا کہ سوا سے خدا کے اور کسی کی عبادت مت کرو مجھ کو خوف ہے تم پر کسی دن سخت عذاب آویگا - اُن لوگوں نے کہا کہ کیا تم اس لئے آئے ہو کہ ہمارے خداؤں سے ہم کو چھڑا دو اور جس عذاب سے تم ڈراتے ہو اُس کو لاؤ اگر تم سچے ہو حضرت ہود نے کہا اس کا علم تو خدا کو ہے میں تو خدا کا پیغام تم تک پہنچا دیتا ہوں - ایک دن اُنہوں نے دیکھا کہ اُن کے ریگستان کی طرف کچھ گھٹا سی چلی آتی ہے اُنہوں نے خیال کیا کہ بادل ہے جو خوب برسیگا مگر وہ نہایت سخت آندھی تھی جس نے سب چیز کو اُکھیڑ کر پھینک دیا ❊

یہ تو قصہ قوم عاد کے عذاب کا ہے مگر جو بحث کہ اس واقع پر اور مثل اس کے دیگر واقعات ارضی و سماوی پر ہو سکتی ہے جن کو قرآن مجید میں کسی قوم کی معصیت کے سبب سے اُس واقعہ کا بطور عذاب کے اُس قوم پر نازل ہونا ثابت ہوا ہے غور طلب ہے آندھی اور طوفان - پہاڑوں کی آتش فشانی اُن سے ملکوں کا اور قوموں کا برباد ہونا زمین کا دھنس جانا قحط کا پڑنا کسی قسم کے حشرات کا زمین میں یا پانی میں ہوا میں پیدا ہو جانا کسی قسم کے وباؤں کا آنا اور قوموں کا ہلاک ہونا سب امور طبعی ہیں جو اُن کے اسباب جمع ہو جانے پر موافق قانون قدرت کے واقع ہوتے رہتے ہیں انسانوں کے گنہگار ہونے یا نہ ہونے سے فی الواقع اُس کو کچھ تعلق نہیں ہے اگرچہ توریت میں اور دیگر صحف انبیا میں اس قسم کے ارضی و سماوی واقعات کا سبب انسانوں کے گناہ قرار دیتے ہیں جو مثل ایک پوشیدہ بھید کے سمجھ سے خارج ہے اُس سے ہم کو اس مقام پر بحث نہیں ہے مگر قرآن مجید میں بھی ایسے واقعات کو انسانوں کے گناہوں سے منسوب کرنا بلاشبہ تعجب سے

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾	اور یاد کرو جب کہ کیا تم کو جانشین عاد کی قوم کے بعد اور ٹھیرایا تم کو زمین میں تم بنا لیتے ہو اُس کے میدانوں میں محل اور پہاڑوں کو کھود کر گھر پس یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو اور مت پھرو زمین میں فساد کرتے ہوئے ﴿۷۴﴾

سے بلکہ دنیا کے بہت بڑے حصہ سے معدوم کیا اور خدا کی وحدانیت کے اصول کو ایسی وضاحت اور عمدگی سے بتا دیا جس سے امید ہے کہ اُن کے پیروؤں میں بت پرستی قایم ہونی ممتنعات عقلی سے ہے اور یہی ایک امر ہے جس کے سبب ابراہیم خلیل اللہ کے پوتے اور عبد اللہ کے بیٹے نے خاتم الانبیا ہونے کا تاج پہنا اور اس کے دین نے "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا" کا خطاب حاصل کیا وصلی اللہ تعالیٰ علی جدی محمد رسول اللہ وعلی آلہ وانا منہم اجمعین ✦

اب ہم کو اُس عذاب کا بیان کرنا باقی ہے جو قوم عاد پر نازل ہوا تھا اور جس کا ذکر اُن آیتوں میں آیا ہے جو حاشیہ پر مندرج ہیں[۵۱] وہ عذاب آندھی تھی جو اُس ریگستان کے رہنے والوں پر نازل ہوئی تھی آٹھ دن اور سات رات برابر آندھی چلتی رہی اور بخوبی یہ بات خیال میں آسکتی ہے کہ جب ایسی آندھی ریگستان کے ملک میں چلی جو گرم ملک تھا اور جس میں نہایت سخت لو کی بھی کیفیت ہوگی تو وہاں کے رہنے والوں کا کیا حال ہوا ہوگا بیشک اُن کی لاشیں ایسی ہی پڑی ہونگی کہ گویا درخت جڑ سے اُکھڑ کر گر پڑے ہیں جس کی تشبیہ خدا نے دی ہے " کانہم اعجاز نخل منقعر ۔ کانہم اعجاز نخل خاویہ " لو کی گرمی کے مارے اُن کے بدن بھگڑی ہو کر پک گئے ہونگے جیسے لو زدہ انسان کا بدن ہوجاتا ہے جس کی تشبیہ خدا نے اس طرح پر دی ہے کہ " ما تذر من شیء اتت علیہ الا جعلتہ کالرمیم ✦

[۵۱] فارسلنا علیہم ریحا صرصرا فی ایام نحسات لنذیقہم عذاب الخزی فی الحیوۃ الدنیا ولعذاب الاخرۃ اخزی وہم لا ینصرون ۔

۴۱ ۔ سورۃ فصلت ۔ ۱۵ ✦

کذبت عاد فکیف کان عذابی ونذر ۔ انا ارسلنا علیہم ریحا صرصرا فی یوم نحس مستمر ۔ تنزع الناس کانہم اعجاز نخل منقعر ۔

۵۴ سورۃ القمر ۱۸ و ۱۹ و ۲۰ ✦

واما عاد فاہلکوا بریح صرصر عاتیہ سخرہا علیہم سبع لیال وثمانیہ ایام حسوما فتری القوم فیہا صرعی کانہم اعجاز نخل خاویہ ۔

۶۹ سورۃ الحاقہ ۶ و ۷ ✦

فان اعرضوا فقل انذرتکم صاعقۃ مثل صاعقۃ عاد وثمود ۔ ۴۱ فصلت ۱۲ ✦

واذکر اخا عاد اذ انذر قومہ بالاحقاف وقد خلت النذر من بین یدیہ ومن خلفہ الا تعبدوا الا اللہ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم ۔ قالوا اجئتنا لتافکنا عن الہتنا فاتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین ۔ قال انما العلم عند اللہ ابلغکم ما ارسلت بہ ولکنی اراکم

یا اونٹنی اللہ کی تمہارے لئے نشانی ہے پھر اس کو چھوڑ دو کہ کھاوے اللہ کی زمین میں اس کو کوئی تکلیف مت پہنچاؤ پھر پکڑے گا تم کو عذاب دکھ دینے والا (۷۱)	هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (۷۱)

میں ہوگا یعنی چودہ سو برس بعد حضرت ابراہیم کے اور کتبہ میں عمک پر فتح پانی نہیں لکھی ہے بلکہ بنی عمک پر لکھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ عمک کی بھی کئی پشت کے بعد کا ہے ✤

نویری کے دوسرے کتبہ کو جس میں قحط کا ذکر ہے مسٹر فاسٹر پہلے کتبہ کا تتمہ سمجھتے ہیں تاکہ پہلے کتبہ کو بھی یعقوب و یوسف کے زمانہ کا قرار دیں۔ مگر وہ اصلی کتبہ دستیاب نہیں ہوا اور نہ یہ معلوم ہے کہ وہ کہاں تھا نہ یہ معلوم ہے کہ کس خط میں تھا پس کوئی دلیل نہیں ہے کہ نویری کے پہلے و دوسرے کتبہ کو ایک زمانہ کا قرار دیا جاوے ✤

کچھ عجب نہیں کہ یہ کتبے قوم حمیر کے ہوں جس میں سلاطین نامدار اور باوقار گذرے ہیں قحطان ابن عبر یا ابن ہود یمن میں آباد ہوا اُس کا بیٹا سبا تھا اور سبا کا بیٹا حمیر اُس کی اولاد میں بڑے بڑے بادشاہ گذرے ہیں اور اُسی کی اولاد کی سکونت حضرموت میں تھی جو اُس کے ایک بیٹے کے نام سے مشہور ہے پس یہ کتبے قوم حمیر کے ہو سکتے ہیں نہ قوم عاد کے۔ اس کی تائید اُس کتبہ سے ہوتی ہے جس کا ذکر ابن ہشام نے کیا ہے جو اطراف یمن کی ایک قبر میں سے نکلا ہے کیونکہ اُس کے شروع میں لکھا ہے ”باسمك اللهم اله حمیر“ اور یہ ایک ایسا ثبوت ہے جس سے قوم حمیر کے کتبہ ہونے سے انکار ہی نہیں ہو سکتا ✤

حصن غراب کے چھوٹے کتبہ میں بلاشبہ بنی عمک پر فتح پانے کا ذکر ہے عمک جو حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں سے تھا اور جن کا مسکن حجاز میں تھا معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی اولاد یعنی بنی عمک نے کسی زمانہ میں یمن پر یا حضرموت پر حملہ کیا ہوگا زمانہ کے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانہ میں ہوا جس زمانہ میں کہ بخت نصر نے مصر اور عرب پر حملے کئے تھے اُس حملہ میں بنی عمک کو شکست ہوئی ہوگی جس کا ذکر اس کتبہ میں ہے ✤

حصن غراب کے بڑے کتبہ سے جو اب بھی موجود ہے نہایت استحکام سے قرآن مجید کے اس تاریخی واقعہ کا ثبوت ہوتا ہے کہ خدا تعالے نے عرب میں ہود پیغمبر کو لوگوں کی ہدایت کے لئے مبعوث کیا تھا اور بعث و نشر کے عقاید انہوں نے تعلیم کئے تھے اور جو کہ قوم حمیر اور تمام بادشاہان یمن حضرت ہود کی اولاد میں تھے ان کے بادشاہوں نے اُن تمام عقاید کو جو حضرت ہود نے تعلیم کئے تھے اپنی کتابوں میں لکھے تھے جس پر وہ یقین کرتے تھے مگر افسوس ہے کہ اُن تمام عقاید کے ساتھ آخر کو اُن لوگوں میں بُت پرستی بھی پھیل گئی تھی جس کو محمد رسول اللہ نبی آخر الزمان نے تمام جزیرۂ عرب

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ	اور بھیجا ہم نے ثمود کی قوم کے پاس اُن کے بھائی صالح کو اُس نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود بجز اُس کے بیشک آئی ہے تمہارے لئے ایک دلیل تمہارے پروردگار کی طرف سے

میں قحط ہوا تھا ❊

ریورنڈ فاسٹر لکھتے ہیں کہ یوسف کی تاریخ سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں سمٰعیل کی اولاد مختلف فرقوں اور قوموں میں منقسم ہو کر پھیل گئی تھی۔ اور نویری کے جغرافیہ میں جو دوسرا کتبہ ہے اُس سے قحط کا حال معلوم ہوتا ہے جس میں وہ قوم تباہ ہوگئی۔ ان وجوہ سے وہ ان کتبوں کو یعقوب علیہ السلام کے زمانہ کا قرار دیتے ہیں ❊

جب کہ ریورنڈ فاسٹر نے یہ تسلیم کر لیا کہ یہ کتبے قوم عاد کے ہیں جس کا قرآن مجید میں ذکر ہے اور اُن کا زمانہ اُنہوں نے حضرت یعقوب کے زمانہ کے مطابق قرار دیا تو اب وہ قرآن مجید پر گویا دو اعتراض کرتے ہیں ایک یہ کہ قوم عاد کا نوح کی قوم کے بعد ہوتا جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ "اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح" صحیح نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ اپنے بادشاہوں کے قوانین پر عمل کرتے تھے اور حضرت ہود کا اُن لوگوں میں بجانا جیسا کہ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ "والی عاد اخاھم ھودا" ثابت نہیں ہوتا ❊

مگر یہ دونوں اعتراض جیسے عجیب ہیں ویسے غلط بھی ہیں۔ اول یہ کہ قوم عاد اولے جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ یمن یا حضرموت میں نہیں بستی تھی۔ یمن و حضرموت و حویلہ میں خود حضرت ہود کی اولاد بستی تھی اور حضرموت اور حویلہ اور سباجن کے نام سے اب تک وہ مقامات مشہور ہیں حضرت ہود کے پوتے تھے۔ اور قیطان ابن عیبر یعنی ہود وہاں جا کر بسے تھے پس اُنہوں نے جو ان کتبوں کو عاد کی قوم کے کتبے قرار دئے ہیں یہ محض غلطی ہے ❊

دوسرے یہ کہ جو زمانہ ان کتبوں کا ریورنڈ فاسٹر نے قرار دیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ ام سلمہ کی روایت جس کی بنا پر ریورنڈ فاسٹر نے عدنان کو حضرت اسمٰعیل کی چوتھی پشت میں قرار دیا ہے وہ روایت ہی غلط اور محض نامعتبر و بے سند ہے صحیح نسب نامہ کے بموجب جو برخیا کاتب وحی ارمیا نبی نے لکھا ہے (دیکھو خطبات احمدیہ) اُس کے مطابق عدنان باپ معد و عک کا اکتالیسویں پشت میں حضرت ابراہیم سے تھا حضرت ابراہیم بموجب حساب مندرجہ توریت کے ۲۰۰۸ سنہ دنیوی میں پیدا ہوئے تھے پس جو حساب نسلوں کے پیدا ہونے کا ہے اُس حساب سے عک قریباً ۳۲۴۰ سنہ دنیوی

فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۰﴾	پھر نجات دی ہم نے اُس کو اور جو اس کے ساتھ تھے ساتھ اپنی رحمت کے اور کاٹ دی ہم نے جڑ اُن لوگوں کی جنھوں نے جھٹلایا تھا ہماری نشانیوں کو اور وہ نہ تھے ایمان والے ﴿۷۰﴾

مغرور بہادر حمایتی ہمارے خاندانوں اور ہماری بیویوں کے لڑتے ہوئے دلیری سے گھوڑوں پر سوار جن کی لمبی گردنیں تھیں اور جو سمند راور لوہیا رنگ اور سبز رنگ تھے ✦

ہم اپنی تلواروں سے زخمی کرتے ہوئے اور چھید تے ہوئے اپنے دشمنوں کو یہاں تک کہ دھاوا کرکے ہم نے فتح کیا اور کچل ڈالا ان ذلیل آدمیوں کو ✦

ترجمہ اُس کتبہ کا جو اس کتبہ کے نیچے کھدا ہوا ہے

علیحدہ حصوں میں تقسیم کیا گیا اور لکھا گیا سیدھے ہاتھ سے اُلٹے ہاتھ کی طرف اور نقطہ لگے ہوئے یہ گیت فتح کا سرکش اور زرغانے عوص نے چھید ڈالا (یعنی زخمی کیا) اور تعقب کیا بنی عک کا اور اُن کے چہروں کو سیاہی سے بھر دیا ✦

ترجمہ چھوٹے کتبہ کا جو پہاڑی کی چوٹی پر ہے

دشمن کی سی نفرت سے گناہگار آدمیوں پر ✦

ہم نے حملہ کیا آگے کو دوڑا کر اپنے گھوڑوں کو اُن کو پاؤں کے نیچے روند ڈالا ✦

ترجمہ کتبہ کا جو نقب الحجر کے دروازہ پر ہے

رہتے تھے اس محل میں اب (ابو) محارب اور بحشہ جب کہ یہ ابتدا میں تیار ہوا رہتے تھے اُس میں خوشی سے فرزندانہ اطاعت کے ساتھ نواس اور ونیا حاکم علئے حرنحل مالک محل کا جس نے فیاضی سے بنایا کارواں سرائے اور کنواں ...... اُس نے نیز بنایا عبادت خانہ فوارہ اور تالاب اور بنایا زنانہ اپنے عہد میں ✦

ریورنڈ فاسٹر نے اس بڑے کتبہ کے نیچے جو کتبہ ہے اُس میں عک کا نام دیکھ کر اس کتبہ کا زمانہ قرار دینے پر توجہ کی اور کہا کہ عک بیٹا تھا عدنان کا اور مسلمانوں کی حدیث کے مطابق جو ام سلمہ سے منقول ہے عدنان حضرت اسمٰعیل کی چوتھی پشت میں تھا پس اس حساب سے کہ ایک پشت کا زمانہ تیس برس لگایا جائے تو عک یعقوب کی زندگی کے اُس زمانہ میں ہوگا جب کہ یوسف بھی موجود تھا اور قریب پچاس برس کے قبل اُس وقت کے جب کہ مصر اور اُس کے قرب وجوار کے ملکوں

قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ أَتُجَادِلُونَنِي فِي أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلْطَانٍ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ (۶۹)	(ہود نے) کہا بیشک تم پر پڑی ہے تمہارے پروردگار سے بُرائی اور غضب ۔ کیا تم مجھ سے جھگڑتے ہو ناموں میں کہ وہ نام رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپوں نے نہیں بھیجی اللہ نے اُس کے لئے کوئی دلیل ۔ پس منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہوں (۶۹)

جو کتبہ ہے وہ ترجمہ ہے حصن غراب کے بڑے کتبہ کا چنانچہ اصلی کتبہ کا ترجمہ انگریزی میں کیا گیا جس کا اردو ترجمہ ہم اس مقام پر لکھتے ہیں +

ترجمہ حصن غراب کے بڑے کتبہ کا

ہم رہتے تھے رہتے ہوئے مدت سے عیش و عشرت میں زمانہ میں اس وسیع محل کے ہماری حالت بری تھی مصیبت اور بدبختی سے بہتا تھا ہمارے تنگ راستہ میں +

سمندر زور سے لہراتا ہوا اور غصہ سے ٹکراتا ہوا ہمارے قلعہ سے ۔ ہمارے چشمے بہتے تھے گنگناتی ہوئی آواز سے گرتے تھے +

کھجور کے بلند درختوں سے اور جن کے رکھوالے کثرت سے بکھیرتے تھے خشک کھجور (یعنی اُن کی گٹھلیاں) ہماری گھاٹی کی کھیدی زمین میں وہ اپنے ہاتھ سے پھیلاتے تھے سوکھے چانول (یعنی بوتے تھے) +

ہم شکار کرتے تھے پہاڑی بکروں کو اور نیز خرگوش کے بچوں کو پہاڑیوں رسیوں اور سرکنڈوں سے بھگا کر بلاتے تھے جھگڑتی ہوئی مچھلیوں کو +

ہم چلتے تھے آہستہ مغرور چال سے پہنے ہوئے سوئی کے کام کئے ہوئے مختلف رنگ کے ریشمی کپڑے بالکل ریشم کے کاہی سبز رنگ کی چارخانہ دار پوشاک +

ہم پر حکومت کرتے تھے بادشاہ جو بہت دور تھے ذلت سے اور سخت سزا دینے والے تھے بدکار اور منکر آدمیوں کے اور اُنہوں نے لکھی ہمارے واسطے مطابق اصول ہود کے +

عمدہ فتوے ایک کتاب میں محفوظ رہنے کے لئے اور ہم یقین کرتے تھے معجزہ کے بھیدمیں مردوں کے بھید میں اور ناک کے سوراخ کے بھید میں +

ایک حملہ کیا لٹیروں نے اور ہم کو ایذا پہنچاتے ہم اور ہمارے فیاض نوجوان جمع ہو کے سوار ہو کر چلے معہ سخت اور تیز نوکدار برچھیوں کے آگے کو جھپٹتے ہوئے +

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۶۸﴾	تو ہمارے پاس لے آ جس سے تو ہم کو دھمکی دیتا ہے اگر تو ہے سچوں میں سے ﴿۶۸﴾

فحأت سنون مجدبات قواحل ۔ اذا مامضا علمراتی اخریقفو
فظلنا کان لمرتعن فی الخیر لمحۃ ۔ فماتوا ولما یونخف ولا طلف
کدالک من لمریشکر اللہ لمیزل ۔ معالمہ من بعد ساحتہ لعفو

سوم۔ کتبہ مندرجہ کتاب ابن ہشام

قال اس ھشام حفر السیل عن قبر بالیمن فیہ امراۃ فی عنقہا سبع مخانق من بروفی یدیہا ورجلیہا من الاسورۃ والخلاخیل والدمالیج سبعۃ سبعۃ وفی کل اصبع خاتم فیہ جوہرۃ مثمنۃ وعند راسہا تابوت مملوما لا ولوح فیہ مکتوب +

باسمک اللھم الہ حمیر

انا تاحۃ بنت ذی شفر بعثت ماریا الی یوسف

فابطا علینا فبعث لادنی ۔ بمد من ورق لتاتینی بمد من طحین
فلم تجدہ فبعثت بمد من دھب ۔ فلم تجدہ فبعثت بمد من بحری
فلم تجدہ فامرت بہ فطحن ۔ فلم انتفع بہ فاقفلت
فمن سمع بی فلیرحمنی ۔ وایۃ امراۃ لبست حلیا من حلیی

فلا ماتت الا مثلی

۱۸۳۴ء میں سرکار انگریزی نے یمن کی پیمایش کے لئے کچھ افسر بھیجے اُنہوں نے حضر موت میں جو سمندر کے کنارہ پر ہے ایک پہاڑ پر ایک قلعہ کے کھنڈرات معلوم کئے اور ان کھنڈرات میں پتھر پر کھدے ہوئے کتبے دیکھے تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ قلعہ حصن غراب کے نام سے مشہور ہے (طول بلد ۴۸ درجہ ۳۰ دقیقہ اور عرض بلد ۱۴ درجہ) وہاں ایک اونچی جگہ پر ایک کتبہ ملا پرانے حرفوں میں پتھر پر کھدا ہوا جو حرف کہ کوفی حرفوں سے بھی بہت پہلے کے ہیں۔ اور اُس سے کسی قدر نیچے ایک اَور کتبہ پایا اور ایک پہاڑی کی چوٹی پر ایک اور چھوٹا سا کتبہ ملا علاوہ اس کے حصن غراب سے بچاس میل کے فاصلہ پر اور کھنڈرات ملے نقب الحجر کے نام سے اور اس کے دروازہ پر ایک کتبہ ملا ان کتبوں کی بعینہ نقل کرلی گئی ۔

ان کتبوں کی تحقیقات ہوتی رہی جب وہ پڑھے گئے تو معلوم ہوا کہ نویری کے جغرافیہ میں

وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۱	اور چھوڑ دیں جو پوجا کرتے تھے ہمارے باپ

یعنی استادے ہوں جن پر خیمے کھڑے ہوتے ہیں اور عمد کی جمع عماد آتی ہے مگر اس رائے سے یہ الفاظ قرآن مجید کے کہ لم یخلق مثلھا فی البلاد مساعدت نہیں کرتے ۔ ریورنڈ فارسٹر نے ایک تاریخانہ جغرافیہ عرب کا لکھا ہے اور اُس میں نویری کے تاریخانہ جغرافیہ سے بعض حالات نقل کئے ہیں ۱۶۶۰ عیسوی اور ۱۶۷۰ عیسوی کے درمیان یعنی مطابق ۳۸ و ۸۰ ہجری کے معاویہ ابن ابی سفیان کے عہد حکومت میں عبدالرحمن یمن کا حاکم تھا اُس نے چند کتبے قدیم زمانہ کے یمن و حضرموت کے نواح کے کھنڈرات میں پائے تھے اور پڑھے گئے تھے اور لوگوں نے خیال کیا تھا کہ یہ کتبے قوم عاد کے زمانہ کے ہیں۔ اُن کا عربی ترجمہ نویری کے جغرافیہ میں مندرج ہے اُن میں سے چند کتبوں کے ترجموں کو اُس کتاب سے ہم اس مقام پر لکھتے ہیں ✦

ترجمہ کتبہ اوّل مندرجہ جغرافیہ نویری

عنسا دما مافی عراصہ دا القصر — نعش عد ضنك ولا نذر
بعبض علینا البحر بالمد زاخرا — فانھا رنا مبرعه بجس
خلال نخیل باسقات نواطرھا — نفق بالقسب المجرع والتمر
نصطاد صید البر بالخیل والقنا — وطورا نصید النون من لجح البحر
ونرفل فی الحر المرقم تارۃ — وفی القز احیانا وفی الحلل الخضر
یلینا ملوك سعد ون عن الخنا — شدید علی اھل الخنا نر والغدر
نقیم لنا من دین ھود شرایعا — ونؤمن بالآیات فی البعث والنشر
اذا ماعد وحل ارضنا یریدنا — برزنا جمیعا بالمثقفۃ السمر
نحامی علیٰ اولادنا ونسائنا — علی الشھب والکمیت المنیق والشقر
نقارع من یبغی علینا ویعتدی — باسیافنا حتی یولون بالدبر

دوم ـ ترجمہ کتبہ مندرجہ جغرافیہ نویری

غنینا بھذا القصر دھرا ولم یکن — لنا ھمۃ الا التلذذ والقطف
تروح علینا کل یوم ھنیدہ — من الابل یعشو و معاطنھا الطرف
واضعاف تلك الابل شاء کانھا — من الحسن آرام او البقر العطف
نعشنا بھذا القصر سبعہ احسب — باطیب عیش جل عن ذکرہ الوصف

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ	اُنہوں نے کہا کہ کیا تو ہمارے پاس آیا ہے تاکہ ہم عبادت کریں اللہ واحد کی

وکون بعضہم محبا للباقین ناصرالھم وزوال العداوۃ والخصومۃ من بینہم فانہ تعالیٰ لما خصہم بھذہ الانواع من الفضائل والمناقب دفقد ورھم حصولھا فصح ان یقال وزادکم فی الخلق بسطۃ۔ (تفسیر کبیر)

بعض عالموں نے ان لفظوں سے یہ مراد لی ہے کہ اُس قوم کے لوگ کثرت سے تھے اور آپس میں محبت رکھتے تھے اور ایک دوسرے کے مددگار ہوتے تھے اور اس ارتباط کے سبب سے گویا ایک جسم ہوگئے تھے نہ یہ کہ اُن کے قد بہت لمبے تھے اور وہ تمام دنیا کے لوگوں سے زیادہ چوڑے چکلے تھے +

سورۃ الفجر میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے "الم تر کیف فعل ربك بعاد ارم ذات العماد التی لم یخلق مثلھا فی البلاد +

اس آیت میں بھی اسی قوم عاد اولے کا تذکرہ ہے - ارم عاد کے دادا کا نام ہے جو کہ متعدد قومیں عاد کے نام سے مشہور تھیں جیسے کہ ہم نے اوپر بیان کیا اسی لئے خدا تعالیٰ نے ایک جگہ اس قوم کو عاد اولے کر کے بیان کیا اور اس جگہ اُس کے دادا کے نام سے پس ارم بیان ہے یا بدل ہے لفظ عاد سے یعنی ارم کی اولاد والاعاد ذات العماد سے بھی اسی طرح اُن کا قوی اور قد آور ہونا بتایا ہے جیسے کہ لفظ زادکم فی الخلق بسطۃ سے بتایا ہے لفظ لم یخلق مثلھا فی البلاد سے صاف پایا جاتا ہے کہ عماد سے اُن کے مخلوق قد مراد ہیں نہ کہ کسی مکان کے مصنوعی ستون۔ چنانچہ اکثر تفسیروں میں اور نیز تفسیر کبیر میں جیسا کہ حاشیہ پر منقول ہے اسی کے مطابق علما و مفسرین کے اقوال نقل کئے ہیں مگر اس کے سوا اور قول بھی ہیں جن میں غلطی سے ارم کو شہر کا نام سمجھا ہے اور ذات العماد سے عمارات رفیعہ مراد لی ہے اور یہ محض غلط ہے اس لئے کہ قوم عاد اولے ریگستان میں رہتی تھی اور اُن کی کوئی عالیشان عمارتیں نہ تھیں بعض عالموں نے غلطی پر یہ غلطی کی ہے کہ ارم کو باغ تصور کیا ہے اور لکھا ہے کہ عدن کے پاس شداد نے بنایا تھا مگر یہ محض ناواقفیت سے لکھا ہے شداد کے باپ کا نام بھی عاد ہے مگر وہ اُس زمانہ میں نہ تھا اور نہ اُس نے کوئی ایسا باغ جیسا کہ مفسر بیان کرتے ہیں بنایا تھا +

اما ارم فھو اسم لجد عاد وفی المراد منہ فی ھذہ الآیۃ اقوال احدھا ان المتقدمین من قبیلہ عاد کانوا یسمون بعاد الاولی فلذلك یسمون بارم تسمیۃ لھم باسم جدھم (تفسیر کبیر)

فی قولہ ارم وجھان وذلك لان ان جعلناہ اسم القبیلۃ کان قولہ ارم عطف بیان لعاد و ایذانا بانھم عاد الاولی القدیمۃ (تفسیر کبیر) +

بعض مفسرین کی یہ رائے ہے کہ قوم ارم خیموں میں رہتی تھی اور خیموں میں ضرور ہے کہ عماد

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾	تاکہ تم فلاح پاؤ ﴿٦٩﴾

(سورۃ النجم آیت ۵۱) ثمود جس کا ذکر آگے آویگا وہ عاد ثانی کہلاتا تھا اور ایک تیسرا عاد ہے جو عبد شمس یعنی سبا اکبر کی اولاد میں ہے اور جس کا بیٹا شداد ہے جو سنہ ۲۰۹۲ دنیوی میں پیدا ہوا تھا پہلی دونوں قومیں عاد کی حضرت ابراہیم سے پہلے تھیں اور تیسری قوم حضرت ابراہیم کے زمانہ میں ہمارے مفسروں نے علاوہ اُن لغو قصوں کے جو قوم عاد کی نسبت لکھے ہیں ایک اور غلطی یہ کی ہے کہ اِن تینوں قوموں کے واقعات کو گڈ مڈ کر دیا ہے ✦

قوم عاد اولے کا واقعی زمانہ بتلانا نہایت مشکل ہے مگر انگریزی مورخوں نے جو توریت میں بیان کئے ہوئے حساب کے زمانے قایم کئے ہیں اُسی حساب کی بنا پر ہم بیان کرتے ہیں کہ سام سنہ ۱۵۵۸ دنیوی میں پیدا ہوا تھا اور ارفکسد جو ارام کا بھائی ہے سنہ ۱۶۵۸ دنیوی میں یعنی سو برس بعد میں یہی زمانہ قریبًا ارام کی پیدایش کا خیال ہو سکتا ہے اور عاد دو پشت بعد ارام سے ہے پس اگر ساٹھ برس دو پشت کے لئے ہم اضافہ کریں تو ظاہر ہوتا ہے کہ عاد سنہ ۱۷۸۱ دنیوی یعنی اٹھارھویں صدی دنیوی میں ہوا تھا ✦

ہود جن کا نام توریت میں عبیر لکھا ہے وہ بھی اولاد سام بن نوح سے ہیں عیبر کی پیدایش توریت کے حساب سے سنہ ۱۷۲۳ دنیوی کی ہے اور اس سے ثابت ہے کہ عاد اور ہود ایک ہی زمانہ میں تھے۔ اسی صدی میں نمرود نے بابل یا سریا میں بادشاہت قایم کی تھی اور حام پدر مصریم نے مصر میں اور عاد بن عوص نے الاحقاف میں اور عبیر یعنی ہود کے بیٹے یقطان نے یمن اور اُس کے اطراف میں۔ حضر موت یقطان کا ایک بیٹا تھا جس کے نام سے یمن کے قریب کا وہ ملک جو اڈین اوشن یا بحر عرب کے کنارہ پر ہے مشہور ہے ✦

یہ قوم عاد اولے کی نہایت قوی اور قدآور تھی جیسے کہ اب بھی بعض ملکوں کے لوگ قوی اور قدآور ہوتے ہیں یہی بات خدا تعالے نے اس قوم کی نسبت فرمائی ہے ،، وزادکم فی الخلق بصطۃ " (سورۃ اعراف ۶۷) اُن کے قد معمولی قد آور آدمیوں سے زیادہ نہ تھے۔ تفسیروں میں جو یہ بات لکھی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا آدمی اُن میں کا ساٹھ ذراع کا لنبا تھا اور اوسط آدمی سو ذراع کا لنبا تھا اور لنبے سے لنبا چارسو ذراع کا محض غلط ہے نہ قرآن مجید سے یہ بات ثابت ہے نہ اَور کسی سند سے۔ قدیم علما نے بھی اس سے انکار کیا ہے تفسیر کبیر میں لکھا ہے ،، منہم من حمل ھذا اللفظ علی الزیادۃ فی الطول وذلک لان القوی متفاوتۃ بعضہا اعظم وبعضہا اضعف " یعنی

وقال قوم یحتمل ان یکون المراد من قولہ وزادکم فی الخلق بصطۃ کونہم من قبیلۃ واحدۃ متشارکین فی القوۃ والشدۃ والجلادۃ	بعض عالموں نے ،، وزادکم فی الخلق بصطۃ " سے اُن کا زیادہ قوی ہونا مراد لیا ہے نہ لنبا اور بڑا

فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ	پھر یاد کرو اللہ کی نعمتوں کو

عاد اور ثمود کی نسبت کچھ لکھنے سے پہلے مندرجہ ذیل شجرہ انساب لکھنا مناسب ہے
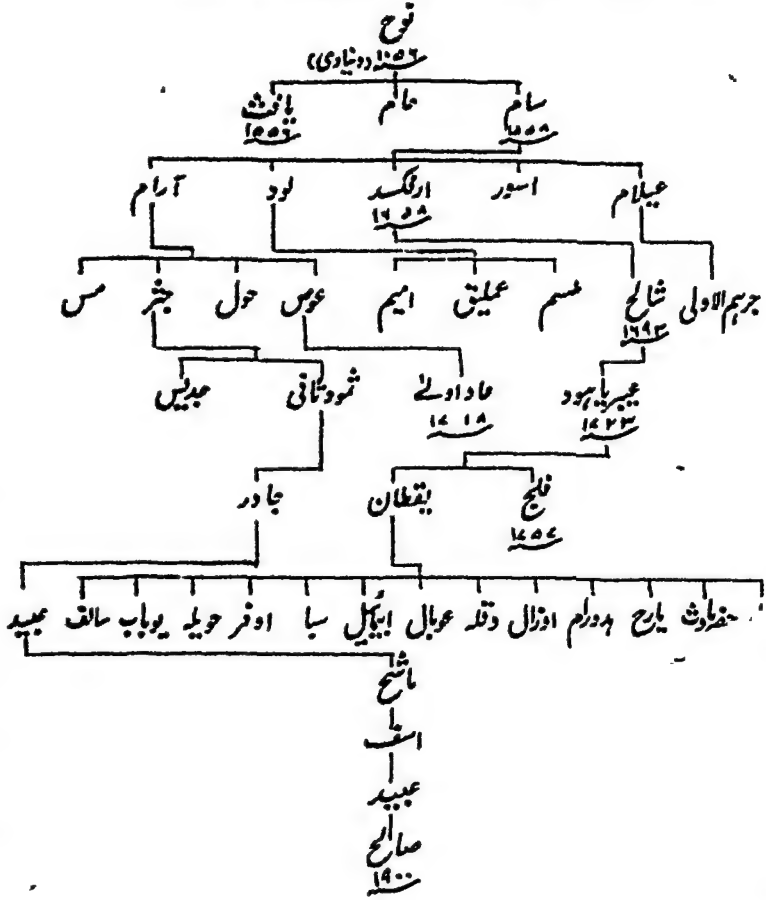
قوم عاد اولےٰ

عاد اولاد سام بن نوح سے ہے ۔ سام کا بیٹا آرام اور اُس کا بیٹا عوص اور اُس کا بیٹا عاد ۔ معالم التنزیل میں لکھا ہے وھو عاد بن عوص بن ارام بن سام وھم عاد الاولیٰ ۔ قوم عاد کی آبادی عربیا ڈرزتا یعنی عرب کے ریتلے میدان میں تھی اور الاحقاف کہلاتی تھی معالم التنزیل میں لکھا ہے ۔ کانت منازل قوم عاد بالاحقاف وھی رمال بین عمان وحضرموت ۔ عرب کے نقشہ میں جو ریگستان پچاس درجہ طول اور بیس درجہ عرض پر واقع ہے وہ جگہ الاحقاف ہے جہاں قوم عاد آباد تھی ✦ یہ قوم عاد اولےٰ کہلاتی ہے جس کی نسبت قرآن مجید میں کہا گیا ہے ،، وانہ اھلک عاد الاولیٰ

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً	اور زیادہ قوی ہیکل کیا تم کو پیدایش میں

خدا تعالٰے کی نشانیوں " (یعنی احکام) میں کوئی جھگڑا نہیں کرتا بجز کافروں کے پھر اُن کا شہروں میں پڑے پھرنا یعنی اُن کی خوشحالی تجھ کو دھوکے میں نڈالے ✦ ✦ ✦ ہر ایک امت نے اپنے رسول کے پکڑنے و مار ڈالنے کا قصد کیا ہے ✦ ✦ ✦ اور اُن لوگوں کی نسبت جو کافر ہیں خدا کا حکم ہو چکا ہے کہ وہ دوزخ میں جانے والے ہیں ✦

اس کے بعد خدا نے فرمایا " الذین یحملون العرش " کفار کے مقابلہ میں ایمان والے تھے پس صاف ظاہر ہے کہ " الذین " سے اہل ایمان انسان مراد ہیں نہ فرشتے ۔ عرش کے معنی سلطنت کے ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں پس آیت کے معنی صاف ظاہر ہیں کہ " جو لوگ خدا کی سلطنت کو اُٹھائے ہوئے ہیں یعنی وہ جو " انعمت علیہم " میں داخل ہیں اور جو اُس کے قریب ہیں یعنی صلحا و خیار اُمت پاکیزگی سے اللہ کی تعریف کرتے ہیں اور اُس پر ایمان لاتے ہیں اور معافی چاہتے ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں " الٰی آخرہ ۔ اس کے بعد پھر کافروں کا ذکر کیا ہے پس قرآن مجید میں تو اس مقام پر فرشتوں کا پتہ بھی نہیں اور نہ الذین کے وہ مشار الیہ ہیں ✦

سورہ ہود میں جو آیت ہے جس میں چھ دن میں آسمان و زمین کے پیدا کرنے کے ساتھ یہ بھی آیا ہے کہ " وکان عرشہ علی الماء " کچھ زیادہ بحث طلب نہیں ہے ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ ستۃ ایام میں آسمان و زمین کا پیدا کرنا اخبار عن الخلقت نہیں ہے نہ کلام مقصود بلکہ نقلاً اعتقاد یہود کا بیان ہے ۔ یہود کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ خدا کی روح پانی پر چھائی ہوئی تھی چنانچہ توریت میں آیا ہے ✦

וְרוּחַ אֱלֹהִים מְרַחֶפֶת עַל־פְּנֵי הַמָּיִם

یعنی خدا کی روح چھائی ہوئی تھی پانیوں کے منہ کے اوپر ۔ " مرحفت " کے ٹھیک معنی مرغی کے انڈے سینے کے ہیں یعنی جس طرح مرغی تمام انڈوں کو پروں کے اندر لیکر اور اُن کو گھیر کر بیٹھ جاتی ہے اُسی طرح خدا کی روح پانیوں پر تھی اس آیت میں اُسی اعتقاد یہود کی نقل ہے روح کی جگہ خدا کا عرش یعنی خدا کی سلطنت یا غلبہ بیان ہوا ہے پس کوئی لفظ اس آیت کا عرش کے وجود خارجی ہونے کا مثبت نہیں ہے ✦

مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ	قوم نوح کے بعد

جیسے کہ ثمانیہ الاف ما ثمانیہ الاف الاف الی غیر النہایہ من المخلوقات الغیر المحصور۔ پس اس آیت سے عرش کا وجود فی الخارج ثابت نہیں ہوتا بلکہ صرف اس قدر پایا جاتا ہے کہ بعد فنا ہونے اس تمام موجودات کے بھی خدا کی بادشاہت بدستور قایم رہیگی +

تفسیر کشاف میں جو قول حسن بصری اور ضحاک کا نقل کیا ہے اُس سے بھی ٹھیک ٹھیک ہی مراد معلوم ہوتی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ۔ حسن بصری سے مروی ہے

وعن الحسن الله اعلم کم ھم اثمانیۃ ام ثمانیۃ الاف وعن الضحاک ثمانیہ صفوف لا یعلم عددھم الا الله ویجوزان یکون ثمانیۃ من الروح اومن خلق آخر ھو القادر علی کل خلق سبحان الذی خلق الازواج کلھا مما تنبت الارض ومن انفسھم ومما لا یعلمون۔

(تفسیر کشاف صفحہ ۱۵۲۲)

کہ اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ کتنے ہیں آٹھ ہیں یا آٹھ ہزار ہیں اور ضحاک سے مروی ہے کہ آٹھ صفیں ہیں اور یہ کہ اُن میں کتنے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا اور جائز ہے کہ مراد ہو آٹھ روحیں یا اور مخلوق خدا کی پس اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے سب کی پیدایش پر پاک ہے اللہ جس نے پیدا کیا ہے سب جوڑوں کو جن کو اُگاتی ہے زمین اور جو خود اُن کے ہیں اور جن کو وے نہیں جانتے +

سورہ مومن میں جو آیت ہے وہ نہایت غور طلب ہے اُس کے شروع میں ہے "الذین یحملون العرش" پس بحث یہ ہے کہ الذین کا اشارہ کس کی طرف ہے۔ تمام مفسرین کہتے ہیں کہ "الذین" کا اشارہ فرشتوں کی طرف ہے۔ صاحب تفسیر کبیر اُس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ، اس آیت سے پہلے خدا تعالیٰ نے ایمان والوں کے ساتھ کفار کی عداوت کا حال بیان کیا ہے اُس کے بعد بطور تسلی کے کہا کہ اشرف طبقات مخلوقات فرشتے ہیں اور خصوصاً حملۃ العرش وہ ایمان والوں سے نہایت محبت رکھتے ہیں پس ان کمینہ لوگوں کی عداوت پر کچھ التفات کرنا نہیں چاہیئے +

مگر تعجب یہ ہے کہ کفار دنیا میں ایمان والوں کے ساتھ عداوت کرتے تھے اور ایذا پہنچاتے تھے اگر اُس کے مقابل کوئی ایسی چیز بیان کی جاتی جو اُس دنیاوی ایذا میں مساعدت کر سکتی تو البتہ ایک تسلی کی بات تھی مگر اُس دنیاوی تکلیف کے مقابلہ میں یہ کہنا کہ فرشتے ہمارے گناہوں کی معافی چاہ رہے ہیں کس طرح پر تسلی دے سکتا ہے علاوہ اس کے اُس مقام پر فرشتوں کا کچھ ذکر نہیں آیا ہے اور جب کہ عرش سے سلطنت مراد لیجاوے نہ ایک شئے مجسم موجود فی الخارج تو کوئی قرینہ بھی نہیں جس سے "الذین" کا اشارہ فرشتوں کی طرف سمجھا جاوے +

قرآن مجید کا مطلب نہایت صاف ہے اس سے پہلی آیتوں میں خدا نے فرمایا ہے کہ

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ	کیا تم نے تعجب کیا کہ آوے تمہارے پاس نصیحت تمہارے پروردگار سے ایک شخص پر تم میں سے تاکہ تم کو ڈراوے۔ اور یاد کرو جب تم کو کیا جانشین

تعجب ہوتا ہے اُن علما سے کہ خدا کا تخت پر بیٹھنا تو محال و ممتنع قرار دیتے ہیں اور پھر تخت کو اور اُس کے سامان جلوس کو حقیقی اور واقعی سمجھتے ہیں +

سورہ الحاقہ کی جو آیت ہے اُس سے پہلی آیتوں میں خدا تعالے نے قیامت کا اور تمام دنیا کے برباد ہو جانے کا اس طرح پر ذکر کیا ہے کہ۔ صور پھونکی جاویگی اور زمین اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاوینگے اور آسمان کے پرخچے اُڑ جاوینگے اور فرشتے اُس کے کناروں پر ہٹ جاوینگے۔ یہ سنکر انسان کے خیال میں آتا ہے کہ جب سب چیز برباد ہو جاویگی تو خدا کی بادشاہت کس پر ہوگی کیا خدا کی بادشاہت ہی ختم ہو جاویگی؟ اس شبہ کے رفع کرنے کو خدا نے اُسی کے ساتھ فرمادیا کہ " ویحمل عرش ربك فوقهم یومئذ ثمانیہ " یعنی جب کہ سب کچھ برباد ہو جاویگا اُس دن بھی تیرے پروردگار کی بادشاہت بے انتہا چیزوں پر جو اُس کی مخلوق ہیں اُسی طرح پر قایم رہیگی +

" حمل " کے معنی اُٹھانے کے ہیں مگر اس کا استعمال شے مادی موجود فی الخارج کی نسبت بھی ہوتا ہے اور شے عقلی غیر مادی غیر موجود فی الخارج پر بھی ہوتا ہے۔ جیسے کہ خدا تعالے نے توریت کے عالموں کی نسبت فرمایا ہے " الذین حملوا التوراۃ ثم لم یحملوھا "، اور جیسے کہ حافظان قرآن کو حاملان قرآن یا قاضیوں اور مفتیوں کو حاملان شریعت اور گنہگاروں کی نسبت گناہوں کا اُٹھانا " حملنا اوزارا " کہا جاتا ہے۔ پس حمل کے لفظ سے اُسی چیز کا اُٹھانا مراد نہیں ہوتا جو موجود فی الخارج ہو +

جبکہ کسی کو کسی شے کا حامل کہتے ہیں اُس سے اُس کا ظہور لازمی تصوّر کیا جاتا ہے حاملان تورات اسی لئے کہتے تھے کہ اُن سے احکام تورات ظاہر اور معلوم ہوتے تھے اور حاملان شریعت سے احکام شریعت پس جس شے سے جو چیز ظاہر ہو اُس کو اُس کا حامل کہتے ہیں۔ خدا کی مخلوق سے جو خدا کی سلطنت و بادشاہت ظاہر ہوتی ہے اُن پر حاملان عرش کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ پس خدا فرماتا ہے کہ جب یہ سب چیزیں جو تم دیکھتے ہو برباد ہو جاوینگی تب بھی خدا کی بادشاہت اُس کی اور بے انتہا مخلوقات اُٹھائے ہوئے ہوگی +

ثمانیہ کا لفظ صرف فصاحت کلام کے لئے آیا ہے اس سے کوئی عدد خاص مقصود نہیں ہے، اور اس میں بہت بڑی بلاغت یہ ہے کہ اُس کے دو رکن لے یعنی اُس کے مضاف الیہ اور مضاف الیہ کے مضاف الیہ کے بیان کے محذوف کرنے سے عدد غیر متناہی اور اجناس غیر محصور کا اظہار ہوتا ہے۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾	پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے پروردگار کے اور بیشک میں تمہارے لئے خیرخواہ ہوں امانت دار ﴿۶۸﴾

بولاگیا ہے اور درحقیقت ایسا ہی ہے تو جس طرح ایسے موقع پر انسان کے کلام کے معنی و مراد قرار دئیے جاتے ہیں اُسی طرح قرآن مجید کے الفاظ کے بھی معنی و مراد قرار دئیے جاوینگے ۔ اس طرح معنی قرار دینے کو تاویل کہنا ہی غلطی ہے کیونکہ درحقیقت اُس میں کچھ تاویل نہیں ہے بلکہ ہم کو یقین ہے کہ قایل نے اسی مراد سے وہ الفاظ استعمال کئے ہیں ؛

اب میں کہتا ہوں کہ سورہ زمر میں صرف یہی دو لفظ نہیں ہیں جو مجازاً استعمال کئے گئے ہیں بلکہ اور بھی بہت سے ہیں مثلاً نفخ صور کہ وہ صرف استعارہ ہے وقت معین کے آجانے سے ۔ "مقالید السموات والارض" کا استعمال مجازاً ہوا ہے اخیر سورہ کا تمام مضمون بطور خطابیات کے زبان حال اہل دوزخ و اہل بہشت سے بیان کیا گیا ہے جیسے کہ سورہ فصلت میں زمین و آسمان کی زبان حال سے بیان ہوا ہے جہاں فرمایا ہے ۔ " ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین " دوزخ و بہشت میں دروازوں کا ہونا اور دوزخیوں اور بہشتیوں کے لئے اُن کا کھولا جانا دوزخ پر چوکیداروں کا ہونا اور دوزخ میں جانے والوں کو طعنہ دینا بہشت پر دربانوں کا ہونا اور بہشت میں جانے والوں کو مبارکباد دینا یہ سب بطور تمثیل کے بیان ہوا ہے خدا تعالیٰ ہمیشہ معاد کے معاملات کو دنیاوی حالات کی تمثیل سے بیان کرتا ہے اور اس تمثیل سے وہ چیزیں بجنسہ مقصود نہیں ہوتیں بلکہ صرف ماحصل اُس کا مقصود ہوتا ہے ۔ دوزخ کو دنیا کے جیلخانوں کی مانند سمجھنا جس پر چوکیدار اس غرض سے متعین ہوتے ہیں کہ قیدی بھاگ نہ جاویں یا بہشت کو دنیا کے باغوں کی مانند سمجھنا جس پر دربان اس غرض سے ہوتے ہیں کہ کوئی غیر اُس میں نہ چلا جاوے اُس کے پھل نہ توڑلے خدا کی قدرت اور عظمت اور حکمت پر بٹہ لگانا ہے جو اُس کی شان کے شایاں نہیں اور یہی دلیل اس بات کی ہے کہ ان الفاظ سے اُن کے ظاہری معنی مراد نہیں ؛

اسی طرح سورہ زمر کی اس آیت میں کہ " تو فرشتوں کو عرش کے گرد کھڑے ہوئے دیکھیگا پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں ساتھ تعریف کے اپنے رب کو " جو کہ دنیا میں بادشاہوں کا طریقہ اپنی عظمت و جلال دکھلانے کا یہی ہے کہ تخت پر بیٹھتے ہیں تخت کے چاروں طرف اہالی موالی کھڑے ہیں بادشاہ کا ادب بجالا رہے ہیں اُس کی تعریف کر رہے ہیں اُسی کی تمثیل میں خدا نے بندوں کو سمجھانے کے لئے اپنے جلال و عظمت کو بتایا ہے ۔ اس سے یہ مقصد نہیں نکالا جا سکتا کہ درحقیقت وہاں کوئی تخت ہوگا اور درحقیقت وہاں کوئی مجسم فرشتے بطور اہالی موالی کے اُس کے گرد کھڑے ہونگے اور خدا کی تعریفیں جو تخت پر بیٹھا ہوگا قصیدے پڑھ رہے ہونگے نہایت

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

(ہود نے) کہا کہ اے میری قوم میرے ساتھ بیوقوفی نہیں ہے ولیکن میں رسول ہوں پروردگار عالموں کی طرف سے ﴿۶۵﴾

فاین کلام الذی یزعم انہ علمہ وان العلم الذی لم یعرفہ غیرہ مع انہ وقع فی التاویلات العسیرۃ والکلمات الرکیکۃ فان قالوا المراد بہ لما دل الدلیل علی انہ لیس المراد من لفظ القبضۃ والیمین ھذہ الاعضاء وجب علینا ان نکتفی بھذا القدر ولا نشتغل بتعیین المراد بل نفوض علمہ الی اللہ تعالی فنقول ھذا ھو طریق الموحدین الذین یقولون انا نعلم انہ لیس مراد اللہ من ھذہ الالفاظ ھذہ الاعضاء فاما تعیین المراد فانا نفوض ذلک العلم الی اللہ تعالی وھذا ھو طریق السلف المعرضین عن التاویلات فثبت ان ھذہ التاویلات التی اتی بہا ھذا الرجل لیس تحتہا شیء من الفائدۃ ۔
(تفسیر کبیر)

مراد ہوں اور معنی حقیقی سے بغیر کسی جدا گانہ دلیل کے پھرنا نہیں چاہیئے پس یہ وہی طریقہ ہے جس پر سب پہلے علما نے اتفاق کیا ہے پس کہاں ہے وہ علم جس کو وہ خاص اپنا علم بیان کرتا ہے اور کہاں ہے وہ علم جس کو دوسرا نہیں جانتا ہے باوصف اس کے یہ بھی خود بہت تنگ تاویلات میں پھنسا ہے اور بہت رکیک کلمات کہے ہیں اگر یوں کہیں کہ مراد یہ ہے کہ جب دلیل سے ثابت ہو گیا کہ لفظ قبضہ اور یمین سے یہی اعضا مراد نہیں ہیں تو ہم پر واجب ہے کہ ہم اسی پر کفایت کریں اور جو کچھ مراد ہے اس کے معین کرنے میں نہ مشغول ہوں بلکہ اس کے علم کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں پس ہم کہتے ہیں کہ یہی ہے طریقہ موحدین کا جو یہ کہتے ہیں کہ نہیں ہے مراد اللہ تعالیٰ کی ان الفاظ سے یہ اعضا خاص لیکن اللہ کی مراد کو معین کرنا پس ہم اس کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں یہی ہے طریقہ علمائے سلف کا جو کہ تاویلات سے الگ رہے ہیں پس ثابت ہوا کہ تاویلات جن کو یہ شخص لایا ہے ان میں کچھ فائدہ نہیں ہے ✣

صاحب تفسیر کبیر کا اس قدر ناراض ہونا بے فائدہ ہے کیونکہ ہر شخص جو ظاہر لفظ کو چھوڑ کر مجاز کی طرف لیجاتا ہے اس کے نزدیک دلیل قاطع اس بات کی ہوتی ہے کہ اس مقام پر اس لفظ سے حقیقت مراد نہیں ہے باقی رہی یہ بات کہ اتنے ہی پر اکتفا کیا جاوے اور اس کی تاویل و مراد کو خدا کے علم پر چھوڑ دیا جاوے ایک ایسی بے معنی بات ہے جس سے قرآن مجید کی صدہا آیات کا نازل ہونا لغو اور بیکار ہو جاتا ہے نعوذ باللہ منہا اور صرف لغو و بیکار ہی نہیں ہونا بلکہ ایسا کرنا نعوذ باللہ قرآن مجید کو مضحکہ بنانا ہے۔ ہم قرآن مجید میں پڑھتے ہیں ید اللہ ۔ وجہ اللہ ۔ قبضہ ۔ یمنہ اور کہتے ہیں کہ ان لفظوں سے ۔ خدا کا ہاتھ ۔ خدا کا منہ ۔ خدا کی مٹھی ۔ خدا کا داہنا ہاتھ مراد نہیں ہے ۔ جب پوچھتے ہیں کہ اور کیا مراد ہے تو کہا جاتا ہے کہ خدا ہی کو معلوم ہے ۔ ارے میاں اگر یہی مقصود تھا کہ خدا ہی کو معلوم رہے تو ان الفاظ کا نازل کرنا اور بندوں کو پڑھوانا ہی کیا ضرور تھا ✣

اصل منشا اس غلطی کا یہ ہے کہ قرآن مجید جو بلاشبہ کلام الٰہی ہے ۔ مگر بعضے وقت لوگوں کو یہ خیال نہیں رہتا کہ وہ انسانوں کی زبان میں بولا گیا ہے ۔ پس اگر وہ درحقیقت انسانوں کی زبان میں

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ (۶۶)

اُس کی قوم کے سرداروں میں سے اُن لوگوں نے جو کافر تھے کہا کہ بیشک ہم دیکھتے ہیں تجھ کو بیوقوفی میں اور بیشک ہم گمان کرتے ہیں تجھ کو جھوٹوں میں سے (۶۶)

حق قدره الآية - قال صاحب الكشاف ومعنى فضحك افصح العرب وتعجب لانه لم يفهم منه الا ما يفهمه علماء البيان من غير تصور امساك ولا اصبع ولا هز ولا شيء من ذلك ولكن فهمه وقع اول كل شيء وآخره على الزبدة والخلاصة التي هي الدلالة على القدرة الباهرة وان الافعال العظام التي تتحير فيها الافهام ولا تكتنهها الاوهام هينة عليه هوانا لا يوصل السامع الى الوقوف عليه الا اجراء العبارة في مثل هذه الطريقة من التخييل قال ولا ترى بابا في علم البيان ادق ولا ارق ولا الطف من هذا الباب (تفسير كشاف صفحہ ۱۲۶۰) +

اور تعجب کیا کیونکہ انہوں نے اس سے کچھ نہیں سمجھا اور کچھ نہیں سمجھا جو کہ علمائے علم بیان سمجھتے ہیں نہ خیال کرنے مٹھی اور انگلی اور حرکت کے معنوں کے اور نہیں سمجھا کچھ اس میں سے بلکہ سمجھا واقع ہونا اول ہر شے کا اور آخر ہر شے کا خلاصہ اور انتخاب کے کہ وہ دلالت ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر اور اس پر کہ وہ بڑے کام جن میں سب عقلوں کی عقلیں حیران ہیں اور ذہن اُن کو نہیں سمجھ سکتے اللہ تعالیٰ پر نہایت سہل اور آسان۔ سننے والا اُس سے واقف ہونے تک نہیں پہنچ سکتا بجز اس کے کہ کلام کو اسی طریقہ پر خیال میں لانے کو بیان کرے۔ کہا صاحب کشاف نے کہ ہم علم بیان میں کوئی باب اس سے زیادہ دقیق اور لطیف نہیں پاتے ہیں +

علاوہ اس کے صاحب تفسیر کشاف نے ان لفظوں کی مراد اس طرح بیان کی ہے کہ

قيل قبضته ملكه بلا مدافع ولا منازع وبيمينه بقدرته (كشاف جلد دوم ۱۲۶۰) +

قبضہ اس کا ایک ہے جس میں کوئی تکرار کرنے والا اور جھگڑنے والا نہیں ہے اور داہنے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت ہے +

صاحب تفسیر کبیر مصنف کشاف کی اس تحریر سے کسی قدر خفا ہو گئے ہیں اور ارقام فرماتے ہیں کہ

اقول ان حال هذا الرجل في اقدامه على تحسين طريقته وتقبيح طريقة القدماء عجيب جدا فانه ان كان مذهبه انه يجوز ترك ظاهر اللفظ والمصير الى المجاز من غير دليل فهذا طعن في القرآن واخراج له عن ان يكون حجة في شيء وان كان مذهبه ان الاصل في الكلام الحقيقة وانه لا يجوز العدول عنه الا لدليل منفصل فهذا هو الطريقة التي اطبق عليها جمهور المتقدمين

"میں کہتا ہوں کہ اس آدمی کا یہ حال کہ وہ متوجہ ہے اپنے طریقہ کی خوبی بیان کرنے پر اور پہلوں کے طریقہ کی برائی بیان کرنے پر نہایت ہی عجیب ہے اگر اُس کا یہ مذہب ہے کہ لفظ کے ظاہری معنی کا چھوڑنا اور مجازی معنی کی طرف جانا بغیر کسی دلیل کے جائز ہے تو یہ تو قرآن میں طعن کرنا ہے اور قرآن کو دلیل ہونے کے درجہ سے خارج کرنا ہے کہ وہ کسی امر میں حجت نہیں ہو سکیگا اور اگر اس کا یہ مذہب ہے کہ کلام میں اصل یہ ہے کہ معنی حقیقی

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾	اور (بیشک ہم نے بھیجا) عاد کی قوم کے پاس اُن کے بھائی ہود کو (ہود نے) کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود سوا اُس کے کیا تم نہیں ڈرتے ﴿۶۳﴾

دوسری آیت سورہ الحاقہ کی ہے جہاں خدا نے قیامت کے حال میں فرمایا ہے "اور اُٹھاوینگے تیرے پروردگار کے تخت کو اپنے اوپر آج کے دن آٹھ" +

تیسری آیت سورہ مومن کی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ " وہ جو اُٹھاتے ہیں عرش کو اور وہ جو اُس کے گرد ہیں پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں تعریف کے ساتھ اپنے پروردگار کو اور اُس پر ایمان لاتے ہیں اور معافی چاہتے اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں " +

چوتھی آیت سورہ ہود کی ہے جہاں خدا نے فرمایا ہے کہ " وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں اور اُس کا عرش تھا پانی پر " +

سورہ زمر کی آیتیں جن میں عظمت و جلال خدا کا بیان ہوا ہے وہ سب تمثیلی ہیں مفسرین بھی اُن کا تمثیلی ہونا قبول کرتے ہیں۔ مثلاً اُس میں فرمایا ہے " والارض جمیعا قبضتہ یوم القیامۃ والسموات مطویات بیمینہ " پس ظاہر ہے کہ خدا کی نہ مُٹھی ہے اور نہ اُس کا داہاں ہاتھ، یہ ایک تمثیل یا استعارہ یا مجاز ہے جس سے مقصود خدا کی عظمت و قدرت کا ظاہر کرنا ہے نہ یہ کہ حقیقۃً خدا زمین کو مُٹھی میں لے لیگا اور آسمانوں کو ہاتھ پر لپیٹ لیگا +

صاحب کشاف نے کہا ہے کہ غرض اس کلام سے جب کہ اس سب کو پوری طرح سمجھ لے جیسا کہ وہ سبھی اللہ تعالے کی عظمت کی تصویر ہے اور کنہ جلال الٰہی کے سمجھنے میں توقف کرنا ہے نہ کہ قبضہ اور دائیں ہاتھ کے حقیقی اور مجازی معنوں کی طرف جانا اور ایسا ہی ہے حکم اُس روایت کا کہ جبرئیل آئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس اور کہا اے ابو القاسم اللہ تعالے اُٹھائیگا آسمانوں کو قیامت کے دن ایک انگلی پر اور سب زمینوں کو ایک انگلی پر اور پہاڑوں کو ایک انگلی پر اور درختوں کو ایک انگلی پر اور جو زمینوں کے نیچے ہے اُس کو ایک انگلی پر اور سب خلقت کو ایک انگلی پر پھر اُن کو ہلا دیگا پھر کہیگا کہ میں بادشاہ ہوں پس ہنسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تعجب کر کے اُس کے قول پر پھر بطور تصدیق اس بات کے یہ آیت پڑھی وما قدروا اللہ حق قدرہ الایہ۔ کہا صاحب کشاف نے کہ صرف اس وجہ سے ہنسے افصح العرب

قال صاحب الکشاف الغرض من ھذا الکلام اذا اخذتہ کما ھو بجملتہ ومجموعہ تصویر عظمتہ والتوقیف علی کنہ جلالہ من غیر ذھاب بالقبضۃ ولا بالیمین الی جھۃ حقیقۃ او جھۃ مجاز وکذلک حکم ما یروی ان جبریل علیہ السلام جاء الی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال یا ابا القاسم ان اللہ یمسک السموات یوم القیامۃ علی اصبع والارضین علی اصبع والجبال علی اصبع والشجر علی اصبع والثری علی اصبع وسایر الخلق علی اصبع ثم یھزھن فیقول انا الملک فضحک رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تعجبا مما قال ثم قرء تصدیقا لہ وما قدروا اللہ

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۭاِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾	پھر اُنہوں نے اُس کو جھٹلایا پھر بچا لیا ہم نے اُس کو اور جو اُس کے ساتھ کشتی میں تھے۔ اور ہم نے اُن لوگوں کو ڈبو دیا جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا۔ بیشک وہ لوگ اندھے تھے ﴿۶۴﴾

کہ تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے پس یہ قول کہ "یدبر الامر" بمنزلہ تفسیر کے ہے جو قول استوی علی العرش کے مطلب کو صاف کھولتا ہے اور اس آیت میں جس کی ہم تفسیر کر رہے ہیں یوں فرمایا ہے ثم استوی علی العرش یغشی اللیل النہار یطلبہ حثیثا۔ پھر قایم ہوا عرش پر کہ چھپاتا ہے رات سے دن کو کہ تلاش کرتے تھے اُس کو دوڑ کر والشمس والقمر مسخرات بامرہ۔ الا لہ الخلق والامر اور چاند اور سورج فرمانبردار ہیں اُس کے حکم کے جان لو کہ اُسی کے لئے پیدا کرنا اور حکم کرنا یہ اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اُس کا یہ کہنا کہ ثم استوی علی العرش اسی کی طرف اشارہ ہے جو ہم نے ذکر کیا اگر یہ اعتراض کیا جاوے کہ تم نے قول (استوی علی العرش) کو اس پر قیاس کیا کہ مراد ہے کہ اپنی حکومت پر قایم ہوا تو یہ لازم آیا کہ پہلے پیدایش آسمان اور زمین کے اس پر قایم نہ تھا تو ہم اس کا یہ جواب دینگے کہ قبل پیدایش عالم کے وہ اس کے پیدا کرنے اور تکوین پر قادر تھا لیکن نہیں تھا پیدا کرنے والا اور موجود اشیاء معینہ کا اس لئے کہ زید کا زندہ کرنا اور عمرو کا مارنا اُس کو کھانا دینا اور اُس کو پانی دینا یہ نہیں حاصل ہوتا مگر ان احوال کے ساتھ پس جب کہ ہم نے عرش کی تفسیر ملک سے کی اور ملک خود یہی احوال ہیں تو صحیح ہے کہ یہ کہا جاوے کہ اپنے ملک پر قایم ہوا بعد پیدا کرنے آسمان اور زمین کے اور یہ جواب صحیح ہے اس موقع پر۔

اب میں نہایت ادب سے اُن بزرگوں کی خدمت میں جنہوں نے اُن آیتوں میں عرش کے لفظ سے سلطنت اور مملکت مراد لی ہے عرض کرتا ہوں کہ جن آیتوں میں صرف لفظ "رب العرش" کا یا "رب العرش العظیم" کا یا "ذی العرش" کا یا "رب العرش الکریم" کا یا "ذو العرش المجید" کا آیا ہے وہاں بھی عرش کے معنی سلطنت و مملکت کے کیوں نہیں لئے جاتے۔ جو ایک چوکھٹے چپکلے تخت موجود فی الخارج کے جس کا بنانا بھی ظاہراً بیکار معلوم ہوتا ہے جس پر نہ کبھی خدا بیٹھا ہے نہ بیٹھیگا اور نہ بیٹھ سکتا ہے لئے جاتے ہیں۔

ہماری اس تقریر کے برخلاف شاید چار آیتیں پیش ہو سکتی ہیں اور بیان کیا جا سکتا ہے کہ اُن آیتوں میں ایسے مضامین ہیں جن کے سبب عرش کو مثل سریر بادشاہی موجود فی الخارج تسلیم کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

پہلی آیت سورہ زمر کی ہے جہاں قیامت کے حالات میں خدا نے فرمایا ہے کہ "تو فرشتوں کو عرش کے گرد کھڑے ہوئے دیکھیگا پاکیزگی سے یاد کرتے ہیں ساتھ تعریف کے اپنے رب کو۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۱﴾	کیا تم اس میں تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار سے نصیحت آئی تمہارے ہی میں سے ایک آدمی پر تاکہ وہ تم کو ڈراوے اور تاکہ تم پرہیز گاری کرو اور تاکہ تم پر رحم کیا جاوے ﴿۶۱﴾

هو المراد من قوله فی سورۃ یونس ان ربکم الله الذی خلق السموات والارض فی ستة ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامر فقوله یدبر الامر جری مجری التفسیر لقوله استوی علی العرش وقال فی هذه الآیة التی نحن فی تفسیرها ثم استوی علی العرش یغشی اللیل النهار یطلبه حثیثا والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامره الا له الخلق والامر وهذا یدل علی ان قوله ثم استوی علی العرش اشارة الی ما ذکرنا فان قیل اذا حملتم قوله ثم استوی علی العرش علی ان المراد استوی علی الملک وجب ان یقال الله لم یکن مستویا قبل خلق السموات والارض قلنا انه تعالٰی کان قبل خلق العالم قادرا علی تخلیقها وتکوینها اما ما کان مکونا ولا موجدا الاشیاء باعیانها لان احیاء زید واماتة عمرو واطعام هذا وارواء ذلک لا یحصل الا عند هذه الاحوال فاذا فسرنا العرش بالملک والملک بهذه الاحوال صح ان یقال انه تعالٰی انما استوی علی ملکه بعد خلق السموات والارض وهذا جواب حق صحیح فی هذا الموضع ✽

(تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۱۳۶)

کے پیدا کرنے پر قادر ہے پھر اسی سمجھ سے یہ جانا کہ اللہ تعالےٰ اس ایجاد اور پیدا کرنے میں اوزاروں وغیرہ کا محتاج نہیں ہے اور اس کا بھی محتاج نہیں ہے کہ کچھ مادہ ہولے اور پھر اُس میں کچھ مدت غور کر کے کام آئے اور ایسا ہی قول ہے سب صفات اللہ تعالےٰ میں جب کہ اُس نے خبر دی کہ اُس کا ایک گھر ہے اُس کا حج اُن پر واجب ہے اس سے انہوں نے سمجھا کہ اُس نے ایک جگہ کو مقرر کر دیا ہے خدا تعالےٰ سے سوال کرنے کے لئے اور اُس سے اپنی حاجتیں طلب کرنے کے لئے تاکہ اُس کا قصد کریں جیسے کہ بادشاہوں اور سرداروں کے گھروں کا اس غرض سے قصد کرتے ہیں پھر اپنی عقل سے سمجھا کہ وہ تشبیہ سے پاک ہے اور اُس نے یہ گھر اپنے رہنے کے لئے نہیں بنایا ہے اور اس گھر سے اس کو یہ فائدہ نہیں ہے کہ وہ اپنے سے گرمی یا سردی کو دفع کرے پھر جب کہ اُن کو حکم کیا کہ اُس کی حمد کریں اور اُس کی بزرگی مانیں تو اُس سے سمجھے کہ اُس نے نہایت درجہ کی تعظیم کا حکم دیا ہے پھر سمجھے کہ خدا تعالےٰ اس تحمید اور تمجید سے نہ خوش ہوتا ہے اور نہ اس کے ترک کرنے سے رنجیدہ ہوتا ہے۔ جب کہ یہ مقدمات تم نے سمجھ لئے تو ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے زمین و آسمان کو جس طرح چاہا پیدا کیا بغیر کسی جھگڑہ کرنے اور تکرار کرنے والے کے پھر اُس نے خبر دی (انہ استوٰی علی العرش) یعنی وہ اپنی سلطنت پر قایم ہوا مراد یہ ہے کہ حاصل ہوئی اُس کو تدبیر مخلوقات جس طرح کہ اُس نے چاہا تھا اور ارادہ کیا تھا پس یہ قول کہ عرش پر قایم ہوا ایسا ہے کہ بعد پیدایش عالم کے اپنے عرش حکومت اور عظمت پر قایم ہوا بجز قفال نے کہا کہ اس بات کی دلیل کہ یہی معنی مراد ہیں اللہ تعالےٰ کے قول کے جو سورہ یونس میں ہے کہ بیشک ہمارا پروردگار وہ اللہ تعالےٰ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں و زمین کو چھ دن میں پھر قایم ہوا اپنے عرش پر

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾

میں تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچاتا ہوں اور تمہارے لئے بھلائی چاہتا ہوں اور میں اللہ کے بتائے سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ﴿۶۰﴾

اقول ان الذی قاله حق وصدق وصواب نظیرہ قولهم للرجل الطویل فلان طویل النجاد وللرجل الذی یکثر الضیافة کثیر الرماد وللرجل الشیخ فلان اشتعل راسه شیبا ولیس المراد فی شیء من هذه الالفاظ اجراءها علی ظواهرها انما المراد منها تعریف المقصود علی سبیل الکنایة فکذا ههنا یذکر الاستواء علی العرش والمراد نفاذ القدرة وجریان المشیئة ثم قال القفال رحمة الله تعالی والله تعالی لما دل علی ذاته وعلی صفاته وکیفیة تدبیرہ العالم علی الوجه الذی الفوه من ملوکهم ورؤسائهم استقر فی قلوبهم عظمة الله وکمال جلاله الا ان کل ذلک مشروط بنفی التشبیه فاذا قال انه عالم فهموا منه انه لا یخفی علیه تعالی شیء ثم علموا بعقولهم انه لم یحصل ذلك العلم بفکرة ولا رویة ولا باستعمال حاسة واذا قال قادر علموا منه انه متمکن من ایجاد الکائنات وتکوین الممکنات ثم علموا بعقولهم انه غنی فی ذلك الایجاد والتکوین عن الالات والادوات وسبق المادة والمدة والفکرة والرویة وهکذا القول فی کل صفاته واذا اخبر ان له بیتا یجب علی عباده حجه فهموا منه انه نصب لهم موضعا یقصدونه لمسألة ربهم وطلب حوائجهم کما یقصدون بیوت الملوك والرؤساء لهذا المطلوب ثم علموا بعقولهم نفی التشبیه وانه لم یجعل ذلك البیت مسکنا لنفسه ولم ینتفع به فی دفع الحر والبرد عن نفسه فاذا امرهم بتحمیده وتمجیده فهموا منه انه امرهم بنهایة تعظیمه ثم علموا بعقولهم انه لا یفرح بذلك التحمید والتعظیم ولا یغتم بترکه والاعراض عنه اذا عرفت هذه المقدمة فنقول انه خلق السموات والارض کما اراد وشاء من غیر منازع ولا مدافع ثم اخبر انه استوی علی العرش ای حصل له تدبیر المخلوقات علی ما شاء واراد فکان قوله ثم استوی علی العرش ای بعد ان خلقها استوی علی عرش الملك والجلال ثم قال القفال والدلیل علی ان هذا

(استوٰی علی عرشه واستقر علی سریر ملکه) یعنی اپنی تخت اپنی سلطنت پر قائم ہے اور اپنے سریر مملکت پر مستقر ہے یہ وہ ہے جو قفال نے کہا ہے اور صاحب تفسیر کبیر کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ حق اور سچ اور صواب ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ طویل قامت کے لئے عرب کا یہ قول ہے (طویل النجاد) یعنی پرتلہ والا اور بہت زیادہ ضیافت کرنے والے کے لئے (کثیر الرماد) بہت خاکستر والا اور بوڑھے آدمی کے لئے یہ کہنا کہ اُس کا سر بڑھاپے سے روشن ہوگیا (اشتعل راسه شیبا) ان سب الفاظ سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ اپنے ظاہری معنی میں جاری ہیں بلکہ اُن سے یہی مراد ہے کہ اصلی مقصود کو بطور کنایہ کے سمجھا دیا جاوے ایسا ہی اس موقع پر کہا جاتا ہے (استوی علی العرش) اور مراد ہے اُس کی قدرت کا نافذ ہونا اور اُس کی خواہش کا جاری ہونا۔ قفال نے کہا ہے اللہ تعالیٰ نے جب کہ سمجھایا اپنی ذات اور اپنی صفات اور اپنی کیفیت تدبیر عالم کو اُس طرح پر جس طرح کہ انہوں نے اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو پایا تھا تو اللہ تعالیٰ کی عظمت اُن کے دلوں میں اُسی طرح پر قایم ہوئی مگر ان سب میں یہ شرط ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تشبیہ نہ دے جیسا اللہ نے فرمایا ہے کہ وہ عالم ہے تو اس سے یہ سمجھے کہ اُس سے کچھ مخفی نہیں ہے پھر اپنی سمجھ سے یہ جانا کہ یہ علم اللہ تعالیٰ کو فکر اور غور سے نہیں حاصل ہوا اور نہ حواس کے استعمال سے اور جب فرمایا ہے کہ وہ قادر ہے تو جانا کہ وہ پیدا کرنے عالم پر اور ممکنات

قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۹﴾	(نوح نے) کہا اے میری قوم مجھ کو گمراہی نہیں ہے ولیکن میں تمام عالموں کے پروردگار کی طرف سے پیغمبر ہوں ﴿۵۹﴾

ثم استوى الى السماء وهى دخان فقال لها وللارض ائتيا طوعًا او كرهًا قالتا اتينا طائعين فقضاهن سبع سموات فى يومين واوحى فى كل سماء امرها وزينا السماء الدنيا بمصابيح وحفظا ذلك تقدير العزيز العليم ۔ ۴۱ فصلت ۔ ۸ تا ۱۱ ✦

باوجود اس کے کہ تمام مسلمان عرش رب العالمین کو ایک جسم عظیم موجود فی الخارج فوق السموات مانتے ہیں مگر لفظ استوے سے تخت پر بیٹھنا مراد نہیں لیتے ۔ بلکہ وہ یقین کرتے ہیں کہ نہ کبھی خدا اُس تخت پر بیٹھا اور نہ کبھی آیندہ بیٹھیگا اور نہ تخت پر اُس کا بیٹھنا ممکن ہے ۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے " فاعلم انه لا يمكن ان يكون المراد منه كونه مستقرا على العرش " کیونکہ اگر خدا تخت پر بیٹھے یا بیٹھا ہوا ہو تو وہ متناہی ہو جاویگا اور جب متناہی ہوگا تو حادث ہو جاویگا ۔ اور حیز معین اور جہت خاص میں محدود ہوگا اور حیز اور مکان کی اُس کو احتیاج ہوگی ۔ پھر وہ مقدار میں عرش سے بڑا ہوگا یا عرش اس سے بڑا ہوگا یا دونوں برابر ہونگے ہر طرح سے خدا پر مشکل لازم آتی ہے ۔ بڑی مشکل یہ پڑتی ہے کہ زمین یا دنیا تو کروی ہے اور جب خدا ایک تخت پر بیٹھا تو ایک طرف کی دنیا کے لوگوں سے تو وہ اوپر ہوگا اور دوسری طرف کی دنیا کے لوگوں سے نیچے تو سب سے اوپر ہونا اُس کا متحقق نہ رہیگا ۔ اسی قسم کی سولہ دلیلیں خدا کے تخت پر بیٹھنے کے امتناع میں تفسیر کبیر میں مندرج ہیں ۔ غرضکہ تمام اہل سنت و جماعت بلکہ تمام فرق اسلامیہ سوائے بعض کے خدا تعالے کے جلوس کو ممتنع بیان کرتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عرش جب سے بنا ہے خالی پڑا ہے اور ہمیشہ خالی پڑا رہیگا ۔ مگر کسی نے یہ نہ بتلایا کہ پھر وہ بنایا کیوں ہے اور کس لئے ؟ ✦

جب ہمارے علما اس مشکل میں پڑے تو اُنہوں نے استوٰی اور عرش دونوں کے معنی بدلے اور کہا کہ ان آیتوں میں جن میں استوٰے علے العرش کا ذکر ہے وہ چیز یا جسم عظیم جس کو تخت رب العالمین موجود فی الخارج فوق السموات قرار دیا ہے مراد نہیں ہے بلکہ عرش سے بادشاہت اور مملکت اور استوٰے سے اس پر استعلا یعنی غلبہ قدرت مراد ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ " قفال نے کہا ہے

قال (ای القفال رحمة الله عليه) العرش فى كلامهم هو السرير الذى يجلس عليه الملوك ثم جعل العرش كناية عن نفس الملك يقال ثل عرشه اى انتقض ملكه وفسد واذا استقام له ملكه و اطرد امره وحكمه قالوا استوى على عرشه و استقر على سرير ملكه هذا ما قاله القفال و

کہ عرش کلام عرب میں وہ تخت ہے جس پر بادشاہ بیٹھتا ہے پھر عرش سے ملک اور سلطنت سمجھی جاتی ہے کہا جاتا ہے (ثل عرشه) جب کہ سلطنت میں خرابی آجاوے اور جب کہ سلطنت درست ہو اور کام اچھا چلتا ہو اور حکم نافذ ہو تو کہتے ہیں کہ

اس کی قوم کے سرداروں میں کہا کہ ہم تجھ کو دیکھتے ہیں کھلی ہوئی گمراہی میں ﴿۵۸﴾	قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۸﴾

رفیع الدرجات ذوالعرش۔ ۴۰ مومن ۱۵ +

سبحان رب السموات والارض رب العرش عما یصفون - ۴۳ زخرف - ۸۲ +

عند ذی العرش مکین - ۸۱ تکویر ۲۰ +

ذو العرش المجید فعال لما یرید ۸۵ بروج ۱۵ +

والملک علی ارجائہا ویحمل عرش ربک فوقہم یومئذ ثمانیہ - ۶۹ الحاقہ ۱۷ +

الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربہم ویؤمنون بہ ویستغفرون للذین امنوا

۴۰ - مومنون ۷ +

وھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہ علی الماء لیبلوکم ایکم

احسن عملا - ۱۱ ھود ۹ +

آیات قسم ثانی جن میں استوے علی العرش کا ذکر ہے

ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش -

۷ الاعراف ۵۲ وسورۃ ۱۰ یونس ۳ +

الذی خلق السموات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش الرحمن

فاسئل بہ خبیرا - ۲۵ فرقان ۶۰ +

اللہ الذی خلق السموات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش ما لکم

من دونہ من ولی ولا شفیع افلا تتذکرون یدبر الامر من السماء الی الارض ثم یعرج الیہ فی یوم کان

مقدارہ الف سنۃ مما تعدون - ۳۲ السجدۃ ۳ - ۴ +

ھو الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش - ۵۷ حدید ۴ +

اللہ الذی رفع السموات بغیر عمد ترونہا ثم استوی علی العرش - ۱۳ رعد ۲ +

الرحمن علی العرش استوی - ۲۰ طہ ۴ +

ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء فسوٰھن سبع سموات وھو بکل شئ

علیم - بقر ۲۸ +

قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون لہ اندادا ذلک رب العلمین

وجعل فیہا رواسی من فوقہا وبارک فیہا وقدر فیہا اقواتہا فی اربعۃ ایام سواء للسائلین

فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۷﴾	پھر اس نے کہا اے میری قوم عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی خدا سوائے اس کے۔ بیشک تم پر خوف کرتا ہوں بڑے دن کے عذاب کا ﴿۵۷﴾

برخلاف لوگوں کے دلوں میں ہوں اُن کو نیست و نابود کریں پس خلق سماوات والارض کی نسبت جو کچھ کہ مخاطبین کا اعتقاد برخلاف شان خدا تعالےٰ تھا وہ صرف تھک کر ساتویں دن اُس کا آرام لینا تھا اُسے مٹانا ایک پیغمبر کو بلحاظ اپنے منصب پیغمبری کے ضرور تھا چنانچہ اُس کو الفاظ " وما مسنا من لغوب " سے مٹا دیا اور باقی امور سے کچھ تعرض نہیں کیا پس کوئی ذی عقل انسان جس کو قرآن مجید کے طرز بیان سے ذرا بھی مس ہے یہ نہیں کہ سکتا کہ لفظ ستہ ایام کا قرآن مجید میں بطور بیان حقیقت کے واقع ہے ❖

(استویٰ علی العرش) عرش کے معنی لغت میں تخت رب العالمین کے۔ اور تخت بادشاہ کے۔ اور عزت کے۔ اور جس سے کہ کوئی امر قایم ہو۔ اور گھر کی چھت کے۔ اور سردار قوم کے۔ اور اُس چیز کے جس پر جنازہ اُٹھایا جاتا ہے لکھے ہیں ❖

تمام مفسرین عرش سے تخت رب العالمین مراد لیتے ہیں اور اُس کو موجود فی الخارج سمجھتے ہیں۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ آسمانوں کے اوپر ایک جسم عظیم ہے اور وہ تخت رب العالمین ہے ❖

قرآن مجید میں جہاں عرش کا لفظ آیا ہے وہ دو قسم کی آیتیں ہیں ایک وہ جن میں صرف عرش کا ذکر ہے اور دوسری وہ کہ جن میں استوائے علی العرش کا ذکر ہے اول ہم ان دونوں قسم کی آیتوں کو اس مقام پر لکھتے ہیں ❖

آیات قسم اول جن میں صرف عرش کا ذکر ہے

لا الٰہ الا ھو علیہ توکلت وھو رب العرش العظیم۔ ۹ توبہ ۱۳۰ ❖

قل لو کان معہ اٰلھۃ کما یقولون اذا لابتغوا الی ذی العرش سبیلا۔ ۱۷ اسریٰ۔ ۴۴ ❖

فسبحان اللہ رب العرش عما یصفون۔ ۲۱ الانبیاء ۲۲ ❖

قل من رب السموات السبع ورب العرش العظیم۔ ۲۳ المومنون ۸۸ ❖

فتعالی اللہ الملک الحق لا الٰہ الا ھو رب العرش الکریم ۲۳ المومنون ۱۱۷ ❖

اللہ لا الٰہ الا ھو رب العرش العظیم۔ ۲۷ النمل۔ ۲۶ ❖

وتری الملائکۃ حافین من حول العرش یسبحون بحمد ربھم وقضی بینھم بالحق وقیل الحمد للہ رب العالمین۔ ۳۹۔ زمر۔ ۷۵ ❖

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ	بیشک ہم نے بھیجا نوح کو اُس کی قوم کے پاس

ہونا بیان ہے وہ نہ اخبار ہے اور نہ کلام مقصود بلکہ مخاطبین کے اعتقاد کو بطور نقل تسلیم کر کے اُس پر دلیل قائم کی ہے یعنی خدا تعالیٰ نے یہودیوں اور عیسائیوں اور ممکن ہے کہ مشرکین کو بھی مخاطب کر کے یہ فرمایا ہے کہ جس کی نسبت تمہارا یہ اعتقاد ہے کہ اُس نے چھ دن میں دنیا پیدا کی ہے وہی خدا ہے واحد و ذوالجلال ہے مخاطبین کے مسلم امر سے خدا کے ہونے پر اور اُس کی عظمت اور استحقاق عبادت پر استدلال کیا ہے نہ یہ کہ خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اُس نے چھ دن میں دنیا کو پیدا کیا ہے یہی رائے بعضے اگلے عالموں کی بھی ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ ایک سوال کرنے والا یہ پوچھ سکتا ہے کہ ان چیزوں کا چھ دن میں

لسائل ان یسئل فیقول کون ھذہ الاشیا مخلوقۃ فی ستۃ ایام لا یمکن جعلہ دلیلا علے اثبات الصانع وبیانہ من وجوہ (الاول) ان وجہ دلالۃ ھذہ المحدثات علے وجود الصانع ھو حدوثہا او امکانہا او مجموعہا فاما وقوع ذلك الحدوث فی ستہ ایام او فی یوم واحد فلا اثر لہ فی ذلك البتۃ + + + فجوابہ انہ سبحانہ ذکر فی اول التوراۃ انہ خلق السموات والارض فی ستۃ ایام والعرب کانوا یخالطون الیھود والظاھر انہم سمعوا ذلك منہم فکانہ سبحانہ یقول لا تشتغلوا بعبادۃ الاوثان والاصنام فان ربکم ھو الذی سمعتم من عقلاء الناس انہ ھو الذی خلق السموات والارض علی غایۃ عظمہا و نہایۃ جلالتہا فی ستۃ ایام۔
(تفسیر کبیر) +

پیدا ہونا ممکن نہیں ہے کہ اُس کو صانع کے وجود کے اثبات پر دلیل کیا جاوے۔ اس کا بیان کئی طرح پر ہے۔ اول یہ کہ ان محدث یعنی پیدا ہوئی ہوئی چیزوں سے وجود صانع پر دلیل ہونے کی وجہ یا یہ ہے کہ وہ پیدا شدہ ہیں یا یہ ہے کہ ممکنات سے ہیں یا دونوں باتیں اُس کی دلیل ہیں لیکن اس بات کا کہ وہ چھ دن میں پیدا ہوئی ہیں یا ایک دن میں اُس سے بلاشبہ دلیل پر کچھ اثر نہیں ہے + + + پھر مصنف تفسیر کبیر اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے توراۃ کے شروع میں کہا ہے کہ اُس نے چھ دن میں آسمان و زمین پیدا کئے ہیں اور اہل عرب یہودیوں کے ساتھ مخلوط ہو گئے تھے اور ظاہر ہے کہ اُنھوں نے یہودیوں سے یہ بات سُنی تھی۔ پس گویا کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم بتوں کی پرستش پر مشغول مت ہو کیونکہ تمہارا پروردگار وہی ہے کہ جس کی نسبت تم نے عقلمند لوگوں سے سُنا ہے کہ بیشک وہ وہ ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو بے انتہا عظمت اور بہت بڑی منزلت پر چھ دن میں پیدا کیا ہے +

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ ستۃ ایام[1] کا لفظ صرف نقلاً مخاطبین کے اعتقاد یا اذعان کے مطابق آیا ہے نہ بطور بیان حقیقت پس لفظ ستۃ ایام کا کلام مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ بطور نقل و حکایت اعتقاد مخاطبین آیا ہے۔ اگر اس بات پر ہمیشہ خیال رکھا جاوے کہ انبیا علیہم السلام کا کام نہ حقایق اشیا سے بحث کرنے کا ہے اور نہ تمام اُن چیزوں پر رد و قدح کرنے کا ہے جو فی الواقع حقایق اشیا کے برخلاف ہیں بلکہ اُن کا کام صرف یہ ہے کہ جو چیزیں خدا کی وحدانیت اور قدرت و عظمت کی

[1] ستۃ ایام کی بحث بالتفصیل تہذیب الاخلاق میں سید مرحوم نے کی ہے۔ احمد بابا

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ ۚ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا ۭ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ (۵۶)	اور زمین جو اچھی ہے اُس کی کھیتی اُگتی ہے اُس کے پروردگار کے حکم سے اور جو بُری ہے اُس کی نہیں اُگتی مگر تھوڑی سی ۔ اس طرح ہم اُلٹ پھیر کر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو اُن لوگوں کے لئے جو شکر کرتے ہیں (۵۶)

جو مسلمان عالم یہ سمجھتے ہیں کہ خدا نے قرآن مجید میں دنیا کا پیدا ہونا چھ دن کے عرصہ میں بطور اخبار کے بیان کیا ہے اُن کو بھی وہی مشکلیں پیش آتی ہیں جو عیسائی علما کو پیش آتی ہیں چنانچہ بعض عالموں نے باستدلال آیت سورہ سجدہ کے خیال کیا ہے کہ یہ ایک دن دنیا کے ہزار برس کی برابر تھا ۔ بعض عالموں نے دن سے ایک حالت اور ایک زمانہ مراد لیا ہے اور یہ رائے عیسائی علما کی اُس رائے کے مشابہ ہے

فی ستة ایام اشارة الی ستة احوال فی نظر الناظرین و ذلک لان السموات والارض و ما بینهما ثلاثة اشیاء ولکل واحد منها ذات وصفة فنظر الی خلقه ذات السموات حالة ونظر الی خلقه صفاتها اخری ونظر الی ذات الارض والی صفاتها کذلک ونظر الی ذوات ما بینهما والی صفاتها کذلک فهی ستة اشیاء فی ستة احوال وانما ذکرها بالایام لان الانسان اذا نظر الی الخلق رآه فعلا والفعل ظرفه الزمان والایام اشهر الازمنة والا فقبل السموات لم یکن لیل ولا نهار وهذا مثل ما یقول القائل لغیره ان یوما ولدت فیه کان یوما مبارکا وقد یجوز ان یکون ذلک ضحی او لیلا ولا یخرج عن مراده لان المراد هو الزمان الذی هو ظرف ولادته

(تفسیر کبیر تفسیر سورۃ سجدۃ صفحہ ۲۱۶)

جس میں اُنہوں نے دن سے ایک زمانہ مراد لیا ہے اور اُس کی مقدار معین نہیں کی چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ چھ دن سے اشارہ ہے دیکھنے والوں کی نگاہ میں چھ حالتوں کی طرف اور یہ اس طرح پر ہے کہ آسمان و زمین اور جو کچھ کہ اُن میں ہے تین چیزیں ہوئیں اور اُن میں سے ہر ایک کے لئے ذات ہے اور صفت ہے ۔ پس آسمان کی بلحاظ اُس کی ذات کے پیدا کرنے کے ایک حالت ہے اور بلحاظ اُن کی صفات کے پیدا کرنے کے دوسری حالت ہے اور یہی حال ہے زمین کی ذات اور اُس کی صفات کے پیدا کرنے کے لحاظ سے اور اسی طرح اُن دونوں کے بیچ میں جو کچھ ہے اُن کی ذات و صفات کے پیدا کرنے کے لحاظ سے ہے پس یہ چھ چیزیں چھ حالتوں میں ۔ مگر چھ حالتوں کی جگہ جو چھ دن کا ذکر کیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ جب انسان خلق کو دیکھتا ہے تو ایک فعل سمجھتا ہے اور فعل زمانہ میں واقع ہوتا ہے اور دن اُن لفظوں میں جن سے زمانہ تعبیر کیا جاتا ہے سب سے زیادہ مشہور ہے ورنہ آسمانوں کے پیدا ہونے کے پہلے نہ رات تھی نہ دن تھا ۔ اور یہ ایسی بات ہے جیسے کوئی دوسرے سے کہے کہ جس دن میں تو پیدا ہوا ہوں وہ مبارک دن تھا ۔ حالانکہ ممکن ہے کہ رات کو پیدا ہوا ہو مگر ایسا ہونا اُس کے مطلب سے خارج نہیں ہے کیونکہ اُس کی مراد دن کہنے سے وہ زمانہ ہے جس میں وہ پیدا ہوا ہو ٭

میرے نزدیک امر تحقیق یہ ہے کہ جہاں جہاں قرآن مجید میں چھ دن کے عرصہ میں دنیا کا پیدا

وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ حَتّٰٓى اِذَآ اَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (۵۵)	اور وہ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں کو خوشخبری دیتی ہوئیں اُسکی رحمت کے آگے یہاں تک کہ جب وہ اٹھاتی ہیں بھاری بادل کو تو ہم اُس کو لیجاتے ہیں مری ہوئی زمین کی طرف پھر برساتے ہیں ہم اُس سے پانی پھر اُگاتے ہیں ہم اُس سے ہر ایک طرح کے میوے۔ اسی طرح ہم نکالینگے مُردوں کو شاید کہ تم نصیحت پکڑو (۵۵)

انشاءاللہ تعالےٰ ✤

(۵۲) (ستۃ ایام) توریت میں ہے کہ خدا نے نور و ظلمت کو ایک دن میں ۔ آسمانوں کو ایک دن میں ۔ کواکب اور شمس و قمر کو ایک دن میں ۔ زمین و دریا و اشجار کو ایک دن میں ۔ حیوانات آبی و ہوائی کو ایک دن میں ۔ حیوانات زمین پر رہنے والے اور انسان کو ایک دن میں پیدا کیا ۔ یہ ملکر چھ دن ہوئے ✤

قرآن مجید میں بھی تمام چیزوں کا چھ دن میں پیدا کرنا بیان کیا ہے ۔ سورہ فصلت میں اُس کی تفصیل بھی ہے ۔ اُس سورہ میں ۔ نور و ظلمت کا جس کا زیادہ تر اثر زمین پر محسوس ہوتا ہے اور زمین و اشجار و حیوانات ہوائی و آبی و ارضی کا پیدا ہونا چار دن میں ۔ اور آسمانوں اور کواکب کا دو دن میں بیان ہوا ہے غرضکہ جس طرح پر یہودیوں کا اعتقاد تھا اُسی کا بطور حکایت اُن کے اعتقاد کے قرآن مجید میں ذکر آیا ہے ✤

ساتواں دن یہودیوں کے ہاں خدا کے آرام کرنے کا تھا جس سے یہ پایا جاتا تھا کہ گویا چھ دن تک کام کرنے سے خدا تھک گیا تھا ۔ یہ خیال خدا کی عظمت اور شان کے موافق درست نہ تھا اِس لئے اُس کی تردید کر دی کہ ، بیشک ہم نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ کہ اُن دونوں میں ہے چھ دن میں اور ہم کو ذرا بھی ماندگی نے نہیں چھوا ، ولقد خلقنا السموات والارض وما بینہما فی ستۃ ایام وما مسنا من لغوب (سورۃ ق آیت ۳۷) ✤ اور اُس کی جگہ فرمایا ، ثم استویٰ علی العرش ، اُن کے پیدا کرنے کے بعد اُن کے اوپر حکومت و سلطنت کی ۔ نہ یہ کہ تھک کر ساتویں دن آرام کیا ✤

توریت میں جو چھ دن میں دنیا کا پیدا کرنا بیان ہوا ہے اُس پر سخت اعتراضات کئے گئے ہیں اور علمی دلایل سے ثابت کیا ہے کہ چھ دن میں دنیا پیدا نہیں ہوئی بلکہ بہت زیادہ عرصہ میں پیدا ہوئی ہے وہ دلیلیں ایسی مستحکم تھیں کہ ٹل نہیں سکتی تھیں اس لئے عیسائی علما نے کبھی تو کہا کہ ہر ایک دن کی مقدار ہزار ہزار برس کی تھی ۔ مگر یہ زمانہ بھی دنیا کے پیدا ہونے کے لئے کافی نہ تھا اس لئے آخرکار اُنہوں نے دن کے معنی ایک زمانہ کے لئے ہیں جس کی مقدار مقرر نہیں کی ✤

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۴﴾	اور مت فساد کرو زمین میں اُس کی اصلاح ہونے کے بعد اور پکارو اُس کو ڈرکر اور امید رکھ کر۔ بیشک رحمت اللہ کی قریب ہے نیک کام کرنے والوں کے ﴿۵۴﴾

اور سورہ قیامہ میں فرمایا ہے کہ۔ کیا گمان کرتا ہے کہ ہم ہڈیوں کو اکٹھا نہ کرینگے یہ بات نہیں

ایحسب الانسان ان لن نجمع عظامہ ۔ بلیٰ قادرین علیٰ ان نسوی بنانہ (۷۵، سورہ قیامہ ۳ و ۴) ہے بلکہ ہم اس پر قادر ہیں کہ انگلیوں کی پوریوں کو بھی درست کردیں ✦

اور سورہ جاثیہ میں خدا نے فرمایا ہے کہ۔ کہدے کہ اللہ تم کو جلاتا ہے پھر تم کو مار ڈالیگا

قل اللہ یحییکم ثم یمیتکم ثم یجمعکم الی یوم القیٰمۃ پھر تم کو قیامت کے دن اکٹھا کریگا ✦

(۴۵ ۔ جاثیہ ۲۵)

ان تین آیتوں میں سے پہلی دو آیتیں ایسی ہیں جن پر تمسکین نافین نفس ناطقہ استدلال کرسکتے ہیں جیسا کہ شرح مواقف میں مذہب اول بیان کیا گیا ہے اور کہ سکتے ہیں کہ جب انہی گلی ہوئی ہڈیوں کے زندہ کرنے کا بیان ہوا ہے اور انگلیوں کے پوروں تک کا بنا دینا بتایا ہے تو اس سے اسی جسم کا جو دنیا میں ہے دوبارہ پتلا بنکر اُٹھنا پایا جاتا ہے ✦

مگر یہ خیال دو طرح پر غلط ہے ایک اس لئے کہ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ کسی سوال کے جواب میں صرف اظہار قدرت سے اس بات کا ثبوت کہ یہی جسم جو دنیا میں ہے دوبارہ پتلا بنا کر اُٹھایا جاویگا لازم نہیں آتا۔ دوسرے یہ کہ اُسی کے ساتھ بیان ہوا ہے کہ ھو بکل خلق علیم یعنی وہ ہر قسم کے پیدا کرنے کو جانتا ہے کہ گلی ہوئی ہڈیوں کی زندگی کیا چیز ہے اور وہ کیونکر ہوتی ہے۔ پھر اس سے یہ سمجھنا کہ وہ گلی ہوئی ہڈیاں دوبارہ ایسی ہی ہوجاوینگی جیسے کہ اب اس زندگی میں ہیں ایک صریح غلطی ہے۔ ایک آیت کے معنی دوسری آیت سے حل ہوتے ہیں سورہ جاثیہ میں صاف لفظوں میں خدا نے فرمادیا ہے کہ اللہ تم کو جلاتا ہے پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو قیامت کے دن اکٹھا کریگا پس یہ آیت نہایت صاف ہے اور اسی آیت کے سیاق سے تمام آیتوں کے معنی حل ہوسکتے ہیں ✦

یہ مسئلے جو ہم نے اس مقام پر بیان کئے معاد کے مشکل مسائل میں سے تھے اور جہاں تک ہم سے ہوسکا ہم نے اُن تمام آیتوں کو جو اُن سے علاقہ رکھتی تھیں ایک جگہ جمع کردیا اور اپنی طاقت کے اُن کو حل بھی کیا اور اُس کی تائید میں علماء محققین کے اقوال بھی نقل کئے اب معاد کے متعلق کیفیت حساب وکتاب عذاب وثواب کا بیان باقی ہے جس کو اگلے علماء نے اور خصوصاً امام غزالی اور شاہ ولی اللہ نے نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم بھی اُس کو آیندہ موقع بموقع بیان کرینگے

بیشک وہ نہیں دوست رکھتا حد سے نکلجانے والوں کو (۵۳)	اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۵۳)

قرآن مجید میں دو اور عجیب آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن نہ کسی معدوم جسم کا دوبارہ پتلا بنا کر اُٹھایا جاویگا نہ کوئی جدید جسم اُن کو ملیگا بلکہ وہی جسم ہوگا جو روح ونسمہ کے اختلاط سے روح نے حاصل کیا تھا اور بعد مفارقت بدن روح نے معہ اُس جسم کے مفارقت کی تھی پس جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے فرمایا کہ نشاء آخرت تکملہ اسی حیات کا ہوگا نہ خلق جدید بالکل ٹھیک معلوم ہوتا ہے ۔ خدا تعالےٰ نے سورۃ الاسرٰے میں فرمایا ہے ۔ اور کہتے ہیں کہ جب ہم ہڈیاں اور گلے ہوئے

وقالوا ائذا كنا عظاما ورفاتا ائنا لمبعوثون خلقا جديدا قل كونوا حجارة او حديدا او خلقا مما يكبر في صدوركم فسيقولون من يعيدنا قل الذي فطركم اول مرة فسينغضون اليك رؤسهم ويقولون متى هو قل عسى ان يكون قريبا
(۱۸ سورۃ الاسرٰی ۵۲ و ۵۳)

ہو جاوینگے تو کیا ہم پھر اُٹھائے جاوینگے نئے پیدا ہو کر ۔ کہدے کہ تم پتھر ہو جاؤ یا لوہا یا اُس قسم کی پیدائش جو تمہارے دل کو بڑی مستحکم لگتی ہو سب بھی تم کہوگے کہ کون ہم کو لوٹا لاویگا ۔ کہدے کہ وہ جس نے پیدا کیا تم کو پہلی دفعہ پھر جھکا دینگے اپنے سروں کو تیری طرف اور کہنے لگینگے وہ کب ہوگا ۔ کہدے کہ شاید یہ ہووے قریب ﴿

اور سورہ سجدہ میں خدا نے فرمایا ہے ۔ اور اُنہوں نے کہا کہ جب ہم زمین میں گم ہو جاوینگے (یعنی

وقالوا ائذا ضللنا في الارض ائنا لفي خلق جديد بل هم بلقاء ربهم كافرون قل يتوفاكم ملك الموت الذي وكل بكم ثم الى ربكم ترجعون ۔
(سورہ سجدہ ۔ ۹ و ۱۰)

گل گلا کر مٹی ہو کر اُس میں ملجاوینگے) تو کیا ہم ایک نئی پیدائش میں آوینگے ۔ بلکہ وہ اپنے پروردگار سے ملنے کے منکر ہیں ۔ کہدے کہ تم کو ملک الموت ماریگا جو تم پر متعین ہے پھر اپنے پروردگار کے پاس پھر جاؤ گے ۔ ان دونوں آیتوں میں باوجودیکہ سوال خلق جدید ہی تھا مگر خدا نے اس کو قابل جواب نہیں سمجھا کیونکہ خود سوال ہی باطل تھا کہ خلق جدید خلق سابق کے اعمال کی جزا و سزا کی مستحق نہیں ہو سکتی ایک جگہ تو یہ فرمایا کہ تم کو پھر وہی حشر میں لاویگا جس نے تم کو اول مرتبہ پیدا کیا تھا اور لانے کی کچھ تفصیل نہیں بتلائی ۔ اور دوسری آیت میں فرمایا کہ اُن کی یہ باتیں اس بنا پر ہیں کہ اپنے پروردگار سے ملنے کے منکر ہیں اور یہ جواب دیا کہ جب مروگے تو اپنے پروردگار کے پاس جاؤ گے ۔ غرضکہ ان آیتوں سے بھی اس جسم کا جو دنیا میں ہے دوبارہ پتلا بنکر اُٹھنا ثابت نہیں ہوتا ﴿

دو آیتیں اور ہیں جن کا ہم اس مقام پر ذکر کرینگے ایک آیت سورہ یٰسین کی ہے ۔ خدا نے فرمایا

وضرب لنا مثلا ونسي خلقه قال من يحيي العظام وهي رميم ۔ قل يحييها الذي انشاها اول مرة وهو بكل خلق عليم ۔
(۳۶ ۔ سورۃ یٰسین ۷۸ و ۷۹)

کہ ہمارے لئے یہ مثال تو لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کون زندہ کریگا ہڈیوں کو اور وہ تو گل گئی ہونگی اور اپنے پیدا ہونے کو بھول جاتے ہیں کہدے کہ اُن کو زندہ کریگا وہ جس نے تم کو پیدا کیا پہلی دفعہ اور وہ ہر قسم کی آفرینش کو جانتا ہے ﴿

پکارو اپنے پروردگار کو گڑگڑا کر چھپا کر	اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً

جمع کرنا مراد ہے نہ اس جسم کو جو ہم دنیا میں رکھتے ہیں بعد معدوم ہو جانے کے پھر پتلا بنا کر اُٹھانا۔ بعث کا اطلاق لشکر پر ان معنوں میں آتا ہے جب کہ اُن کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا جاتا ہے پس اس آیت میں خود خدا نے بعث کے معنوں کی تشریح کر دی ہے اور اس لئے اُس کے کوئی دوسرے معنی نہیں لئے جا سکتے ٭

سورہ حج میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اور تو دیکھتا ہے کہ زمین خشک ہو گئی پھر جب ہم برساتے ہیں اُس پر پانی تو پھولتی ہے اور بڑھتی ہے اور اُگاتی ہے ہر قسم کی خوش آیند چیزیں۔ یہ اس لئے ہے کہ اللہ وہی برحق ہے اور یہ کہ وہی زندہ کرتا ہے مردوں کو اور یہ کہ وہ ہر شے پر قادر ہے اور یہ کہ قیامت آنے والی ہے اُس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ اللہ اُٹھاویگا اُن کو جو قبروں میں ہیں ٭

وتری الارض ھامدۃ فاذا انزلنا علیھا الماء اھتزت وربت وانبتت من کل زوج بھیج ذلک بان اللہ ھو الحق وانہ یحیی الموتی وانہ علی کل شئ قدیر وان الساعۃ اٰتیۃ لاریب فیھا و اللہ یبعث من فی القبور۔

(۲۲۔ سورۃ الحج ۵، ۶، ۷) ٭

اور سورہ یسین میں فرمایا ہے۔ پھونکا جاویگا صور میں پس یکایک وہ قبروں میں سے اپنے پروردگار کے پاس دوڑینگے کہینگے اے وائے ہم پر کس نے اُٹھایا ہم کو ہمارے مرقد سے یہ وہ ہے جس کا وعدہ کیا تھا خدا نے اور سچ کہا تھا پیغمبروں نے یہ نہیں تھا مگر ایک تند آواز میں پھر دفعتہً وہ سب ہمارے پاس حاضر ہونے والے ہیں ٭

ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون۔ قالوا یویلنا من بعثنا من مرقدنا ھذا ما وعد الرحمن وصدق المرسلون ان کانت الا صیحۃ واحدۃ فاذا ھم جمیع لدینا محضرون۔

(۳۶۔ یسین ۵۱ - ۵۳)

اگرچہ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ نے اُن لوگوں کا قبروں میں سے اُٹھنا اُن کو جو بعث کے بسبب تیقین کرنے روح کے منکر محض تھے زیادہ تر یقین دلانے کو بالفاظ "من فی القبور" اور "من الاجداث" کے بیان فرمایا ہے۔ یعنی جن کو تم قبروں میں گڑا ہوا اور گلا سڑا خاک میں ملا ہوا سمجھتے ہو وہی قبروں میں سے اُٹھینگے۔ مگر درحقیقت مقصود اور موضوع کلام کا یہ نہیں ہے کہ وہ کہاں سے اُٹھینگے کیونکہ بہت سے ایسے ہیں جو قبروں میں نہیں ہیں آگ میں جلا دئیے گئے ہیں جانور کھا گئے ہیں بلکہ مقصود مردوں کا یعنی جن کو ہم مرا ہوا سمجھتے ہیں اور جن پر مردے کا اطلاق ہوتا ہے قیامت میں اُن کا موجود ہونا ہے لیکن اگر ہم کچھ غور نہ کریں اور یہی سمجھیں کہ جو لوگ قبروں میں دفن ہیں وہی اُٹھینگے تو بھی ان آیتوں سے یہ بات کہ اُن کا یہی جسم ہوگا جو دنیا میں رکھتے تھے کسی طرح سے پایا نہیں جاتا ٭

تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۲﴾ | برکت والا ہے اللہ پرورگار عالموں کا ﴿۵۲﴾

دن سب روحیں اکھٹی ہونگی اس آیت کو اُن جسموں کے جو دنیا میں تھے دوبارہ اُٹھنے سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے ✦

خدا تعالیٰ نے سورہ نازعات میں فرمایا ہے کہ۔ کہتے ہیں کہ کیا ہم لوٹائے جاوینگے اُلٹے قدموں۔ کیا جب ہونگے ہم ہڈیاں گلی ہوئی۔ کہتے ہیں کہ یہ (لوٹنا) اس وقت پھر آنا ہے نقصان کا۔ اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک سخت آواز ہے پھر یکایک وہ ایک میدان میں ہونگے جس میں نیند نہ آتی ہو۔

يقولون ائنا لمردودون فی الحافرة ائذا كنا عظاما نخرة قالوا تلك اذا كرة خاسرة فانما هی زجرة واحدة فاذا هم بالساهرة۔

(۷۹۔ سورۃ النازعات ۱۰-۱۴)

منکرین حشر کے جو یہ الفاظ ائذا كنا عظاما نخرة۔ اس آیت میں اور مثل اُس کے اور آیتوں میں آئے ہیں جیسے کہ۔ ائذا كنا ترابا وعظاما۔ اور من يحيی العظام وهی رميم۔ اور ائذا كنا عظاما ورفاتا ائنا لمبعوثون۔ یہ اُن کے اقوال اُسی خیال پر مبنی ہیں کہ وہ انسان کو بجز اس جسم موجودہ کے اور کچھ نہیں جانتے تھے یعنی روح کے وجود کے قائل نہ تھے اور اسی سبب سے وہ تعجب کرتے تھے کہ اس جسم کے گلجانے اور معدوم ہوجانے کے بعد پھر کیونکر وہ اُٹھیگا اور اسی استبعاد کے سبب وہ اس قسم کے شبہات کرتے تھے۔ روح کی حقیقت وہ نہیں سمجھ سکتے تھے بلکہ اُس کی ماہیت مثل دیگر اشیا کی ماہیت کے انسان کی سمجھ سے خارج تھی اور خدا تعالیٰ طرح طرح سے اُن کے استبعاد کو دُور کرتا تھا اور حشر کے ہونے پر یقین دلاتا تھا کبھی تمثیل میں اور کبھی اپنے قادر مطلق ہونے میں پس اُن الفاظ سے جو منکرین روح استبعاد رکھتے تھے اور اُن کے جواب تمثیلی یا اُس کے مقابلہ میں اظہار قدرت کرنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اُسی جسم کا جو وہ دنیا میں رکھتے تھے اور جس کا گلجانا اور معدوم ہوجانا کہتے تھے اُسی جسم کو خدا پھر اُٹھا دیگا ✦

سورہ مومن۔ سورہ صافات۔ سورہ واقعہ میں بالفاظ متحدہ خدا تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرجاوینگے اور ہم ہوجاوینگے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم اُٹھائے جاوینگے۔ اور سورہ واقعہ میں خدا نے فرمایا اور وہ کہتے تھے کہ کیا جب ہم مرجاوینگے اور ہوجاوینگے مٹی اور ہڈیاں کیا ہم پھر اُٹھائے جاوینگے کیا ہمارے اگلے باپ دادا بھی (اُٹھائے جاوینگے) کہدے کہ بیشک اگلے اور پچھلے ضرور اکھٹے کئے جاوینگے وقت دن معیّن میں۔

قالوا ائذا متنا وكنا ترابا وعظاما ائنا لمبعوثون۔

(ایضاً)

وكانوا يقولون ائذا متنا وكنا ترابا وعظاما ائنا لمبعوثون اوآباؤنا الاولون قل ان الاولين والآخرين لمجموعون الی ميقات يوم معلوم۔

(۵۶۔ سورۃ واقعہ ۴۷-۵۰)

اس آیت میں سوال تھا کہ کیا ہم اور ہمارے باپ دادا اُٹھائے جاوینگے اُس کا جواب یہ ملا کہ بیشک اکھٹے کئے جاوینگے اس سے صاف ظاہر ہے کہ جہاں جہاں قرآن مجید میں بعث کا لفظ آیا ہے اُس سے

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ	جان لو کہ اُسی کے لئے پیدا کرنا ہے اور حکم کرنا

خدا تعالٰے نے سورہ ملائکہ میں فرمایا ہے اور اللہ وہ ہے جس نے بھیجا ہے ہواؤں کو پھر اٹھاتی

۳- واللہ الذی ارسل الریاح فتثیر سحابا فسقناہ الی بلد میت فاحیینا بہ الارض بعد موتھا کذلک النشور۔ (۳۵ سورۃ ملائکہ ۱۰) + ہیں بادلوں کو پھر ہم اُس کو ہانک لیجاتے ہیں مرے ہوئے شہر کی طرف پھر اُس سے زندہ کرتے ہیں زمین کو اُس کے مر جانے کے بعد اسی طرح مردوں کا زندہ ہونا ہے۔

فی القاموس۔ النشر۔ احیاء المیت کالنشور والانشار۔ اس آیت میں تخرج کا لفظ استعمال نہیں ہوا بلکہ نشر کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ صرف مردوں کے پھر موجود ہونے کی تشبیہ ہے نہ اُس جسم کی جو دنیا میں موجود تھا قبر میں سے نکلنے کی +

ظاہر میں سورہ طٰہٰ کی آیت اس امر کی جو ہم نے بیان کیا مخالف معلوم ہوتی ہے کیونکہ اُس میں یہ

۴- منہا خلقناکم وفیہا نعیدکم ومنہا نخرجکم تارۃ اخریٰ۔ (۲۰ طٰہٰ - ۵۵) + لفظ منہا کا بھی موجود ہے جو سورہ اعراف کی آیت میں نہ تھا مگر ہرگز وہ آیت مخالف نہیں ہے

سورہ طٰہٰ میں خدا تعالٰے نے فرمایا کہ ہم نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اُسی میں پھر لیجاوینگے اور اُسی سے تم کو دوسری دفعہ نکالینگے۔ انسانوں کو خدا نے زمین میں سے پیدا کیا ماں کے پیٹ سے پیدا کیا ہے پس اُس کا زمین سے پیدا کرنا مجازاً بادنٰی ملابست بولا گیا ہے اسی طرح اُس کے مقابلہ میں زمین سے دوسری دفعہ نکلنا بھی مجازاً بادنٰی ملابست بولا ہے بس اس سے یہ مطلب کہ یہی جسم جو دنیا میں موجود تھا پھر دوبارہ زمین سے نکلیگا ثابت نہیں ہوتا +

ایک اور آیت بھی ہے جس کی تحقیق اسی مقام سے مناسب ہے اور وہ سورہ ق کی آیت

واستمع یوم ینادی المناد من مکان قریب یوم یسمعون الصیحۃ بالحق ذلک یوم الخروج۔ انا نحن نحیی ونمیت والینا المصیر یوم تشقق الارض عنہم سراعا ذلک حشر علینا یسیر۔ (۵۰- سورۃ ق - ۳۸ - ۴۳) + ہے خدا تعالٰے نے یوں فرمایا ہے کہ سُن ایک دن پکار نگا پکارنے والا پاس کے مقام سے - ایک دن سُنینگے زور کی آواز یہ ہے دن نکلنے کا یعنی اپنی اپنی جگہ سے روحوں کے معہ اُن اجسام کے جو مفارقت بدن کے وقت اُن کو حاصل ہوئی تھی نکلنے کا اور ایک جگہ جمع ہونے کا نہ یہ کہ اُن اجسام کا جو دنیا میں موجود تھے دوبارہ پتلا بنکر نکلنے کا -

اس کے بعد خدا نے فرمایا کہ بیشک ہم زندہ کرتے ہیں اور ہم مار ڈالتے ہیں اور ہماری طرف پھر آنا ہے جلدی کرتے ہوئے اُس دن کہ پھٹ جاویگی اُن سے زمین یہ اکٹھا کرنا ہم پر آسان ہے - اس جملہ سے یہ سمجھنا کہ زمین کا پھٹنا مردوں کے جسم کے نکلنے کا باعث ہوگا محض غلط خیال ہے بلکہ یوم تشقق الارض سے یوم قیامت مراد ہے - اور متعدد آیتوں میں یہ مضمون اسی مراد سے آیا ہے نتیجہ یہ ہے کہ قیامت کے

مُسَخَّرَاتٍ بِاَمْرِہٖ	جو تابعدار کئے گئے اُس کے حکم کے ساتھ

لمؤلفہ

فلاطوں طفلکے باشد بہ یونانے کہ من دارم — مسیحا رشک میدارد بہ درمانے کہ من دارم
زکفرِ من چہ میخواہی ز ایمانم چہ مے پرسی — ہماں یک جلوۂ عشق است ایمانے کہ من دارم
خدا دارم دلے بریاں زعشق مصطفےٰ دارم — ندارد ہیچ کافر ساز و سامانے کہ من دارم
زجبریل امیں قرآں بہ پیغامے نمیخواہم — ہمہ گفتار معشوق است قرآنے کہ من دارم
فلک یک مطلع خورشید دارد با ہمہ شوکت — ہزاراں ایچنیں دارد گریبانے کہ من دارم
زبرہان ایں ایماں سنگ آید در دو واحظ — ندارد ہیچ واعظ ہیچ برہانے کہ من دارم

اب ہم قرآن مجید کی اور آیتوں کو جو اس مضمون سے زیادہ تعلق رکھتی ہیں اس مقام پر لکھنے میں اور بتاتے ہیں کہ جب با معان نظر ان کو دیکھا جائے اور منکرین روح کے عقاید کو بھی مدنظر رکھا جائے تو ان سے اس جسم کا جو بنا ہوا ہے دوبارہ اُٹھنا ثابت نہیں ہوتا اور وہ آیتیں یہ ہیں ÷

خدا نے سورہ نوح میں فرمایا کہ خدا نے اُگایا تم کو زمین سے ایک قسم کا اُگانا پھر تم کو داخل کریگا

۱۔ واللہ انبتکم من الارض نباتا ثم یعیدکم فیھا ویخرجکم اخراجا۔ (۱۷۔ سورہ نوح ۱۶ و ۱۷)÷ — اُس میں اور نکالیگا تم کو ایک طرح کا نکالنا۔ انسان زمین سے مثل نباتات کے نہیں اُگا۔ اسی طرح مثل نباتات کے دوبارہ زمین سے نکلیگا پس یہ صرف تشبیہ معدوم ہونے کے بعد پھر پیدا ہونے کی ہے نہ اس بات کی کہ انسان بعد مرنے کے مثل نباتات کے پھر زمین سے نکلیگا۔ ویخرجکم اخراجا میں لفظ منہا کے ترک ہونے سے یعنی ویخرجکم منہا اخراجا نہ کہنے سے اس مطلب کو جو ہم نے بیان کیا اور زیادہ تقویت ہوتی ہے ÷

خدا تعالےٰ نے سورہ اعراف میں اس طرح پر بیان فرمایا ہے کہ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہواؤں

۲۔ ھو الذی یرسل الریاح بشرا بین یدی رحمتہ حتی اذا اقلت سحابا ثقالا سقناہ لبلد میت فانزلنا بہ الماء فاخرجنا بہ من کل الثمرات کذلک نخرج الموتی لعلکم تذکرون۔ (۷۔ سورۃ اعراف ۔ ۵۵) — کو خوشخبری دینے والیاں اپنی رحمت کے آنے کی یہاں تک کہ جب اُٹھاتی ہیں بوجھل بادل تو ہم ان کو ہانک لیجاتے ہیں مرے ہوئے شہر کو پھر اُس سے برساتے ہیں پانی پھر ہم اُس سے نکالتے ہیں ہر طرح کے میوے اسی طرح ہم نکالینگے مردوں کو۔ ادنےٰ تامل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں بھی صرف بعد معدوم ہونے کے پھر موجود ہونے کا بیان ہے اس سے زیادہ اور کسی چیز کا بیان نہیں اور اس مطلب کو سورہ ملائکہ کی آیت جو ابھی ہم لکھتے ہیں زیادہ صاف کر دیتی ہے ÷

اور (پیدا کیا) سورج کو اور چاند کو اور ستاروں کو	وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُ

اس سے صاف پیدا ہوتا ہے کہ نفس اور بدن دو چیزیں ہیں *

اب ہم یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ قرآن مجید سے بھی اس موجودہ جسم کا دوبارہ اٹھنا نہیں پایا جاتا بلکہ ایک اور قسم کے جسم کا ہونا ثابت ہوتا ہے خدا نے سورہ واقعہ میں فرمایا ہے کہ ہم نے تم کو پیدا کیا پھر کیوں نہیں تم مانتے۔ پھر کیا تم سمجھتے ہو جو کچھ تم عورتوں کے رحم میں ڈالتے ہو کیا تم اس کو پیدا کرتے ہو یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم نے مقدر کی ہے تم میں موت اور ہم اس بات سے پیچھے نہیں رہے یعنی عاجز نہیں ہیں کہ ہم بدل دیویں اوصاف تمہارے اور ہم تم کو پیدا کریں اس صفت میں جس کو تم نہیں جانتے *

نحن خلقناكم فلولا تصدقون افرءيتم ما تمنون ءانتم تخلقونه ام نحن الخالقون۔ نحن قدرنا بينكم الموت وما نحن بمسبوقين على ان نبدل امثالكم وننشئكم في ما لا تعلمون۔

(۵۶ سورۃ واقعہ ۵۷ - ۶۱)

اس آیت میں لفظ امثال کا جمع ہے لفظ مثل بفتح المیم والثاء کی اور تمام آیات ماسبق و مالحق سے جو اس سورۃ میں ہیں صاف ظاہر ہے کہ حالات حشر اس میں مذکور ہیں۔ خدا فرماتا ہے کہ ہم نے موت کو تم میں مقدر کیا ہے اور ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ جو اس زندگی میں تمہارے اوصاف ہیں اُن کو بدل دیں اور پیدا کریں ایسے اوصاف میں جن کو تم نہیں جانتے۔ لفظ پیدا کرنے سے صاف پایا جاتا ہے کہ موجودہ اوصاف کے معدوم ہونے کے بعد پیدا کرنا مراد ہے۔ جو لوگ روح کے قائل نہیں تھے اور وہی لوگ حیات بعد الموت کے قایل نہ تھے اور وہی لوگ ان آیتوں میں مخاطب ہیں اسی بدن کو جو انسان دنیا میں رکھتا ہے انسان کے اوصاف سمجھتے تھے۔ طویل القامت بادی البشرہ عریض الاظفار ماشی علے قدمیہ وغیرہ ذلک۔ اب خدا نے فرمایا کہ ان اوصاف یعنی اس جسم کے فنا ہونے کے بعد ہم اس بات سے عاجز نہیں ہیں کہ ان اوصاف کو بدل کر تم کو اور اوصاف میں یعنی دوسری قسم کے جسم میں جس کو تم نہیں جانتے پیدا کریں۔ پس آیت صاف دلیل اس بات کی ہے کہ حیات بعد الموت میں روح کے لئے یہ جسم جو دنیا میں ہے نہ ہوگا بلکہ ایک اور قسم کا جسم ہوگا *

یہ وہ حقایق ہیں جو نہ حکمت یونان میں پائے جاتے ہیں اور نہ فلسفہ و علم کلام میں بلکہ یہ انوار ہیں مشکوٰۃ نبوت محمدی صلے اللہ علیہ وسلم کے جو بلا واسطہ سفینہ سینہ منور محمدی سے سینہ احمدی میں پہنچے ہیں۔ گو کہ نابلدان کو چہ حقیقت ان انوار محمدی کو نعوذ باللہ کفر و زندقہ سے تعبیر کریں *

وما تلك الا سقتمة هدرت تجاش النفس بما يجس بها ثم قرت مع ان لكل جواد كبوة ولكل سفر نبوة *

يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا	بُلاتا ہے اُس کو جلد جلد

هناك - وجنس اخر يتوجب عند هيجان الارواح وانتفاخها ان يتجسد بجسد مثالى كالملائكة والشياطين - فلا يكون تلك الحياة مبتدأة بل لتكميل ما فيها مجازاة فتتصعد تلك الاجساد الى هيئة نسمية وتدخل فى حوادث الحشر (تفهيمات الهيه صفحه ۳۸۸) ❖

ایک ایسا نشان جس سے پہچانا جاوے کہ فلاں شخص کا بدن ہے پھر وہ بدن سے ملجاویگی - ایک اَور قسم کی روحیں آوینگی جو حیران ہونگی کہ اُن کی ریڑھ کی ہڈی کا نشان ہی باقی نہ رہا ہوگا تو وہ ایک ایسی زمین میں پھونکی جاوینگی جس سے اُن کو کچھ مناسبت ہوگی - ایک اَور قسم کی روحیں آوینگی جن کو روحوں کے برانگیختہ ہونے اور صور کے پُھکنے کے وقت ایک مثالی جسم اختیار کرنا ہوگا فرشتوں اور شیاطین کے جسم مثالی کی مانند - تو یہ زندگی کوئی ابتدائی زندگی نہ ہوگی بلکہ اُسی کی تکمیل کے لئے ہوگی جو اُن میں بطور بدلا دینے کے - پھر یہ جسم ایک ہیئت نسمیہ میں اوپر کو چڑھینگے اور حشر کے واقعات میں داخل ہونگے ❖

اس مقام پر شاہ ولی اللہ صاحب نے تین قسم کی روحیں ٹھیرائی ہیں اور اُن کے لئے متعدد قسم کے جسد قرار دئے ہیں مگر اس جسد کا جو دنیا میں قبل موت تھا اُس کا دوبارہ اُٹھنا اور اُس میں رُوح کا آنا بیان نہیں کیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب بھی اس جسد کے جو دنیا میں ہے اُٹھنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ اُنھوں نے بھی اُسی قول ثالث کو اختیار کیا ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ❖

شاہ ولی اللہ صاحب کے سوا اور مفسرین نے بھی اس قول کی تائید کی ہے چنانچہ تفسیر کبیر میں سورہ قیامہ

قوله - ايحسب الانسان ان لن نجمع عظامه - وتقريره ان الانسان هو هذا البدن فاذا مات تفرقت اجزاء البدن واختلطت تلك الاجزاء بسائر اجزاء التراب وتفرقت فى مشارق الارض ومغاربها فكان تميزها بعد ذلك من غيرها محالا فكان البعث محالا - واعلم ان هذه الشبهة ساقطة من وجهين - الاول - لا نسلم ان الانسان هو هذا البدن فلم لا يجوز ان يقال انه شئ مدبر لهذا البدن فاذا فسد هذا البدن بقى هو حيا كما كان وحينئذ يكون الله تعالى قادرا على ان يرده الى اى بدن شاء واراد وعلى هذا القول يسقط السؤال وفى الاية اشارة الى هذا لانه اقسم بالنفس اللوامه ثم قال ايحسب الانسان ان لن نجمع عظامه وهو تصريح بالفرق بين النفس والبدن -

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحه ۳۰۸)

کی تفسیر میں یہ تقریر لکھی ہے کہ جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ انسان تو یہی موجودہ بدن ہے پھر جب انسان مرگیا تو بدن کے اجزا متفرق ہوگئے اور مٹی میں بلکہ مشرق سے مغرب تک اور مغرب سے مشرق تک پھیل گئی اب ان اجزا کا دوسری مٹی کے اجزا سے ممتاز ہونا ناممکن ہے تو قیامت بھی ناممکن ہوگی تو یہ اعتراض دو طور سے مندفع ہوتا ہے (۱) ہم کو یہ تسلیم نہیں کہ انسان اس بدن کا نام ہے ممکن ہے کہ وہ ایک ایسی چیز ہو جو اس بدن کی مدبر ہو اور جب بدن خراب ہو جاوے تو وہ اپنی حالت پر زندہ رہے اب خدا کو اس بات پر قدرت ہے کہ اُس کو کوئی اور بدن دیدے چنانچہ اس آیت میں بھی اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کیونکہ خدا نے پہلے تو نفس لوامہ کی قسم کھائی پھر فرمایا کہ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم اُس کی ہڈیاں نہ اکٹھی کرینگے -

ڈھانک دیتا ہے دن رات کو	یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ

وقالوا ان ھی الا حیاتنا الدنیا وما نحن بمبعوثین ۔ ولو تریٰ اذ وقفوا علیٰ ربھم قال الیس ھذا بالحق قالوا بلیٰ وربنا (۲ سورۃ انعام ۳۰ و ۳۱)

کیا ہے مرف دنیا کی زندگی ہے اور ہم پھر اُٹھنے والے نہیں ہیں خدا نے فرمایا کہ جب تو دیکھیگا اُن کو اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوا تو خدا اُن سے کہیگا کہ کیا یہ سچ نہیں ہے اُس وقت وہ کہینگے کہ ہاں قسم ہمارے پروردگار کی یہ سچ ہے ۔

سورہ صافات میں ہے کہ وہ لوگ کہینگے کہ کیا جب ہم مرجاوینگے اور مٹی اور ہڈیاں ہوجاوینگے

ائذا متنا وکنا ترابا وعظاما ائنا لمدینون ۔ (۷ سورۃ صافات ۵۱)

کیا بدلا دیے جاوینگے یعنی اعمال کی سزا و جزا ہم کو دیجاویگی پس اس سے صاف ثابت ہے کہ اُن لوگوں کو موت کے بعد جزا و سزا ہونے سے استبعاد تھا اور اس استبعاد کا سبب بجز روح کے اور کچھ نہیں ہوسکتا اور اس سے بخوبی روشن ہوتا ہے کہ اس مباحثہ کا موضوع درحقیقت اس جسم کا جو ہم دنیا میں رکھتے ہیں دوبارہ پیدا ہونا یا اُٹھنے کا تھا ہی نہیں بلکہ جزا و سزا کا بعد موت ہونا موضوع تھا ۔ اور یہی سبب ہے کہ ہم ان تمام آیتوں کا معدوم جسم کے دوبارہ موجود ہونے سے کچھ تعلق ہی نہیں سمجھتے ۔

اب اس بات کو ذہن میں رکھکر آیات حشر واسطے تردید عقیدہ عدم یقین روح کے نازل ہوئی ہیں قرآن مجید پر غور کیا جاوے تو ظاہر ہوتا ہے کہ موضوع اُس بحث کا اس جسم کے جو ہم اس دنیا میں رکھتے ہیں دوبارہ اٹھنے کا ہے ہی نہیں اور نہ قرآن مجید میں اس جسم کے دوبارہ اُٹھنے کا ذکر ہے ۔ جب کہ وہ لوگ روح کے قائل نہ تھے تو ثواب و عقاب کا حال سنکر اُن کو تعجب ہوتا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جب آدمی مرگیا تو گل سڑکر معدوم ہوگیا ثواب یا عذاب کیسا اور کس پر اور متعجب ہوکر کہتے تھے کہ کیا ہم پھر زندہ ہونگے کیا ہماری گلی ہوئی ہڈیاں پھر بھی اُٹھینگی کیونکہ وہ لوگ بغیر اس دنیا کی زندگی اور بدون اس جسم کے جو دنیا میں تھا انسان کا موجود ہونا جس پر عذاب ہو یا ثواب ملے نہیں سمجھتے تھے ۔ خدا نے متعدد طرح سے اس کو سمجھایا اور حشر کے ہونے پر یقین لایا اور اُس پر اپنے قادر ہونے کو متعدد مثالوں سے بتایا مگر کہیں نہیں کہا کہ یہی جسم جو دنیا میں ہے پھر اُٹھیگا اور اُسی جسم میں پھر جان ڈالیجاویگی ۔

شاہ ولی اللہ صاحب اس جسم کے جو دنیا میں ہے دوبارہ اُٹھنے کے قائل نہیں ہیں چنانچہ

نفقوم (ای بعد وقوع الواقعات) النسمۃ وھی اشد شئ تماما بالجسد ونفس عجب ذنبھا ای الاتی الذی بہ تعرف انہ بدن فلان فیلحق بالجسد۔ وھی جنس اخرھا یبۃ ولا لکن لم یبق عجب فی نبہا انتفخ فی جسد من الارض باعتدال

اُنھوں نے تفہیمات الٰہیہ میں بعد بیان واقعات قیامت کے لکھا ہے کہ اُس کے بعد نفوس جو مرگئے ہیں یعنی جو صاحب نفوس کہ مرگئے ہیں اُن کے نفوس کھڑے ہوجاوینگے اور اُن کا تعلق جسم سے قوی تر ہوگا اور ریڑھ کی ہڈی باقی رہ جاویگی یعنی

فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ	چھ دن میں پھر قایم ہوا عرش پر

میرے نزدیک قول ثالث جو مذہب اکثر محققین کا ہے صحیح ہے صرف اس قدر اختلاف ہے کہ میں اُن بزرگوں کی اس رائے کو کہ جب خدا تعالےٰ حشر کرنا چاہیگا تو ہر ایک روح کے لئے ایک جسم پیدا کر دیگا جس سے وہ روح متعلق ہو جاویگی تسلیم نہیں کرتا میرے نزدیک یہ بات ہے کہ روح نسمہ سے جب ملجاتی ہے تو خود ایک جسم پیدا کر لیتی ہے اور جب انسان مرتا ہے اور روح اُس سے علحدہ ہوتی ہے تو خود ایک جسم رکھتی ہے ۔ جیسے کہ مسئلہ خامسہ میں ہم نے بیان کیا ہے پس حشر میں کوئی نئی زندگی نہیں ہے بلکہ پہلی ہی زندگی کا تتمہ ہے شاہ ولی اللہ صاحب کا بھی یہی قول ہے جیسا کہ اُنھوں نے حجۃ اللہ البالغہ میں کہا ہے ✤

ان حشر الاجساد واعادۃ الارواح الیہا لیست حیوٰۃ مستانفۃ انما ہی تتمۃ النشاۃ المتقدمۃ بمنزلۃ التخمۃ لکثرۃ الاکل کیف ولولا ذلک لکانوا اغیار الاولین ولما اخذوا بما عملوا ۔ (حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۳۶)

جسموں کا اُٹھنا اور روحوں کا اُن میں پھر آنا یہ کوئی نئی زندگی نہیں ہے بلکہ اُسی پہلی زندگی کا تتمہ ہے جس طرح زیادہ کھا جانے سے بدہضمی ہو جاتی ہے اگر ایسا نہ ہو تو لازم آوے کہ یہ کوئی دوسری خلقت ہو اور اُن لوگوں کے کئے کا (یعنی جو دنیا میں تھے) کچھ بدلا ہی نہ ہو ✤

قرآن مجید سے بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے بشرطیکہ تمام آیات ماسبق و مالحق پر بامعان نظر ایک مجموعی حالت سے غور کیا جاوے نہ فرداً فرداً اور ایک مضمون کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ۔ اول یہ بات قابل غور ہے کہ کونسے عقیدہ کے رد کرنے کے لئے قرآن مجید میں آیات حشر و نشر وارد ہوئی ہیں ۔ خود قرآن مجید سے پایا جاتا ہے کہ جن لوگوں کا عقیدہ یہ تھا کہ روح کوئی چیز نہیں ہے انسان پیدا ہوتا ہے اور پھر مر کر نسیاً منسیاً ہو جاتا ہے ہوا ہوا میں مٹی مٹی میں مل جاتی ہے اور کچھ نہیں رہتا اُس عقیدہ کی تردید کے لئے آیات حشر و نشر نازل ہوئی ہیں چنانچہ خدا تعالےٰ نے

وقالوا ما ہی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیی وما یہلکنا الا الدہر وما لہم بذلک من علم ان ہم الا یظنون واذا تتلی علیہم اٰیاتنا بینات ما کان حجتہم الا ان قالوا ائتوا باٰبائنا ان کنتم صٰدقین (۴۵ سورۃ جاثیہ ۲۳ - ۲۴) ۔

سورہ جاثیہ میں اُن لوگوں کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری دنیا کی یہ زندگی کیا ہے ہم مرتے ہیں اور ہم جیتے ہیں اور ہم کو زمانہ ہی مارتا ہے نہ اور کوئی ۔ خدا نے کہا کہ اُن کو اُس کا علم نہیں ہے وہ صرف ایسا گمان کرتے ہیں ۔ اور جب اُن پر ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو اُن کی حجت بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوتی کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کو لے آؤ اگر تم سچے ہو ✤

اسی کی مانند سورہ انعام میں بھی خدا تعالےٰ نے اُن کا قول نقل کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہماری یہ

بیشک تمہارا پروردگار وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو	إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ

حشر اجساد

حشر اجساد کی نسبت جیسا کہ شرح مواقف میں لکھا ہے پانچ مذہب ہیں ❊

إعلم ان الاقوال الممكنة في مسئلة المعاد لا تزيد عن خمسة (الاول) ثبوت المعاد الجسماني فقط وهو قول اكثر المتكلمين النافين للنفس الناطقة (والثاني) ثبوت المعاد الروحاني فقط وهو قول الفلاسفة الالهيين (والثالث) ثبوتهما معاً وهو قول كثير من المحققين كالحليمي والغزالي والراغب ابو زيد الدبوسي ومعمر من قدماء المعتزله وجمهور متاخري الامامية وكثير من الصوفية فانهم قالوا الانسان بالحقيقة هو النفس الناطقة وهي المكلف والمطيع والعاصي والمثاب والمعاقب والبدن يجري منها مجرا الآلة والنفس باقية بعد فساد البدن فاذا اراد الله حشر الخلائق خلق لكل واحد من الارواح بدنا يتعلق به ويتصرف فيه كما كان في الدنيا (الرابع) عدم ثبوت شي منهما وهذا قول القدماء من فلاسفة الطبيعيين (والخامس) التوقف في هذه وهو المنقول عن جالينوس فانه قال لم يتبين لي ان النفس هل هي المزاج فينعدم عند الموت فيستحيل اعادتها او هي جوهر باق بعد فساد البنية فيمكن المعاد (شرح مواقف)

معاد کے مسئلہ میں جو اقوال کہے جا سکتے ہیں وہ صرف پانچ ہیں ❊

(۱) صرف معاد جسمانی کا ثبوت اور یہ اکثر ان متکلمین کا مذہب ہے جو نفس ناطقہ کا انکار کرتے ہیں (۲) صرف معاد روحانی کا ثبوت یہ مذہب فلاسفہ الٰہیین کا ہے (۳) دونوں کا ثبوت، اور یہی اکثر محققوں کا مذہب ہے مثلاً حلیمی۔ غزالی۔ راغب۔ ابو زید الدبوسی۔ معمر (جو کہ قدیم معتزلیوں میں سے ہے) اور عموماً متاخرین شیعہ اور اکثر صوفیوں کا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان حقیقت میں صرف نفس ناطقہ کا نام ہے وہی مکلف ہے وہی عاصی اور مطیع ہے اسی پر ثواب عذاب ہوتا ہے اور بدن تو بجائے ایک آلہ کے کام دیتا ہے جسم خراب ہوجاتا ہے پھر بھی نفس باقی رہتا ہے پس جب خدا قیامت کے دن مخلوقات کو اٹھانا چاہیگا تو ہر ایک روح کے لئے ایک مخصوص جسم بناویگا جس سے روح کا تعلق ویسا ہی ہوگا جیسا کہ دنیا میں تھا (۴) ان دونوں میں سے کسی کا ثبوت نہیں فلاسفہ طبیعیین میں سے قدما کا یہی مذہب ہے (۵) بالکل سکوت اختیار کرنا یہ مذہب جالینوس سے منقول ہے اس کا قول ہے کہ مجھ کو یقین ثابت ہوتا کہ نفس آیا مزاج ہے تو موت کے وقت معدوم ہوجاویگا تو اس کا اعادہ ناممکن ہوگا یا وہ ایک جوہر ہے جو بدن کے خراب ہوجانے پر باقی رہتا ہے اس حالت میں معاد بھی ممکن ہوگی ❊

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۱﴾	کس بات کا وہ انتظار کرتے ہیں بجز اُس کے (یعنی اُس وعدہ کے) سچے ہونے کی جس دن کہ آجاویگا اُس کا سچا ہونا کہینگے وہ لوگ جو پہلے اس کو بھول گئے تھے بیشک آئے تھے ہمارے پروردگار کے رسول برحق، پھر کیا ہمارے لئے ہیں شفاعت کرنے والوں میں سے تاکہ ہماری شفاعت کریں یا ہم کو پلٹا دیا جاوے (یعنی دنیا میں) تاکہ ہم عمل کریں برخلاف اُس کے جو ہم عمل کرتے تھے۔ بیشک اُنہوں نے نقصان کیا اپنا آپ اور کھویا گیا اُن کے پاس سے جو وہ افترا کرتے تھے ﴿۵۱﴾

اسی طرح روح بھی عالم آخرت سے معرفت کے انوار حاصل کرتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ اس آیت کی تفسیر قیامت کی علامتوں سے کرنی اس سے کہیں بہتر ہے کہ اُس کی تفسیر موت کی علامتوں سے کی جاوے"۔

صاحب تفسیر کبیر کا یہ کہنا کہ اس آیت کی تفسیر علامات قیامت سے کرنی بہ نسبت علامات موت کے بہتر ہے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا الفاظ کلا اذا بلغت التراقی وقیل من راق وظن انه الفراق والتفت الساق بالساق الی ربك یومئذ المساق بالکل شاہد اس بات پر ہیں کہ اس تمام سورہ میں جو حالات مذکور ہیں وہ حالات عند الموت کے ہیں۔ جمع الشمس والقمر کی جو توضیح تفسیر کبیر میں بیان ہوئی ہے وہ بھی دور از کار ہے۔ خسف قمر یعنی آنکھوں کی روشنی جانے اور آنکھوں کے بیٹھ جانے کے بیان کے بعد جمع الشمس والقمر کا لفظ صاف دلالت کرتا ہے اُن دونوں میں تمیز نہ رہنے کا چاند کا تعلق رات سے ہے اور سورج کا دن سے اس لئے اُن دونوں سے رات دن کا کنایہ کیا گیا ہے اور مطلب یہ ہے کہ موت کے وقت اس بات کی تمیز کہ دن ہے یا رات کچھ نہ ہوگی۔

ہمارے اس بیان سے یہ مطلب نہیں ہے کہ جو واقعات کائنات پر ایک دن گذرنے والے ہیں اور جن کا بیان پہلے ہو چکا وہ نہ ہونگے بلکہ وہ اپنے وقت پر ہونگے اور جو کچھ ان میں ہونا ہے وہ ہوگا اور اُس زمانہ کے انسان اور وحوش وطیور پر جو کچھ گذرنا ہے گذریگا اور اُس وقت جو حال روح کا اور ملائکہ کا ہونا ہے وہ ہوگا۔ مگر جو لوگ اُس سے پہلے مر چکے ہیں اُن کے لئے قیامت اُسی وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ وہ مرے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۰﴾	اور بیشک ہم نے اُن کو لا دی کتاب، ہم نے اُس کو مفصل کر دیا ہے اپنے علم[۱] پر ہدایت کرنے والی[۲] اور رحمت والی اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ﴿۵۰﴾

ہے۔ پھر کہا جاتا ہے۔ جھاڑنے پھونکنے والا۔ پھر چُپ ہو جاتا ہے۔ اور جان لیا کہ بیشک اب جدائی ہے اور لپیٹ لیا ایک پنڈلی کو دوسری پنڈلی سے۔ اُس دن تیرے پروردگار کے پاس چلنا ہے +

یہ تمام حالت جو خدا نے بتائی انسان پر مرنے کے وقت گذرتی ہے اور اس سوال کے جواب میں کہ قیامت کا دن کب ہو گا بتائی گئی ہے اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہر انسان کی اصلی قیامت اُس کا مرنا ہے اور ،، من مات فقد قامت قیامتہ ،، بہت صحیح و سچا قول ہے۔ اگرچہ اگلے علما نے اس باب میں اختلاف کیا ہے کہ انسان کی ایسی حالت کب ہو گی بعضوں نے کہا کہ موت کے وقت بعضوں نے کہا کہ بہشت کے وقت بعضوں نے کہا کہ دوزخ کو دیکھنے کے وقت مگر قرآن مجید کی عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ یہ بیان موت کے وقت کی حالت کا ہے جس میں ذرا بھی شک نہیں ہو سکتا جن عالموں نے اس حالت کو وقت موت کے حالت قرار دیا ہے اُنہوں نے خسف قمر کے لفظ سے آنکھ کی روشنی کا جاتا رہنا مراد لیا ہے تفسیر کبیر میں ہے " جو لوگ کہ آنکھ کے چوندھیانے کو

فامامن یجعل برق البصر من علامات الموت قال معنی وخسف القمر اے ذھب ضوء البصر عند الموت تقال عین خاسفۃ اذا فقئت حتی غابت حدقتہا فی الراس واصلہا من خسف الارض اذا ساخت بما علیہا و قولہ جمع الشمس والقمر کنایۃ عن ذھاب الروح الی عالم الاخرۃ کان الاخرۃ کالشمس فانہ یظھر فیہا المغیبات وتتضح فیہا المبہمات و الروح کالقمر کما ان القمر یقبل النور من الشمس فکذا الروح تقبل نور المعارف من عالم الاخرۃ ولا شک ان تفسیر ھذہ الایۃ بعلامات القیامۃ اولی من تفسیرھا بعلامات الموت واسلم لمطابقتہا۔

موت کی علامت قرار دیتے ہیں وہ "خسف القمر" کے معنی یہ کہتے ہیں کہ نگاہ کی روشنی جاتی رہیگی۔ عرب میں جب آنکھ پھوٹ جاوے یہاں تک کہ ڈھیلا سر میں بیٹھ جاوے تو کہتے ہیں "عین خاسفۃ" یہ محاورہ حسف الارض سے نکلا ہے جس کا استعمال زمین کے دھنس جانے کے وقت ہوتا ہے۔ اور خدا کا یہ قول "جمع الشمس والقمر" روح کے عالم آخرت کی طرف چلے جانے سے کنایہ ہے گویا وہ دوسری دنیا ایک آفتاب ہے کیونکہ اُس میں چھپی اور مبہم باتیں کھل پڑینگی اور روح گویا چاند ہے جس طرح چاند آفتاب سے روشنی پاتا ہے +

---

[۱] علی علم ای بعلم منا (تفسیر ابن عباس) +

[۲] قولہ ھدی و رحمۃ قال الزجاج ھدی فی موضع نصب ای فصلناہ ھادیا و ذا رحمۃ (تفسیر کبیر) +

الَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فَالْیَوْمَ نَنْسٰهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا وَمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ (۴۹)	جنہوں نے ٹھیرالیا تھا اپنے دین کو تماشا اور کھیل اور اُن کو دھوکا دیا دنیا کی زندگی نے۔ پھر آج کے دن ہم اُن کو بھول جاوینگے جیسے کہ وہ بھول گئے تھے اپنے ملنے کے دن کو جو یہ ہے اور جیسے کہ وہ ہماری نشانیوں سے انکار کرتے تھے (۴۹)

کیا ہے کہ عجائب مخلوقات خدا کی جن میں مخلوقات زمین اور آسمان اور کواکب زیادہ تر عجیب دکھائی دیتے ہیں اور جن کی پرستش انواع اقسام سے لوگوں نے اختیار کی تھی اُس کو چھوڑیں اور صرف خدا تعالےٰ کی جو اُن سب چیزوں کا پیدا کرنے والا اور پھر فنا کرنے والا ہے پرستش اختیار کریں +

یہ قیامت جس کا اوپر ذکر ہوا یہ تو کائنات پر گذریگی مگر اصلی قیامت جو انسان پر گذریگی وہ وہ ہے جس کا ذکر سورہ قیامہ میں آیا ہے اور اُس کا خلاصہ ان دو لفظوں میں ہے کہ " من مات فقد قامت قیامتہ " خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ انسان پوچھتا ہے کہ کب ہوگا قیامت کا دن پھر (وہ دن اُس وقت ہوگا) جب کہ آنکھیں پتھرا جاوینگی چاند کالا پڑجائیگا یعنی آنکھوں کی روشنی جاتی رہیگی اور آنکھیں اندر بیٹھ جاوینگی چاند سورج یعنی رات دن اکٹھے ہوجاوینگے کہ اُس کو کچھ تمیز نہ رہیگی کہ دن ہے یا رات سب چیز دھندلی دکھائی دیگی اور اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ انسان دن میں کسی وقت مرے اُس کو شام کا وقت دکھائی دیگا۔ انسان کہیگا کہ اس دن بھاگ جانے کی کہاں جگہ ہے ہرگز کوئی جگہ پناہ کی نہیں۔ تیرے پروردگار ہی کے پاس اُس دن ٹھیرنے کی جگہ ہے۔ اُس دن جان لیگا انسان کہ اُس نے کیا آگے بھیجا ہے

یسئل ایان یوم القیامة۔ فاذا برق البصر وخسف القمر وجمع الشمس والقمر یقول الانسان یومئذ این المفر کلا لا وزر الی ربك یومئذ المستقر ینبؤ الانسان یومئذ بما قدم واخر بل الانسان علی نفسه بصیرة ولو القی معاذیرہ

(۷۵ سورۃ قیامہ)

وجوہ یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة و وجوہ یومئذ باسرة تظن ان یفعل بها فاقرة کلا اذا بلغت التراقی وقیل من راق وظن انه الفراق والتفت الساق بالساق الی ربك یومئذ المساق۔

(۷۵ سورۃ قیامہ)

اور کیا پیچھے چھوڑا ہے۔ بلکہ انسان اپنے آپ کو خوب پہچانتا ہے گو کہ درمیان میں بہت سے عذر لاڈالے +

اس کے بعد یہ فرمایا ہے کہ اُس دن کتنے مُنہ تروتازہ ہونگے اپنے پروردگار کی طرف دیکھتے ہونگے اور اُس دن کتنے مُنہ تھوتھائے ہوئے ہونگے گمان کرینگے کہ اُن پر مصیبت پڑنے والی ہے۔ جس وقت کہ جان نرخرے میں پہنچتی ہے اور کہا جاتا ہے کون۔ پھر آواز نہیں نکلتی اتنا ہی کہکر جب ہوجاتا

اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۷﴾	(اور بہشت میں جانے والوں کی طرف اشارہ کرکے دوزخ میں جانے والوں سے کہینگے) کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر تم قسم کھاتے تھے کہ خدا اُن کو ہرگز رحمت نہیں پہنچانے کا۔ (اس وقت خدا اُن بہشت میں جانے والوں سے کہیگا) کہ جنت میں داخل ہو تم کو نہ کچھ ڈر ہے اور نہ تم غمگین ہوگے ﴿۴۷﴾

لا بدوان یکون الموصوف موجودا فلما کان الموصوف بالتبدل ھو ھذہ الارض وجب کون ھذہ الارض باقیۃ عند حصول ذلک التبدل و لا یمکن ان تکون ھذہ الارض باقیۃ مع صفاتھا عند حصول ذلک التبدل و الا لامتنع حصول التبدل فوجب ان یکون الباقی ھو الذات فثبت ان ھذہ الایۃ تقتضی کون الذات باقیۃ والقائلون بھذا القول ھم الذین یقولون عند قیام القیامۃ لا یعدم اللہ الذوات و لا الاجسام و انما یعدم صفاتھا واحوالھا۔ واعلم انہ لا یبعد ان یقال المراد من تبدیل الارض والسموات ھو انہ تعالیٰ یجعل الارض جھنم ویجعل السموات الجنۃ والدلیل علیہ قولہ تعالیٰ کلا ان کتاب الابرار لفی علیین وقولہ کلا ان کتاب الفجار لفی سجین۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۸۰) +

ذات کا بدل جانا مراد ہے۔ ابن مسعود کہتے ہیں کہ یہ زمین بدلکر چمکتی ہوئی چاندی بن جاویگی جس پر کبھی خونریزی ہوئی ہے اور نہ کبھی اُس پر گناہ کیا گیا ہے۔ بعضوں نے قول اول کو ترجیح دی ہے وہ یہ کہتے ہیں کہ آیت میں اسی زمین کی نسبت تبدیلی کا لفظ ہے اور چونکہ تبدل ایک صفت ہے تو ضرور ہے کہ اُس کے تحقق کے وقت یہی موصوف یعنی یہی زمین موجود ہو یہ بھی ظاہر ہے کہ تبدل کے وقت زمین کی صفتیں تو موجود ہونگی نہیں تو اب ذات ہی کا باقی رہنا آیت سے لازم آیا۔ جن لوگوں کا یہ مذہب ہے وہ کہتے ہیں کہ قیامت قایم ہونے کے وقت اللہ پاک جسموں اور ذاتوں کو سرے سے معدوم نہ کرویگا بلکہ صرف اُن کی صفتیں معدوم ہوجاوینگی۔ ممکن ہے کہ زمین اور آسمان کے بدلنے سے یہ مراد لی جاوے کہ زمین کو خدا دوزخ بناویگا اور آسمانوں کو بہشت۔ اور خدا کا یہ قول "کلا ان کتاب الابرار لفی علیین کلا ان کتاب الفجار لفی سجین" اس مطلب کی دلیل ہے +

ان تمام حالات سے جو اوپر مذکور ہوئے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن اس دنیا کے تمام حالات بدل جاوینگے جو چیزیں کہ اب موجود ہیں وہ معدوم نہیں ہونے کیں اُن کے خواص و اوصاف تبدیل ہوجاوینگے +

شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی تفہیمات میں واقعات قیامت کو وقائع جو سے تعبیر کیا ہے

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۶﴾

اور پکارینگے پہچان والے (دوزخ میں جانیوالے) لوگوں کو پہچانکر اُن کو اُن کی پیشانیوں سے کہینگے کہ نہ بے پرواہ کیا تم کو تمہارے جمع کئے ہوئے نے جس پر کہ تم تکبر کرتے تھے ﴿۴۶﴾

صفتیں بدل جاویں۔ دوسرے اس طرح کہ اُس شے کی ذات فنا ہو جائے اور اس کی جگہ دوسری موجود ہو جائے۔ اس کے بعد تفسیر کبیر میں بموجب محاورہ عرب کے اس کی مثالیں لکھی ہیں کہ تبدل کے لفظ کا استعمال دونوں طرح پر ہوتا ہے۔ اسی بنا پر ایک گروہ عالموں کی یہ رائے ہے کہ اس

ففی الآیۃ قولان۔ الاول ان المراد تبدیل الصفۃ لا تبدیل الذات قال ابن عباس رضی اللہ عنہما ھی تلک الارض الا انہا تغیرت فی صفاتہا فتسیر عن الارض جبالہا وتفجر بحارہا وتسوی فلا یری فیہا عوج ولا امت۔ وروی ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال یبدل اللہ الارض غیر الارض فیبسطہا ویمدھا مد الادیم العکاظی فلا تری فیہا عوجا ولا امتا۔ وقولہ والسموات ای تبدل السموات غیر السموات وھو کقولہ علیہ السلام لا یقتل مومن بکافر ولا ذو عہد فی عہدہ والمعنی ولا ذو عہد فی عہدہ بکافر وتبدیل السموات بانتثار کواکبہا وانفطارہا وتکویر شمسہا وخسوف قمرہا وکونہا ابوابا وانہا تارۃ تکون کالمہل وتارۃ تکون کالدھان۔ والقول الثانی ان المراد تبدیل الذات قال ابن مسعود تبدل بارض کالفضۃ البیضاء النقیۃ لم یسفک علیہا دم ولم تعمل علیہا خطیئۃ فھذا شرح القولین ومن الناس من رجح القول الاول قال لان قولہ یوم تبدل الارض المراد ھذہ الارض وتبدل صفۃ مضافۃ الیہا وعند حصول الصفۃ

آیت میں تبدیل سے آسمان و زمین کی صفات کا تبدیل ہو جانا مراد ہے نہ اُن کی ذات کا۔ ابن عباس نے فرمایا کہ زمین سے یہی زمین مراد ہے مگر اُس کی صفتیں تبدیل ہو جاوینگی۔ پہاڑ زمین پر سے اُڑ جاوینگے دریا پھوٹ نکلینگے زمین ایسی برابر ہو جاویگی کہ کہیں اونچا نیچا نہ دکھائی دیگا۔ حضرت ابوہریرہ نے جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ خدا زمین کو بدلدیگا اور عکاظی چمڑے کی طرح اُس کو پھیلا کر بچھا دیگا کہیں اُس میں اونچا نیچا نظر نہ آئیگا۔ خدا کا یہ قول "والسموات" اس کے بھی یہی معنی ہیں کہ آسمان بدل کر اور طرح کا کر دیا جاویگا جیسا کہ اس حدیث کا مطلب ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے نہیں مارا جاویگا اور نہ وہ کافر جس سے عہد و پیمان ہے عہد و پیمان کے زمانہ تک "یعنی وہ شخص بھی کافر کے بدلے نہ مارا جاویگا جس سے معاہدہ ہو چکا ہے معاہدہ کے زمانہ تک" آسمانوں کا بدلنا یوں ہوگا کہ ستارے متفرق ہو کر ٹوٹ پھوٹ جائینگے آفتاب لپیٹ دیا جاویگا چاند دھندلا ہو جائیگا آسمان میں دروازے ہو جاوینگے اور وہ کبھی تو تیل کی تلچھٹ کا سا ہوگا اور کبھی سُرخ چمڑے کی مانند دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ تبدیل سے آسمان و زمین کی

وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۵﴾	اور جب پھیری جاویگی اُن کی آنکھیں اہل دوزخ کی طرف (یعنی اُن کی طرف جو دوزخ میں جانیوالے ہیں) کہینگے اے پروردگار ہمارے مت کر یو ہم کو ظالم لوگوں کے ساتھ ﴿۴۵﴾

ہوگی ۔ زمین کھینچی جاویگی یا پھیلائی جاویگی اور جو کچھ اُس میں ہے وہ ڈال دیگی اور خالی ہوجاویگی +

پہاڑوں ۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ وہ رنگ برنگ کی دُھنی ہوئی اون کی مانند ہوجاوینگے ۔ صُور پھکنے پر پہاڑ اُٹھائے جاوینگے اور توڑ دئے جاوینگے ۔ وہ ہلائے جاوینگے اور بھربھری ریت کے ٹیلے کی مانند ہوجاوینگے ۔ وہ ذرہ ذرہ کئے جاوینگے اور غبار کی مانند ہوجاوینگے ۔ وہ جمے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں بادلوں کی چال چلتے ہونگے یا ایک طرح کے چلنے سے چلتے ہونگے ۔ وہ سراب یعنی چمکتے ہوئے ریت کی مانند ہوجاوینگے +

سمندر ۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ آگ کی مانند بھڑکائے جاوینگے ۔ اپنی جگہ سے پھوٹ بہینگے +

آسمانوں ۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ آسمان بدل دئے جاوینگے سوائے ان آسمانوں کے ۔ وہ تیل کی تلچھٹ کی مانند ہوجاوینگے ۔ وہ پھٹ جاوینگے سُرخ رنگے ہوئے چمڑے کی مانند ہونگے اور ڈھیلے وسُست پڑجاوینگے اور دروازے دروازے کی مانند ہوجاوینگے وہ خدا کے دائیں ہاتھ پر لپیٹ لئے جاوینگے ۔ وہ دھوئیں کی مانند ظاہر ہونگے ۔ وہ پھٹ جاوینگے اور ایک طرح کے چلنے سے چلینگے ۔ اُن کی کھال کھینچی جاویگی +

سورج اور تاروں ۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ ۔ سورج لپیٹ لیا جاویگا تارے جھڑ جاوینگے اور ایک جگہ آیا ہے کہ تارے دُھندلے ہوجاوینگے بے نور ہوجاوینگے +

انسان اور نفوس ۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ ۔ آدمی ٹڈیوں کی مانند پراگندہ ہوجاوینگے ۔ لڑکے بڈھے ہوجاوینگے آدمی یا روحیں فوج فوج آوینگے ۔ وحشی جانور آدمیوں کے ساتھ اکٹھے ہوجاوینگے +

سورہ الرحمٰن میں کہا ہے کہ جو کوئی زمین پر ہے فنا ہونے والا ہے اور پروردگار کی ذات باقی رہیگی +

اب غور کرنا چاہیئے کہ اگلے علما نے ان آیتوں کی نسبت کیا کہا ہے اور کیا نتیجہ نکالا ہے ۔

سورہ ابراہیم میں جو یہ آیا ہے کہ قیامت میں زمین اور آسمان بدل جاوینگے اُس کی نسبت تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ بدلنا دو طرح پر ہوسکتا ہے ایک اس طرح کہ اُس شے کی ذات باقی رہے اور اُس کی

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿۴۴﴾

اور اُن دونوں (یعنی جنتیوں اور دوزخیوں کے) بیچ میں حجاب ہوگا (یعنی کفر پر مرنے کے سبب سے جنتیوں اور دوزخیوں میں ایک ایسی روک ہوگی کہ وہ اُن نعمتوں سے جو جنتیوں کو حاصل ہونگی کچھ فائدہ نہیں اُٹھا سکینگے) اور اعراف پر (یعنی معرفت کے مرتبہ پر) لوگ ہونگے جو پہچانتے ہونگے ہر ایک کو (یعنی بہشتیوں اور دوزخیوں کو) اُن کی پیشانیوں سے۔ اور پکار کر کہینگے اہل جنت کو (یعنی اُن کو جو جنت میں جانے والے ہونگے) سلام علیکم یعنی سلامتی ہو تم پر۔ (حالانکہ) وہ ابھی نہیں داخل ہوئے اُس میں (یعنی جنت میں) اور وہ امید رکھتے ہیں ﴿۴۴﴾

واذا السماء فرجت واذا الجبال نسفت (۷۷ سورۃ مرسلات ۸ ـ ۱۰) ✦

جب کہ آسمان پھاڑے جاوینگے اور جب کہ پہاڑ ریزہ ریزہ کئے جاوینگے ✦

۱۹ ۔ اذا زلزلت الارض زلزالها واخرجت الارض اثقالها (۹۹ ۔ سورۃ الزلزله ۱ و ۲) ✦

۱۹ ۔ جب کہ زمین ہلائی جاویگی اپنے ہلنے سے اور نکالیگی زمین اپنے بوجھ ✦

۲۰ ۔ کل من علیها فان ویبقی وجه ربك ذوالجلال والاکرام (۵۵ ۔ سورۃ الرحمن ۲۶ و ۲۷) ✦

۲۰ ۔ جو کوئی زمین پر ہے فنا ہونیوالا ہے اور باقی رہیگی ذات تیرے پروردگار بزرگی والے اور اکرام والے کی ✦

اب دیکھنا چاہئے کہ ان آیتوں میں نسبت کائنات موجودہ کے کیا بیان ہوا ہے ✦

زمین ۔ کی نسبت بیان ہوا ہے کہ ۔ بدل دی جاویگی زمین سوائے اس زمین کے ۔ اور یہ بیان ہے کہ زمین ریزہ ریزہ کر دیجاویگی صور پھونکنے کے ساتھ زمین اُٹھائی جاویگی اور ایک دفعہ میں توڑ دیجاویگی ۔ قیامت کے دن زمین کپکپائی اور ہلائی جاویگی ۔ قیامت میں زمین خدا کی مٹھی میں

سـ۵۱ الحجاب ۔ ان نموت النفس مشرکة ومنه یعفر للعبد مالم یقع الحجاب (قاموس) ✦

سـ۵۲ قول الحسن وقول الزجاج فی احد قولیه ان قوله وعلی الاعراف ای وعلی معرفة اهل الجنة واهل النار رجال یعرفون کل واحد من اهل الجنة واهل النار بسیماهم (تفسیر کبیر) ✦

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝۴۳

جو لوگوں کو روکتے تھے اللہ کے رستہ سے اور اُس رستہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے تھے، اور آخرت کے منکر تھے ۝۴۳

۱۴- وما قدروا الله حق قدره والارض جميعا قبضته يوم القيامة والسموات مطويات بيمينه سبحانه وتعالى عما يشركون - ونفخ في الصور فصعق من في السموات ومن في الارض الا من شاء الله ثم نفخ فيه اخرى فاذا هم قيام ينظرون واشرقت الارض بنور ربها ووضع الكتاب وجيء بالنبيين والشهداء وقضي بينهم بالحق وهم لا يظلمون (۳۹ سورۂ زمر ۶۷-۶۹) ❊

۱۴- اور نہیں قدر کی اُنہوں نے اللہ کی حق اُس کی قدر کرنے کا اور ساری زمین اُس کی مٹھی میں ہوگی قیامت کے دن اور آسمان لپٹے ہونگے اُس کے داہنے ہاتھ پر پاک ہے وہ اور برتر ہے اُس سے کہ اُس کا شریک کرتے ہیں۔ اور پھونکا جاویگا صور میں پھر بیہوش ہو جاویگا جو آسمانوں میں ہے مگر جس کو چاہے خدا۔ پھر پھونکا جاویگا صور میں دوسری دفعہ یکایک وہ کھڑے ہونگے دیکھتے۔ اور روشن ہو جاویگی زمین اپنے پروردگار کے نور سے اور رکھی جاویگی کتاب اور حاضر کیا جاویگا پیغمبروں کو اور گواہوں کو اور فیصلہ کیا جاویگا اُن میں (یعنی لوگوں میں) ساتھ حق کے اور وہ نہ ظلم کئے جاوینگے ❊

۱۵- يوم تأتي السماء بدخان مبين يغشى الناس هذا عذاب اليم - (۴۴ - سورۂ دخان - ۹ و ۱۰) ❊

۱۵- جس دن آویگا آسمان دھواں ہوکر ڈھانک لیگا لوگوں کو یہ ہے عذاب دُکھ دینے والا ❊

۱۶- ويوم ينفخ في الصور ففزع من في السموات ومن في الارض الا من شاء الله وكل اتوه داخرين وترى الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب (۲۷- سورۂ نمل ۸۹-۹۰) ❊

۱۶- اور جس دن پھونکا جاویگا صور میں تو گھبرا جاویگا جو کوئی آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں مگر جس کو چاہے اللہ اور ہر ایک اس کے سامنے آوینگے ذلیل ہوکر۔ اور تو دیکھیگا پہاڑوں کو (جن کو) تو سمجھتا ہے جمے ہوئے کہ وہ چلے جاتے ہیں بادل کے چلنے کی مانند ❊

۱۷- يوم تمور السماء مورا وتسير الجبال سيرا (۵۲ سورۂ الطور - ۹) ❊

۱۷- جس دن کہ پھٹ جاویگا آسمان اچھی طرح کے پھٹنے سے اور چلنے لگینگے پہاڑ ایک قسم کے چلنے سے ❊

۱۸- فاذا النجوم طمست

۱۸- جب کہ تارے بے نور کئے جاوینگے اور

وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوْا نَعَمْ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۲﴾	اور پکار کر کہینگے اہل بہشت اہل دوزخ کو کہ بیشک ہم نے پایا جو کچھ ہم سے ہمارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا سچ۔ پھر کہا تم نے بھی پایا جو کچھ تم سے تمہارے پروردگار نے وعدہ کیا تھا سچ۔ وہ کہینگے ہاں، پھر ایک آواز دینے والا اُن میں آواز دیگا کہ لعنت خدا کی ظالموں پر ﴿۴۲﴾

۱۰۔ فاذا انشقت السماء فکانت وردۃ کالدھان (۵۵۔ سورۃ الرحمن ۳۷) ✦

۱۰۔ پھر جب پھٹ جاویگا آسمان تو ہوگا سرخ لعل رنگے ہوئے چمڑے کی مانند ✦

۱۱۔ اذا السماء انفطرت واذا الکواکب انتثرت واذا البحار فجرت واذا القبور بعثرت علمت نفس ما قدمت واخرت (۸۲۔ سورۃ انفطار ۱۔۵) ✦

۱۱۔ جب کہ آسمان پھٹ جاویگا اور جب کہ تارے جھڑ پڑینگے اور جب کہ سمندر پھوٹ بہینگے اور جب کہ قبریں پھاڑی جاوینگی جان لیگی ہر جان جو کچھ آگے بھیجا ہے اور پیچھے چھوڑا ہے ✦

۱۲۔ اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت واذا الجبال سیرت واذا العشار عطلت واذا الوحوش حشرت واذا البحار سجرت واذا النفوس زوجت واذا الموؤدۃ سئلت بای ذنب قتلت واذا الصحف نشرت واذا السماء کشطت واذا الجحیم سعرت واذا الجنۃ ازلفت علمت نفس ما احضرت۔ (۸۱۔ سورۃ التکویر ۱۔۱۴) ✦

۱۲۔ جب کہ سورج لپیٹا جاویگا اور جب کہ تارے دُھندلے ہو جاوینگے اور جب کہ پہاڑ چلائے جاوینگے اور جب کہ دس مہینے کی گابھن اونٹنی بیکار چھٹی رہیگی اور جب کہ وحشی جانور (آدمیوں کے ساتھ) اکٹھے کئے جاوینگے اور جب کہ سمندر آگ کی مانند بھڑکائے جاوینگے اور جب کہ جانیں جوڑا جوڑا کی جاوینگی اور جب کہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی پوچھی جاویگی کہ کس گناہ کے بدلے وہ ماری گئی اور جب کہ اعمال نامے کھولے جاوینگے اور جب کہ آسمان کی کھال کھینچی جاویگی اور جب کہ دوزخ دھکائے جاوینگی اور بہشت پاس لائے جاوینگے جان لیگی ہر جان کہ کیا حاضر لائی ہے ✦

۱۳۔ اذا رجت الارض رجا وبست الجبال بسا فکانت ھباء منبثا (۵۶۔ سورۃ الواقعہ ۴۔۶) ✦

۱۳۔ جب کہ ہلائی جاویگی زمین زور کے ہلانے سے اور ذرہ ذرہ کئے جاوینگے پہاڑ بہت چھوٹے چھوٹے ذرہ پھر ہو جاوینگے پھیلے ہوئے غبار کی مانند ✦

وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰنَا اللّٰهُ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۴۱)

اور ہم نکال لینگے ناخوشی کو جو کچھ کہ اُن کے دل میں تھی (یعنی بہشت میں کسی کے دل میں ناخوشی نہیں رہیگی) اُن کے نیچے بہتی ہونگی نہریں، اور وہ کہینگے شکر خدا کا جس نے ہم کو اس لئے ہدایت کی اور ہم ایسے نہ تھے کہ ہدایت پاتے اگر ہم کو خدا ہدایت نہ کرتا۔ بیشک آئے تھے پروردگار کے رسول برحق۔ اور اُن کو پکار کر کہا جاویگا کہ یہ ہے جنت تم اُس کے وارث کئے گئے ہو اُس کام کے سبب سے جو تم کرتے تھے (۴۱)

فدكتا دكة واحدة فيومئذ وقعت الواقعة وانشقت السماء فهي يومئذ واهية والملك على ارجائها ويحمل عرش ربك يومئذ ثمانية (۶۹ سورة الحاقة ۱۳ - ۱۷) ✦

توڑے جاوینگے ایک دفعہ کے توڑنے سے پھر اُس دن ہو پڑیگی ہونے والی (یعنی قیامت) اور پھٹ جاویگا آسمان پھر وہ اُس دن ہوجاویگا ڈھیلا اور فرشتے ہونگے اُس کے کناروں پر اور اُٹھاوینگے تیرے پروردگار کے عرش کو اُن کے اُوپر اُس دن آٹھ ✦

۶- يوم ترجف الارض والجبال وكانت الجبال كثيبا مهيلا (سورة المزمل ۱۴)

۶- اُس دن کہ کانپیگی زمین اور پہاڑ اور ہوجاوینگے پہاڑ ٹیلے بھربھری ریت کے ✦

۷- يوما يجعل الولدان شيبا السماء منفطر به (سورة مزمل ۱۷ و ۱۸) ✦

۷- وہ دن کہ کردیگا لڑکوں کو بڈھا آسمان پھٹ گیا ہوگا اُس دن میں ✦

۸- ان يوم الفصل كان ميقاتا يوم ينفخ في الصور فتاتون افواجا وفتحت السماء فكانت ابوابا وسيرت الجبال فكانت سرابا (۷۸، سورة النباء ۱۷ - ۲۰) ✦

۸- بیشک فیصلہ کے دن کا وقت مقرر ہے جس دن پھونکا جاویگا صور میں تو تم آؤ گے گروہ گروہ اور کھولا جاویگا آسمان اور وہ ہوجاویگا دروازے دروازے اور چلائے جاوینگے پہاڑ پھر ہوجاوینگے چمکتی ریت کی مانند ✦

۹- اذا السماء انشقت واذنت لربها وحقت واذا الارض مدت والقت ما فيها وتخلت واذنت لربها وحقت (۸۴ - سورة الانشقاق ۱ - ۵ آ) ✦

۹- جس وقت کہ آسمان پھٹ جاویگا اور کان لگائے رہیگا اپنے پروردگار کے (حکم پر) اور وہ اسی لائق ہے اور جب کہ زمین پھیلائی جاویگی اور ڈالدیگی جو کچھ اُس میں ہے اور خالی ہوجاویگی اور کان لگائے رہیگی اپنے پروردگار (کے حکم) پر اور وہ اسی لائق ہے ✦

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۴۰)	اور جو لوگ ایمان لائے ہیں اور اچھے عمل کئے ہیں ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر بقدر اُس کی طاقت کے۔ وہی لوگ ہیں بہشت میں جانے والے اور وہ اُس میں ہمیشہ رہینگے (۴۰)

المسئلۃ السادسۃ

اِنْ سلمنا البقاء للروح فما حقیقۃ البعث والحشر والنشر

بعث وحشر ونشر کی حقیقت بیان کرنے سے پہلے یہ بیان کرنا چاہئے کہ قیامت کے دن کائنات کا کیا حال ہوگا اور قرآن مجید میں اُس کی نسبت کیا بیان ہؤا ہے اور اُس کا مطلب کیا ہے اس لئے اولاً ہم قیامت کا ذکر کرتے ہیں +

قیامت

قیامت کے دن کائنات کا جو حال ہوگا وہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتوں میں مذکور ہے +

۱۔ یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات وبرزوا للہ الواحد القہار (۱۴ سورۃ ابراھیم ۴۹) +	۱۔ اُس دن بدل دی جاویگی زمین سوائے اُس زمین کے اور بدل دئے جاوینگے آسمان اور حاضر ہونگے سامنے خدائے واحد قہار کے +
۲۔ یوم تکون السماء کالمہل وتکون الجبال کالعھن (۷۰ سورۃ المعارج ۸ و ۹) +	۲۔ جس دن کہ ہوگا آسمان تیل کی تلچھٹ کی مانند اور ہو وینگے پہاڑ رنگ برنگ کے اون کی مانند +
۳۔ یوم یکون الناس کالفراش المبثوث وتکون الجبال کالعھن المنفوش۔ (۱۰۱ سورۃ القارعہ ۔ ۳ و ۴) +	۳۔ جس دن ہوجاوینگے آدمی پراگندہ ٹڈیوں کی مانند اور ہوجاوینگے پہاڑ رنگ برنگ کی دُھنی ہوئی اون کی مانند +
۴۔ کلا اذا دکت الارض دکا دکا وجاء ربک والملک صفا صفا (۸۹ سورۃ الفجر ۲۲ و ۲۳) +	۴۔ جس وقت توڑی جاویگی زمین ریزہ ریزہ اور آویگا تیرا پروردگار اور فرشتے صف کے صف +
۵۔ فاذا نفخ فی الصور نفخۃ واحدۃ وحملت الارض والجبال	۵۔ پھر جب پھونکا جاویگا صور میں ایک دفعہ کا پھونکنا اور اُٹھائی جاویگی زمین اور پہاڑ پھر

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۹﴾	اور اسی طرح ہم بدلا دیتے ہیں ظالموں کو ﴿۳۹﴾

کر لیتے ہیں۔ اگر کیمیاوی ترکیب پر خیال کیا جاوے تو تمام اجسام سخت سے سخت وثقیل سے ثقیل کی ترکیب صرف اجسام لطیف ہوائی سے ہے جن کو علم کیمیا میں گیاس یا بخارات سے تعبیر کیا ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں پائی جاتی کہ روح کو نسمہ کے ساتھ ملنے سے تاثر نہ ہوا ہو اور اُس نے کوئی جسم جو اُس کے پہلے جسم سے کسی امر میں مختلف ہو حاصل نہ کیا ہو۔ اس کے تسلیم کے بعد کوئی وجہ نہیں پائی جاتی کہ بدن سے مفارقت کرنے کے بعد پھر فی الفور روح کا وہ جسم بھی جو اُس نے نسمہ کی مصاحبت سے حاصل کیا ہے تحلیل ہو جاوے۔ نتیجہ اس تقریر کا یہ ہے کہ روح نسمہ کی مصاحبت سے ایک اَور جسم لطیف حاصل کرتی ہے اور وہ جسم روح اور نسمہ سے ترکیب پایا ہؤا ہوتا ہے اور بدن سے مفارقت کرنے کے بعد بھی وہ جسم علےٰ حالہ باقی رہتا ہے گو بعد کو روح کا کسی وقت نسمہ سے علٰحدہ ہو جانا بھی ممکن ہو کیونکہ جن اسباب سے دو جسم لطیف آپس میں ملکر ایک نیا جسم پیدا کرتے ہیں وہ دیگر اسباب سے تحلیل بھی ہو جاتے ہیں یعنی ایک دوسرے سے علٰحدہ بھی ہو جاتے ہیں پس یہی حال روح و نسمہ کا ہوتا ہے۔ ہوا میں پھولوں کے اجزائے لطیف ملنے سے تمام ہوا خوشبودار اور غلیظ چیزوں کے اجزائے رقیق ملنے سے بدبودار ہو جاتی ہے اور پھر وہ اجزا تحلیل ہو جاتے ہیں اور ہوا علےٰ حالہ صاف رہ جاتی ہے۔ اسی طرح وہ اجسام جو ترکیب کیمیاوی سے مرکب ہیں دیگر اسباب و تاثرات سے تحلیل ہو جاتے ہیں پس روح و نسمہ میں ترکیب کیمیاوی ہوئی ہو یا غیر کیمیاوی اُس کا تحلیل ہونا ممکن ہے ۔

۔ جب روح کو ایک جسم لطیف جوہر مستقل بالذات تسلیم کیا جاوے جیسا کہ ہم نے تسلیم کیا ہے تو اُس کا فنا ہونا محالات سے ہے تمام چیزیں جو دنیا میں موجود ہیں کوئی بھی اُن میں سے معدوم نہیں ہوتی صرف تبدیل صورت ہوتی ہے پانی آگ سے یا دھوپ کی تیزی سے خشک ہو جاتا ہے مگر معدوم نہیں ہوتا صرف صورت کی تبدیل ہوتی ہے اکسیجن اور ہیڈروجن علٰحدہ علٰحدہ ہو جاتے ہیں اکسیجن اکسیجن میں ہیڈروجن ہیڈروجن میں مل جاتی ہے اور ایک ذرہ برابر بھی کوئی چیز معدوم نہیں ہوتی پس روح کے معدوم ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے غایت مافی الباب یہ ہے کہ جب تمام اشیائے موجودہ میں تبدیل صورت ہوتی رہتی ہے تو روح میں بھی تبدیل صورت ہوتی ہوگی اس کی امتناع پر ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے۔ مگر اس کے تسلیم کر لینے سے کوئی مشکل مذہب اسلام میں پیش نہیں آتی بلکہ بعض خیالات کی جو اہل اسلام میں مروج ہیں اور میری تحقیق میں اُن کی بنا کسی معتبر سند پر نہیں ہے تائید ہوتی ہے۔ غرضکہ روح کے وجود کو تسلیم کرنے کے ساتھ ہی اُس کے بقا کا تسلیم کرنا بھی لازم آتا ہے ۔

وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ	اور اُن کے اوپر سے بالاپوش

حیوان کی مانند تھے رفتہ رفتہ وہ مختلف باتوں کو اکتساب کرتا جاتا ہے جس سوسیٹی میں وہ پرورش پاتا ہے اُس کی تمام مادی و غیر مادی عادتیں اور خیالات کو اکتساب کر لیتا ہے +

ہم دیکھتے ہیں کہ انسان بعضی دفعہ نہایت نجس اور ناپاک میلا کچیلا سُور کی مانند زندگی اختیار کرتا ہے اور کبھی نہایت صفائی اور سُتھرائی اور اُجلے پہنے سے زندگی بسر کرتا ہے +

یہ بھی دیکھتے ہیں کہ کبھی اُس میں نہایت سفاک اور بے رحم عادتیں ہوتی ہیں وہ خونخوار ہوتا ہے مردم آزاری کرتا ہے تمام قوائے بہیمیہ اُس پر ایسا غلبہ کرتے ہیں کہ وہ ایک حیوان درندہ بصورت انسان ہو جاتا ہے۔ کبھی اُس میں ایسی صلاحیت اور نیکی رحم اور تواضع بُردباری اور سب کے ساتھ محبت و ہمدردی پیدا ہوتی ہے کہ ایک فرشتہ بصورت انسان دکھائی دیتا ہے۔ ان تمام فضائل و رذائل کو وہی شے اکتساب کرتی ہے جس کا خاصہ تعقل و ارادہ ہے یعنی روح کیونکہ انسان کا جسم اور تمام اعضائے اندرونی تو برابر تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور اس لئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تعقل و ارادہ اُن اعضا کا خاصہ تھا۔ یہ ایسی واضح دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ روح سعادت و شقاوت کا اکتساب کرتی ہے اور اُس کی حالت بمناسبت اُس کے جس کا اُس نے اکتساب کیا ہے تبدیل ہو جاتی ہے۔ فسعدان اکتسب سعادۃ وشقی ان اکتسب نما دہ +

المسئلة الخامسة

ان للانسان موت فما حقيقة الموت وللروح بقاء بعد مفارقة الابدان

امید ہے کہ ہم اور ہمارے اس کتاب کے پڑھنے والے ضرور ایک دن اس کی اصلی حقیقت سے واقف ہونے والے ہیں مگر اس زندگی میں جس قدر کہ موت کا حال معلوم ہو سکتا ہے وہ یہ ہے کہ اخلاط کے تغیر یا کسی ایسے عضو میں نقصان پہنچنے کے سبب جس سے اُن بخارات کی تولید یا بقا کو زیادہ تعلق ہے جو ترکیب اخلاط سے پیدا ہوتے ہیں اور جن کو نسمہ سے تعبیر کیا ہے اُن کی تولید موقوف ہو جاتی ہے اور موجودہ مضمحل ہو جاتے ہیں اُس وقت انسان یا حیوان مرجاتا ہے اور روح جس کو ابدان سے تعلق اُسی نسمہ کے سبب سے تھا جسم سے علٰحدہ ہو جاتی ہے +

مگر غور طلب یہ بات ہے کہ جس قدر زمانہ تک روح کو نسمہ سے مصاحبت رہی ہے اُس سے کچھ تاثر روح میں ہوتا ہے یا نہیں اور اگر ہوتا ہے تو بعد مفارقت ابدان وہ تاثر اُس میں باقی رہتا ہے یا نہیں۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ تمام اجسام لطیف جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک اور قسم کا جسم حاصل

لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ	اُن کے لئے جہنم سے بچھونا ہے

دوسرے کے دماغ کی بناوٹ عام بات کے سمجھنے کے بھی لائق نہیں - پس رُوح سے افعال مطابق بناوٹ اُس جسم کے صادر ہوتے ہیں جن سے وہ متعلق ہے اور یہی سبب ہے کہ جو کچھ انسان کرسکتا ہے وہ حیوان نہیں کرسکتے بلکہ بہت سے ایسے امر ہیں کہ ایک انسان کرسکتا ہے دوسرا انسان نہیں کرسکتا اور جو حیوان کرسکتا ہے وہ انسان نہیں کرسکتا پس یہ تفاوت اُن آلات کا ہے جن کے وسیلہ سے افعال روح کے صادر ہوتے ہیں ❖

ہم دیکھتے ہیں کہ حیوانات کی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ اُس سے نہایت محدود افعال صادر ہوسکتے ہیں اور وہ بھی اکثر ایسے ہیں جو اُن کی زندگی کے لئے ضرور ہیں اور اُس تمام نوع کے ایک ہی قسم کے افعال ہوتے ہیں اور قریباً وہ سب افعال ایسے ہوتے ہیں کہ بلا تعلیم و اکتساب ان کو حاصل ہوجاتے ہیں - اُن سے کوئی افعال ایسے صادر نہیں ہوسکتے جن سے روح کی ترقی یا تنزل کو کچھ تعلق ہو اور اُن سے روح کو اکتساب سعادت یا شقاوت حاصل ہو اور اسی سبب سے وہ مکلف نہیں ہیں برخلاف انسان کے کہ اُس کی بناوٹ ایسی ہے جس سے افعال غیر محدود صادر ہوسکتے ہیں ان میں ترقی ہوسکتی ہے اُن میں تنزل آجاتا ہے ایک انسان سے کسی قسم کے ایک سی قسم کے افعال صادر ہوتے ہیں وہ علوم عقلیہ اور الٰہیہ کا انکشاف کرسکتا ہے اُس کے ادراکات اور انکشافات کی کوئی حد نہیں ہے - اُس سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو روح کے لئے باعث اکتساب سعادت یا شقاوت ہوتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ مکلف ہے ❖

المسئلۃ الرابعۃ

ان للروح اکتساب سعادۃ وشقاوۃ

یہ مسئلہ بلاشبہ نہایت دقیق مسئلہ ہے اُس کے ثبوت کے لئے عینی دلیل کا ہونا قانون قدرت کے برخلاف ہے مگر اُس کے لئے ایسی قیاسی دلیلیں موجود ہیں جو اس بات پر یقین دلاسکتی ہیں کہ روح سعادت یا شقاوت کا اکتساب کرتی ہے ❖

یہ امر تسلیم ہوچکا ہے کہ تعقل اور ارادہ روح کا خاصہ ہے - اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان اُن چیزوں کو اکتساب کرتا ہے جو اُس میں پہلے نہ تھیں - وہ جاہل ہوتا ہے پھر علوم کا اکتساب کرکے عالم ہوجاتا ہے وہ حقایق اشیا کو جہاں تک کہ اُن کا جاننا قانون قدرت کی رُو سے ممکن ہے نہیں جانتا پھر تجربہ اور تحقیقات سے اُن کا اکتساب کرلیتا ہے - جب کہ وہ پیدا ہوا تھا اُس کے خیالات بالکل سادے

وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿۲۸﴾ | اور اسی طرح ہم بدلا دیتے ہیں گنہگاروں کو ﴿۲۸﴾

سے روح حیوانی پیدا ہوتی ہے ۔ ہم حیوانات میں بھی تعقل اور ارادہ پاتے ہیں پس کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم اُن میں بھی روح کا ہونا تسلیم نہ کریں ۔ اور کوئی دلیل ہمارے پاس ایسی نہیں ہے جس سے ہم انسان کی روح کو اور جنس سے اور حیوانات کی روح کو اور جنس سے قرار دیکیں ۔ اور اس لئے ہم انسان میں اور حیوانات میں ایک ہی جنس کی روح کے ہونے کو تسلیم کرتے ہیں ؂

المسئلة الثالثة

لم لا يصدر من سائر الحيوانات ما يصدر من الانسان

ولم احدهما مكلّف والاخر غير مكلّف

جب کہ ہم نے روح کو سبب تعقل و ارادہ تسلیم کیا ہے تو اس سے ضرور لازم آتا ہے کہ روح فی نفسہ مدرک ذی ارادہ اور مصدر افعال ہے مگر یہ بات ثابت نہیں ہوئی کہ جب کہ وہ مجرد نسمہ سے اور نسمہ مجرد جسم سے ہو تب بھی اُس سے افعال صادر ہوتے ہیں ۔ مثلاً ہم کسی درخت کے تخم کو خیال کریں کہ اُس میں بلاشبہ مادہ ٹہنیوں اور پتوں اور پھلوں کا موجود ہے مگر حالت موجودہ میں اُس سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوسکتی اسی طرح روح میں تعقل اور مادہ موجود ہے اِلّا جب تک کہ اُس کا تعلق نسمہ سے اور نسمہ کا تعلق بدن سے نہ ہو اُس سے وہ افعال صادر نہیں ہو سکتے ۔ صدور افعال کے لئے جسم کی ضرورت ہے پس اُس جسم کی جس قسم کی بناوٹ ہوگی اُسی قسم کے افعال اُس سے صادر ہونگے ۔ اس کی مثال بعینہٖ ایسی ہے جیسے دخان اور دخانی کل ۔ دخانی کل کے تمام پرزوں کو حرکت دینے والی صرف ایک چیز ہے یعنی دخان مگر جس قسم کے پرزے بنائے گئے ہیں اُسی قسم کے افعال اُن سے صادر ہوتے ہیں ۔ اسی طرح گو انسان اور حیوان میں ایک جنس کی روح ہے مگر ہر ایک سے بمقتضائے اُس کی صورت نوعیہ کے افعال صادر ہوتے ہیں ۔ انسان کے اعضا کی بناوٹ میں بھی ایک دوسرے سے کچھ فرق ہے اور یہی سبب ہے کہ بعض انسانوں سے ایسے افعال صادر ہوتے ہیں جو دوسرے سے صادر ہونے ممکن نہیں ہیں ۔ ایک کی آواز نہایت دلکش ہے دوسرے کی نہایت مہیب نہ وہ اپنی آواز کو مہیب کر سکتا ہے اور نہ یہ اپنی آواز کو دلکش بنا سکتا ہے ۔ ایک کے دماغ کی بناوٹ علوم دقیقہ کے ایجاد کرنے کے لائق ہے

سلہ دخان کے لفظ کا استعمال اس جگہ صحیح نہیں ہے بلکہ بھاپ کا استعمال زیادہ مناسب تھا مگر چونکہ عموماً دخانی کل عام لوگوں میں مشہور ہے اس لئے اسی لفظ کا استعمال کیا ہے ؂

سوئی کے ناکے میں	فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ

افعال کا صادر ہونا ثابت نہیں ہوتا ہے جو افعال کہ روح سے صادر ہوتے ہیں ؛

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے کہ تمام حیوانات میں بہ سبب اختلاط اخلاط کے قلب میں بخار لطیف پیدا ہوتا ہے جس کو حرارت غریزی کہتے ہیں اُسی سے حیوان کی زندگی ہے جب تک وہ پیدا ہوتا رہتا ہے حیوان زندہ رہتا ہے جب اُس کا پیدا ہونا بند ہو جاتا ہے حیوان مرجاتا ہے اُس کی مثال ایسی ہے جیسے گلاب کے پھول میں نمی یا کوئلے میں آگ (اس زمانہ کے موافق ٹھیک مثال یہ ہے کہ جیسے اجسام میں الکٹرسٹی) مگر یہ بخار متولدہ من الاخلاط روح نہیں ہے۔ بلکہ یہ بخار جس کو وہ نسمہ قرار دیتے ہیں روح کا مرکب ہے اور روح کو اُس سے متعلق ہونے کے لئے مادہ ہے۔ پس روح اس نسمہ سے متعلق ہوتی ہے اور بذریعہ اس نسمہ کے جسم سے ؛

اس دعوے کی دلیل وہ یہ لاتے ہیں کہ ہم ایک بچہ کو دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہوتا ہے اور بڈھا ہوتا ہے اور اُس کے بدن کے اخلاط اور وہ روح یعنی نسمہ جو ان اخلاط سے پیدا ہوتی ہے ہزاروں دفعہ بدلتے رہتے ہیں۔ وہ بچہ چھوٹا ہوتا ہے پھر بڑا ہو جاتا ہے کبھی گورا رنگ نکلتا ہے کبھی کالا پڑ جاتا ہے۔ جاہل ہوتا ہے پھر عالم ہو جاتا ہے اسی طرح بہت سے اوصاف بدلتے رہتے ہیں مگر وہ وہی رہتا ہے جو تھا۔ اگر کسی شخص میں ہم اُن اوصاف کے بقا کا یقین نہ کریں تو بھی اُس شخص کے بقا کا یقین کرتے ہیں پس وہ شخص اُس کے سوا ہے۔ اور جو چیز کہ اُس کے سبب سے یہ ہے وہ نہ وہ روح ہے یعنی نسمہ اور نہ یہ بدن ہے اور نہ تشخصات ہیں جو ابتدائے خیال میں آتے ہیں بلکہ وہ حقیقی روح ہے۔ وہ چھوٹے کے ساتھ بھی اسی طرح ہے جیسے کہ بڑے کے ساتھ ہے۔ کالے کے ساتھ بھی اسی طرح ہے جس طرح کہ گورے کے ساتھ ہے (انتہے ملخصاً)

غرضکہ جس قدر غور کی جاوے حیوان میں علاوہ عناصر مرکبہ کے اور جو نتیجہ اُس ترکیب سے ہوتا ہے ایک اور شئے بھی پائی جاتی ہے جس سے ارادہ اور تعقل اور ایجاد اور ترقی مراتب تعقل میں صادر ہوتی ہے اور اُسی شئے کو ہم روح کہتے ہیں ؛

المسئلۃ الثانیۃ

روح الانسان وسایر الحیوانات من جنس واحد

بیشک میں اس بات کا قایل ہوں کہ انسان میں اور تمام حیوانات میں ایک ہی سی روح ہے انسان میں بہ سبب ترکیب اخلاط کے ایک قسم کی روح حیوانی پیدا ہوتی ہے جس کو نسمہ سے تعبیر کیا ہے اور روح حقیقی جو ما نحن فیہ ہے اُس سے متعلق ہوتی ہے۔ اسی طرح تمام حیوانات میں بھی ترکیب اخلاط

یہاں تک کہ گھس جاوے اونٹ	حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ

اور جوہر قایم بالذات ہو اور اسی لیئے ہم روح کو ایک جسم لطیف جوہر قایم بالذات تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم کو یہ بات ثابت نہیں ہوئی ہے کہ کوئی اور جسم لطیف جوہر کے موجود ہے اور روح اس کے ساتھ قایم ہے بلکہ ہم کو صرف روح کا وجود ثابت ہوا ہے بغیر وجود کسی دوسرے وجود کے اور اس لئے لازم ہے کہ اُس کو جوہر تسلیم کیا جاوے نہ عرض *

مذہب اسلام نے روح کا موجود ہونا بیان کیا مگر اُس کی حقیقت بیان نہیں کی خدا تعالیٰ کے اس قول کی نسبت کہ " قل الروح من امر ربی " علما نے دو قسم کی گفتگو کی ہے بعضوں کی رائے ہے کہ حقیقت روح سے بحث کرنا جائز نہیں رکھا گیا ہے اور بعضوں کی یہ رائے ہے کہ روح کے قدیم یا حادث یعنی مخلوق ہونے کی نسبت جو مباحثہ تھا اُس کا جواب ہے۔ بہر حال اُس سے کوئی مطلب سمجھا جاوے مگر جو تفصیل کہ ہم نے اوپر بیان کی اُس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حقیقت روح کا جاننا بلکہ ہر ایک شے کی حقیقت کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہے ۔قرآن مجید تمام اُن چیزوں کی حقیقت کے بیان سے جن کا جاننا فطرت انسانی سے خارج ہے انکار کرتا ہے اسی طرح حقیقت روح کو بھی بیان نہیں کیا عام چیزوں کی نسبت کثرت استعمال و مشاہدہ کے باعث لوگوں کا خیال کمتر رجوع ہوتا ہے حالانکہ وہ اُن عام چیزوں کی حقیقت بھی کچھ نہیں جانتے اگر وہ لوگ جنہوں نے روح کی نسبت سوال کیا تھا پانی اور مٹی کی نسبت سوال کرتے تو خدا تعالیٰ یہی فرماتا کہ یسئلونک عن الماء والطین قل الماء والطین من امر ربی غرضکہ ماہیت اشیا کا جاننا انسانی فطرت سے خارج ہے *

جب کہ ہم روح کو ایک جوہر تسلیم کرتے ہیں تو اُس کے مادی یا غیر مادی ہونے پر بحث پیش آتی ہے ۔مگر جب کہ ہم کو اُس کی ماہیت کا جاننا ناممکن ہے تو درحقیقت یہ قرار دینا بھی کہ وہ مادی ہے یا غیر مادی ناممکن ہے دنیا میں بہت سی چیزیں موجود ہیں جو باوجود اس کے کہ وہ محسوس بھی ہوتی ہیں اور اُن کے مادی یا غیر مادی ہونے کی نسبت فیصلہ نہیں ہوسکتا۔ مثلاً ہم ایک شیشہ کے پٹے کے ذریعہ سے الکٹرسٹی یعنی بجلی نکالتے ہیں اور وہ نکلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور ٹھوس اجسام میں سرایت کر جاتی ہے انسان کے بدن سے گذر جاتی ہے ۔بعض ترکیبوں سے ایک بوتل میں یا انسان کے بدن میں محبوس ہو جاتی ہے ۔بعض ٹھوس اجسام ایسے ہیں جن میں نفوذ نہیں کرسکتی ۔مگر اُس کی ماہیت کا اور یہ کہ وہ شے مادی ہے یا غیر مادی تصفیہ نہیں ہوسکتا طرفین کی دلیلیں شبہ سے خالی نہیں ۔یہی حال روح کے مادی یا غیر مادی قرار دینے کا ہے لیکن اگر وہ کسی قسم کے مادہ کی ہو یا ہم اُس کو کسی قسم کی مادی تسلیم کرلیں تو کوئی نقصان یا مشکل پیش نہیں آتی ۔البتہ اُس قدر ضرور تسلیم کرنا پڑیگا کہ جن اقسام مادوں سے ہم واقف ہیں اُس کا مادہ اُن اقسام کے مادوں سے نہیں ہے کیونکہ اُن سے منفرداً یا مجموعاً اُن

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ	اور نہ داخل ہونگے جنت میں

ان کاموں کے جُدا جُدا اعضا بنائے ہیں جو عناصر کی ترکیب کیمیاوی سے بنے ہیں مگر کوئی دلیل نہیں ہے کہ صرف وہی علت تمام اُن امور کے ہیں ۔ غرضکہ یہ سب امور جن کو ہم ایک مختصر لفظ تعقل سے تعبیر کرتے ہیں صرف ترکیب کیمیاوی عناصر کا نتیجہ نہیں ہے ۔ ہم عناصر میں فرداً فرداً کوئی ایسے آثار نہیں پاتے جس سے یہ امر ثابت ہو کہ عناصر میں تعقل اور اختیار ہے اور جب اُن میں یہ صفت حالت انفراد میں نہیں ہے تو حالت ترکیب میں بھی وہ صفت اُن سے پیدا نہیں ہو سکتی کیونکہ اختیار اور عدم اختیار دو مخالف صفتیں ہیں اور جو صفت کہ اجزا میں نہیں ہے تو اُن سے جو چیز کہ مرکب ہوئی ہے اُس میں بھی نہیں ہو سکتی یعنی کوئی جنس جو غیر جنس طبیعت اجزا ہو وہ اُس شے میں جو اُن اجزا سے مرکب ہے حاصل نہیں ہوتی ؂

جب کہ ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ بہت سے افعال حیوانات کے ایسے ہیں جو صرف عناصر معلومہ کی ترکیب کا نتیجہ نہیں ہیں تو ہم کو ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ حیوان میں کوئی ایسی شے ہے جو تعقل کا باعث ہے اور اُس نتیجہ پر ہم لازمی طور پر پہنچتے ہیں اور اس لئے حیوانات میں اُس شے کے ہونے کا لازمی طور پر یقین کرتے ہیں اور اُسی شے کو جو وہ ہے ہم روح کہتے ہیں ؂

اب یہ سوال ہوتا ہے کہ وہ کیا چیز ہے مگر اس سوال کا جواب انسان کی فطرت سے باہر ہے انسان کی فطرت صرف اس قدر ہے کہ وہ اشیا کے وجود کو ثابت کر سکتا ہے خواہ وہ اشیا محسوس ہوں یا غیر محسوس مگر اُن کی حقیقت کا جاننا اُس کی فطرت سے خارج ہے کسی شے کی بھی حقیقت انسان نہیں جانتا اُن اشیا کی بھی حقیقت نہیں جانتا جو ہر دم اُس کے سامنے یا اُس کے استعمال میں ہیں مثلاً پانی انسان یہ ثابت کر سکتا ہے کہ پانی موجود ہے مگر اس کی حقیقت نہیں بتا سکتا زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اُس کے اجزا کی اگر اس میں ہوں تشریح کر سکتا ہے اور پھر اُن اجزا کی حقیقت نہیں بیان کر سکتا وہ کہ سکتا ہے کہ پانی میں آکسیجن اور ہیڈروجن ہے جب پوچھو کہ آکسیجن اور ہیڈروجن کیا چیز ہے تو اُس کی حقیقت نہیں بتا سکتا پس جب کہ انسان اُن چیزوں کی حقیقت نہیں جان سکتا جو اس قدر عام ہیں اگر وہ روح کی ماہیت بھی بعد اس کے کہ اُس کے وجود کو ثابت کر چکا ہے نہیں بیان کر سکتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے ؂

جو چیز کہ ہمارے تجربہ سے خارج ہے جیسے کہ روح اُس کی نسبت بجز اس کے کہ دلیل یا قیاس سے کوئی امر کہیں حسب مقتضائے فطرت انسانی اور کچھ کہہ نہیں سکتے مگر جب ہم کو اُس کا وجود حیوانات میں ثابت ہوا ہے اور وہ ایسا وجود ہے کہ جس سے تمام افعال جو حیوانی افعال ہیں اعلیٰ ترین افعال بلکہ مخصوص بالحیوانات ہیں اُسی کے سبب سے ہیں تو ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ضرور ہے کہ وہ ایک شے الطف

دروازے آسمان کے	اَبْوَابُ السَّمَآءِ

جاندار نبات خیال کیا جاتا ہے۔ ایک درخت جو چھوئی موئی یا لجالی کے نام سے مشہور ہے۔ صرف چھونے سے اُس کے پتے سکڑ جاتے ہیں اور ٹہنی گر پڑتی ہے اور تھوڑی دیر کے بعد پھر پتے کشادہ اور ٹہنی اپنی اصلی حالت پر آجاتی ہے۔ امریکا میں ایک اور درخت پایا گیا ہے جس کو مذبنہ کہتے ہیں اس کے پھول کی پنکھڑیوں پر جب مکھی یا بھنگا آکر بیٹھتا ہے تو پنکھڑیاں بند ہو جاتی ہیں اور اُس جانور کو پکڑ لیتی ہیں یہاں تک کہ وہ مرجاتا ہے مگر اُن سے یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اُس کو چھوئیں اور پتے نہ سکڑیں اور ٹہنی نہ گرے یا مکھی اور بھنگا اُس پھول کی پنکھڑی پر بیٹھے اور وہ اُس کو نہ پکڑ لے *

بعض پانی کی نباتات ایسی معلوم ہوتی ہیں جن پر شبہ حرکت ارادی کا پیدا ہوتا ہے چنانچہ ایک قسم کی نبات تاگے کی مانند ہے وہ ایک دوسرے سے ملنے کو حرکت کرتی ہے تاکہ اُن کے ملنے سے پیدائش اُن کی ہو مگر یہ کیفیت صرف قوت جاذبہ سے بھی پیدا ہوتی ہے اُس پر حرکت ارادی کا اطلاق نہایت مشتبہ ہے خصوصاً جب کہ وہ پانی پر تیرتی ہیں *

پانی میں پیدا ہونے والی ایک اور نبات ہے جب وہ اُس نبات سے جس سے پیدا ہوئی ہے علیحدہ ہوتی ہے تو اور نبات کے پیدا کرنے پر مستعد رہتی ہے اور متحرک رہتی ہے اور جب اُس میں قوت حرکت و نمو جاتی رہتی ہے تو اُس میں سے اُسی قسم کی نبات پیدا ہوتی ہے مگر نہایت مشتبہ ہے کہ اُس کی حرکت کو حرکت ارادی تصوّر کیا جاوے۔ اجتماع اور ترکیب عناصر سے تحرک پیدا ہوتا ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا اور جب کہ وہ جسم پانی پر ہو تو اُس کا تحرک اُس کو ایک مقام سے دوسرے مقام پر بھی لے جا سکتا ہے مگر اُس پر حرکت ارادی کا اطلاق یقینی طور پر نہیں ہو سکتا *

حیوان کے بعض افعال ایسے ہیں جو صرف ترکیب عناصر کا نتیجہ نہیں ہو سکتے مثلاً ارادہ اور اختیار کہ جس کام کو چاہے کرے اور جس کام کو چاہے نہ کرے اگر کسی کام کے کرنے کا ارادہ صرف نتیجہ ترکیب عناصر کا ہوتا تو اس کا کرنا امر طبعی ہوتا اور اس لئے اُس کا نہ کرنا امر خلاف طبع ہوتا جس کا محال ہونا بدیہی ہے۔ علاوہ اس کے حیوانات میں بہت سے ایسے انکشافات ہیں جن کا صرف ترکیب عناصر سے ہونا ناممکن ہے مثلاً حیوان کی آنکھ کا ترکیب عناصر اور ترتیب طبقات سے بننا اور اُس میں اُن چیزوں کی صورت کا جو اُس کے سامنے ہوں شعاع کے سبب منقش ہونا یقینی امر ہے مگر اُس کا اُن اشیا کو پہچاننا اور دوست و دشمن میں تمیز کرنا صرف ترکیب عناصر سے نہیں ہو سکتا۔ علاوہ اس کے خیال ایک ایسا امر ہے کہ کوئی دلیل اور کوئی ترکیب کیمیاوی کا اصول اس بات پر قایم نہیں ہو سکتا کہ صرف عناصر کی ترکیب کیمیاوی کا وہ نتیجہ ہے بلاشبہ صانع نے

لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ	ہرگز نہ کھولے جاوینگے اُن کے لئے

لوہے کی کشش اور نباتات و حیوانات میں دیگر اقسام کے عناصر اور مادہ کے جذب کی قوت پیدا ہوتی ہے۔ عناصر کی ترکیب سے ایک ایسا جسم پیدا ہو جاتا ہے جو جوشش میں (یعنی متحرک) رہے یعنی خود اُسی کے اجزا حرکت میں رہیں جب تک کہ وہ ترکیب اُس میں باقی رہے جیسے کہ تیزابوں کے ساتھ دوسری چیزوں کے ملانے سے پیدا ہوتی ہے۔ عناصر کی ترکیب سے ایک قوت مخفیہ جو اجسام میں ہے ظاہر ہو جاتی ہے اور دیگر اجسام سے جذب کر کے ایک جگہ لے آتی ہے جیسے کہ اعمال برقی سے ظہور اور اجتماع برق کا ہوتا ہے۔ ترکیب عناصر سے یا اُن اجسام کی ترکیب سے جو عناصر سے بنے ہوئے ہیں ایک جسم ہوائی سیال پیدا ہوتا ہے جو دکھائی بھی دیتا ہے اور کبھی ایسا لطیف ہوتا ہے جو دکھائی بھی نہیں دیتا +

اکثر اطبا اور حکما کا یہ خیال ہے کہ جسم حیوانی میں جو ترکیب عناصر سے بنا ہے اور جس میں مختلف قسم کے اعضا ہیں اُس ترکیب کے سبب ایک جسم ہوائی پیدا ہوا ہے جو باعث تہیج ہے جو سبب ہے حیوانات میں ارادہ پیدا ہونے کا اور ترکیب اعضا سے حرکت کے ظہور میں آنے کا اور یہی جسم سیال ہوائی باعث ہے انسان کی زندگی کا اور اسی کو بعضوں نے روح حیوانی اور بعضوں نے مطلق روح اور بعضوں نے نسمہ سے تعبیر کیا ہے اور نتیجہ اس کا یہ سمجھا ہے کہ جب ترکیب جسم حیوانی کی اس جسم سیال کے قایم رہنے کے قابل نہیں رہتی تو وہ حالت موت سے تعبیر کی جاتی ہے اور اُس کا صریح نتیجہ یہ ہے کہ جسم کے معدوم ہونے یا اُس کی حالت قابل قایم رکھنے اُس جسم سیال کے معدوم ہونے کے ساتھ وہ جسم سیال بھی معدوم ہو جاتا ہے یعنی وہ روح بھی فنا ہو جاتی ہے +

مگر ہم کو اس میں یہ کلام ہے کہ تمام آثار جو ترکیب عناصر سے پیدا ہوتے ہیں وہ سب یکساں ہوتے ہیں مثلاً مقناطیس اُس میں بہ سبب عناصر کے لوہے کے جذب کی قوت پیدا ہوئی ہے تو اب یہ نہیں ہو سکتا کہ کبھی وہ اس کو جذب کرے اور کبھی جذب نہ کرے۔ یا جب ہم نے ایسے عناصر کو یا اجسام مرکبہ عناصر کو آپس میں ترکیب دیا جو برق کے مہیج ہیں تو یہ نہیں ہو سکتا کہ کبھی برق مہیج ہو اور کبھی نہ ہو۔ یا اجسام نباتی جب کہ وہ اپنی ٹھیک حالت میں ہیں ان سے یہ نہیں ہو سکتا کہ مادہ غذائی کو اپنی جڑوں اور ٹہنیوں اور پتوں سے جب چاہیں جذب کریں اور جب چاہیں جذب نہ کریں غرضکہ جو آثار جس جسم میں بوجہ ترکیب عناصر پیدا ہوتے ہیں وہ آثار اُس جسم سے کبھی منفک نہیں ہوتے اور اُس جسم کے اختیار میں یہ بات نہیں ہوتی کہ جب چاہے اُن آثار کو ظاہر ہونے دے اور جب چاہے اُن کو ظاہر نہ ہونے دے +

اس کا ثبوت زیادہ تر اُس قسم کی نباتات پر غور کرنے سے بخوبی حاصل ہوتا ہے جس کو

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا	اور اُن سے سرکشی کی

بناوٹ کا مادہ ہیں اُس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اُن افعال کے بھی باعث ہیں جو حیوانات سے بالتخصیص علاقہ رکھتے ہیں اور جن پر ہم غور کرنی چاہتے ہیں کمسٹری سے ثابت ہوا ہے کہ نائٹروجن میں کچھ کیمیاوی قوت نہیں ہے اور نہ وہ معاون زندگی ہے صرف اتنی بات ہے کہ جانوروں کے گوشت کے ریشوں میں پائی جاتی ہے ٭

یہ سچ ہے کہ حیوانات کے اعضا میں ایک ایسا عضو ہے جو غذا کو اس طرح پکا دیتا ہے کہ اعضا کے تغذیہ اور نمو کے لائق ہو جاوے نباتات میں ایسا کوئی عضو نہیں ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نباتات اپنی جڑ کے ریشوں سے اور اُس کے پتے اور ٹہنیاں ہوا سے وہی مادہ جذب کرتے ہیں جو غذا و نمو کے لائق ہے اور اس لئے اُن میں کسی ایسے عضو کے ہونے کی ضرورت نہیں ۔ برخلاف حیوانات کے کہ وہ ایسی غذا کھاتے ہیں جن میں علاوہ مادہ تغذی و نمو کے اور فضول مادہ بھی شامل ہوتا ہے اور اس لئے ایسا ایک عضو بنایا گیا ہے جو مادہ تغذی و نمو کو فضول مادہ سے جدا کر دے مگر اُس کے جدا ہو جانے کے بعد حیوان کی وہی حالت ہوتی ہے جو نباتات کی شروع تغذیہ میں تھی اور اس لئے یہ تصور نہیں ہو سکتا کہ حیوان میں اُس عضو کا ہونا اُن افعال کا باعث ہو جو بالتخصیص حیوانات سے علاقہ رکھتے ہیں ٭

حیوانات کے جسم کی بناوٹ میں ایک بہت بڑا سا جال اعصاب کا ہے جس کا مرجع ایک مرکز عام یعنی دماغ کی طرف ہے اور وہ تمام افعال حیوانات کے جن پر ہم غور کرنا چاہتے ہیں اسی کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں لیکن یہ افعال اُن سے صرف بحیثیت اُن کے اعضا ہونے کے تو منسوب نہیں ہو سکتے اور نہ صرف بحیثیت اُن کے مادہ کے کیونکہ تمام جسم حیوانات میں وہی عناصر موجود ہیں مگر مختلف ترکیب پانے سے مختلف مادہ اور مختلف صورت پیدا ہوئی ہے پس صرف بحیثیت مادہ جو اختلاط عناصر سے پیدا ہوتا ہے وہ افعال منسوب نہیں ہو سکتے ٭

اب ہم کو یہ دیکھنا ہے کہ عناصر یعنی کاربن آکسیجن ۔ ہیڈروجن ۔ نائٹروجن کی ترکیب سے کیا حالت پیدا ہو سکتی ہے ۔ عناصر آپس میں ملکر ایک دوسری صورت کا جسم پیدا کر لیتے ہیں مثلاً جب آکسیجن اور ہیڈروجن مقدار معینہ سے باہم مل جاویں تو ایک دوسری صورت کا جسم رقیق سیال پیدا ہو جاتا ہے جس کو پانی کہتے ہیں مگر اُس میں کوئی ایسی صفت جو مادہ کی حیثیت سے بڑھ کر ہو پیدا نہیں ہوتی ۔ عناصر کی ترکیب سے ایک جسم غیر میں یا اُسی جسم میں جو اُن عناصر سے بنا ہے حرارت پیدا ہو جاتی ہے اور جب تک وہ ترکیب قایم رہے وہ حرارت بھی قائم رہتی ہے ۔ عناصر کی ترکیب سے جسم میں ایک خاص قسم کے مادہ کی یا دوسرے جسم کے جذب کرنے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ مقناطیس میں

جھٹلایا ہماری نشانیوں کو	کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا

اور اُس میں حواس مخصوصہ ہیں کہ اُن کے سبب آواز کو بوؤں کو مزے کو چھونے کو جانتا ہے اور غذا اُس کے پیٹ میں جاتی ہے اور بالتخصیص اُس کے پیٹ میں ایک ایسی ہنڈیا ہے جو غذا کو اس طرح پکا دیتی ہے کہ اعضا کے تغذیہ اور نمو کے لایق ہو جاتی ہے ✣

نباتات اُس کے برخلاف ہیں وہ جہاں بویا ہے وہاں سے دوسری جگہ نہیں چل سکتا۔ اُس میں حرکت کرنے کی قوت نہیں ہے اور نہ اُس میں اختیار ہے وہ اپنی جڑوں کے ذریعہ سے جو زمین میں ہیں اور ٹہنیوں اور پتوں کے ذریعہ سے جو ہوا میں ہیں غذا کو جذب کر لیتا ہے اُس میں کوئی ہنڈیا غذا پکانے کی نہیں ہے بلکہ جو غذا اُس میں جاتی ہے اسی وقت غذا کے قابل ہوتی ہے ✣

نباتات و حیوانات میں بہت بڑا اختلاف یہ ہے کہ حیوان میں پٹھوں کا بھی ایک سلسلہ ہے اور نباتات میں نہیں ہے اور یہی اعصاب جب کہ حیوانات میں ایک مرکز سے تعلق رکھتے ہیں اس سبب سے حیوان میں قابلیت احساس ہوتی ہے اور یہ بات نباتات میں نہیں پائی جاتی۔ علاوہ اس کے حیوانات میں اور بھی جھلیاں اور پردے اور پٹھے اور عضلے اس قسم کے ہوتے ہیں جو نباتات میں نہیں ہوتے ✣

ایک عمدہ فرق دونوں میں یہ ہے کہ حیوانات کی غذا اجسام عضوی سے ہوتی ہے اور نباتات کی غذا اجسام غیر عضوی سے جیسے پانی اور ہوائیں اور نمک۔ نباتات کے بننے کا مادہ در اصل ایک کسیلا مادہ ہوتا ہے اور تحلیل کیمیاوی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ مرکب ہے کاربن اور ہیڈروجن اور اوکسیجن سے یہ تینوں ایک ہوائی سیال عنصر ہیں اور نباتات میں نوٹریجن نہیں ہے جس کو ازوٹ بھی کہتے ہیں مگر حیوانات میں ہے اور یہ بھی ایک ہوائی سیال جسم ہے مگر اس کی یہ خاصیت ہے کہ اگر کسی جگہ صرف نائٹروجن بھری ہو اور وہاں آدمی جاوے تو فی الفور مر جاتا ہے جیسا کہ غلہ کی کھتی میں یا کسی پرانے اندھے کنوئیں میں دفعتہً اُترنے سے آدمی مر جاتے ہیں ✣

یہ تمام امور جو ہم نے بیان کئے ہیں امور محققہ میں سے ہیں جو علم زوالوجی یعنی علم الحیوانات اور علم کمسٹری یعنی کیمیا میں بخوبی ثابت ہیں مگر جو فرق کہ جسم نباتی اور جسم حیوانی میں اوپر بیان ہوا ہے اُس پر ہم زیادہ غور کرنی چاہتے ہیں۔ ہم کو بالتخصیص اس بات پر غور کرنی ہے کہ حیوانات میں جو حرکت اور ارادہ اور اختیار اور ادراک اور خیال اور ایک قوت نتیجہ نکالنے کی ہے اُس کا کیا سبب ہے ✣

ہم تسلیم کرتے ہیں کہ نباتات کے جسم کے مادہ میں تین عنصر ہیں کاربن۔ آکسیجن۔ ہیڈروجن۔ اور حیوانات کے جسم کے مادہ میں ایک چوتھا عنصر نوٹریجن بھی ہے مگر یہ تمام عنصر اُن کے جسم کی

بیشک جن لوگوں نے	اِنَّ الَّذِیْنَ

رنگ بدلتا جاتا ہے ✦

اور ایک فرق ان دونوں جسموں میں یہ ہے کہ جسم عضویہ میں غذا اُن کے اعضا کے اندر جاتی ہے اور اندرونی غذا سے بیرونی جسم بڑھتا ہے اور جب تک یہ قوت رہتی ہے نمو ہوتا رہتا ہے اور ایک زمانہ کے بعد اس میں ضعف آجاتا ہے اور غذا کم ہو جاتی ہے اور نمو نہیں ہوتا اور آخرکار مر جاتا ہے عضوی جسم کی حالتیں علانیہ بدلتی رہتی ہیں۔ وہ پیدا ہوتا ہے پھر بڑھتا ہے پھر اُس کا بڑھنا موقوف ہو جاتا ہے پھر بڑھاپے کے سبب گھٹنے لگتا ہے پھر مر جاتا ہے ✦

جسم غیر عضوی پیدا ہوتا ہے اجتماع مادہ سے اور وہ اس طرح بڑھتا ہے کہ اُسی قسم کے اور اجزا مادی اُس کے اوپر کی سطح پر آ کر جڑتے جاتے ہیں اور اجسام عضویہ کا نمو اندر سے ہوتا ہے اور جسم غیر عضوی کا حجم بے انتہا بڑھ جا سکتا ہے اگر کوئی امر مانع نہ ہو اور جسم عضوی کا حجم ایک مقدار معین سے زیادہ نہیں بڑھ سکتا ✦

جسم عضوی اور غیر عضوی میں یہ فرق بھی ہے کہ پہلے جسم میں مختلف قسم کا مادہ ہوتا ہے اور دوسری قسم میں صرف ایک قسم کا۔ اگرچہ اس کے سوا اور بھی اختلافات ہیں مگر مختصر طور پر مقدم اختلافات کو ذیل میں لکھتے ہیں ✦

۱۔ اجسام عضوی کا وجود تناسل سے ہوتا ہے اور غیر عضوی کا جذب و اتحاد سے ✦

۲۔ بقا اجسام عضوی کا محدود ہے اور غیر عضوی کا محدود نہیں ✦

۳۔ اجسام عضوی کے اجزا کروی شکل پر ہوتے ہیں اور غیر عضوی کے زاویہ کے طور پر ✦

۴۔ نمو اجسام عضوی کا منحصر ہے غذا کے اندر جانے پر اور وہ نمو اندر سے باہر کو ہوتا ہے اور غیر عضوی کا اس کے برخلاف ہے ان کا حجم باہر سے اجزا مل جانے سے بڑا ہو جاتا ہے ✦

۵۔ بناوٹ جسم عضوی کی مختلف اجزا سے ہوتی ہے اور جسم غیر عضوی کے اجزا متحد الصفت سے ✦

۶۔ جسم عضوی کی ترکیب اجزا متضاعفہ متحرکہ سے ہوتی ہے اور غیر عضوی کی بسیط ✦

اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجسام غیر عضوی میں تمام معدنیات مثل نمک اور پتھر وغیرہ کے اور مٹی کے داخل ہیں اور اجسام عضویہ میں نباتات اور حیوانات ✦

مگر نباتات و حیوانات میں جو فرق ہے وہ بہت ظاہر ہے۔ حیوانات کی بناوٹ میں نباتات کی بناوٹ سے تضاعفات بہت زیادہ ہیں اور حیوان متحرک ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ جا سکتا ہے اور وہ مدرک ہے اور ذی اختیار ہے کہ جس کام کو چاہے کرے اور جس کو چاہے نہ کرے

بما کنتم تکسبون (۳۷)	بہ سبب اس کے جو تم کماتے تھے (۳۷)

فرض کے ادا کرنے سے قاصر ہے ومن یفعل فھو یودی حق اللہ وحق دینہ وحق اھل دینہ وقومہ واللہ المستعان ۔

المسئلۃ الاولیٰ

ما الرّوح ھو جوھر ام عرض

اس امر کی تنقیح کو کہ روح کا وجود ہے یا نہیں ہم کو اوّلاً اجسام موجود فی العلم پر نظر کرنی چاہئے پس جب ہم اُن پر غور کرتے ہیں تو ابتدائے نظر میں اُن کو دو قسم کے پاتے ہیں ۔

ایک بطور تھوڑے کے کہ وہ جہاں ہیں وہیں ہیں اپنی جگہ سے حرکت نہیں کر سکتے ممکن ہے کہ وہ بے انتہا بڑے ہو جاویں اگر کوئی ایسا سبب جو اُن کے بڑے ہونے کو روکنے والا نہ ہو۔ اس قسم کے اجسام صرف نہایت چھوٹے چھوٹے مشابہ اجزا سے بنے ہوئے ہیں اور اُس کے ہر ایک جزو میں وہی اوصاف ہیں جو اُس کے کُل میں ہیں جیسے پتھر اور لوہا۔ اگر اُن میں سے کوئی ٹکڑا توڑ لیں تو اُس میں بھی وہی اوصاف ہونگے جو اُس کُل میں ہیں۔ اور جب کہ وہ بالکل خالص بغیر کسی ملاوٹ کے ہو تو اُس میں ایک سی طرح کے پرت ہونگے ۔

دوسری قسم کے اجسام ایسے ہیں کہ اُن کا جسم باختلاف اُن کی انواع کے ایک معین حد تک بڑا ہوتا ہے اور اُس کے اجزا غیر متشابہ اور مختلف الالوان ہوتے ہیں۔ اور ان میں باریک باریک رگیں اندر سے خالی مثل نلی کے ہوتی ہیں جن میں بہنے والا مادہ پھرتا رہتا ہے اور اسی طرح الگ الگ پردے بھی ہوتے ہیں جن کے بیچ میں خالی جگہ ہوتی ہے اور پھر کہیں اکٹھے ہو جاتے ہیں اور اس نسا جال کو اُس جسم کے اعضا کہتے ہیں۔ اس لئے پہلی قسم کے اجسام کو اجسام غیر عضویہ اور دوسری قسم کے اجسام کو عضویہ کہتے ہیں ۔

اجسام عضویہ میں پرت نہیں ہوتے اور اُس کا نمو اُسی قسم کی دوسری چیزوں سے ہوتا ہے اور جب وہ جوان ہو جاتا ہے تو اُس میں مختلف طرح کا بیج پیدا ہوتا ہے ۔

غیر عضوی جسم دفعۃً پیدا ہو جاتا ہے جس وقت اُس کا مادہ جمع ہو جائے اور عضوی جسم رفتہ رفتہ نمو پاتا ہے اور جب اُس کے بیج کو بوؤ تو وہی جسم اُس سے پیدا ہوتا ہے جس کا بیج ہے اور بونے والا جب بیج میں ڈالتا ہے تو جانتا ہے کہ وہ کب پھوٹیگا اور کب اُس میں مادہ چوسنے کی طاقت آویگی۔ اُس کے پتے اور ٹہنیاں ہوا میں سے غذا بھی لیتی رہتی ہیں جس کے سبب اُن کا قد بڑھتا ہے اور

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ	پھر چکھو عذاب کو

اس خوف سے کہ اُن لوگوں کے نزدیک جب ظاہری معنی باطل ہو جاوینگے اور اصل حقیقت یا تاویل کے سمجھنے کے لائق نہ ہونے کے سبب وہ اُس کو نہ سمجھینگے تو اصول شرع سے منکر ہو جاوینگے اور کفر تک نوبت پہنچاوینگے ہم کو حقیقت اور صداقت کے بیان سے باز رہنا نہیں چاہئے اگر یہ الزام صحیح ہو (کما نسب بعض لخلائق الیٰ) تو قرآن مجید بھی باایں ہمہ خوبی اس الزام سے بری نہیں رہ سکتا۔ خود خدا تعالےٰ فرماتا ہے یھدی بہ کثیرا ویضل بہ کثیرا +

تاویلات فاسدہ بھی اگر ہوں تو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتیں اس لئے کہ جو چیز غلط ہے اُس کی غلطی بہت دیر پا نہیں ہوسکتی دوسروں کو اُس کی غلطی بیان کرنے کا اور غلط کو صحیح کرنے کا موقع ملتا ہے اور اگر وہ بیان ہی نہ کی جاویں تو سچ بات کے ظاہر ہونے کا موقع ہی نہیں ہوتا +

ہاں یہ بات سچ ہے کہ بہت سے حقایق ایسے ہیں جن پر انسان کو یقین کرنے کے لئے دلیل ہے مگر اُن کی حقیقت جاننا انسان کی فطرت سے خارج ہے مگر اس قسم کے حقایق ہمارے استدلال میں کچھ نقص ڈالنے والے نہیں ہیں کیونکہ دلیل سے ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا جاننا یا سمجھنا انسان کی فطرت سے خارج ہے اور یہی عدم علم اُن کی معرفت کے لئے کمال معرفت ہے +

اصل یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں جب کہ علما نے اس قسم کی رائیں لکھیں علم ایک نہایت محدود فرقہ میں تھا جس کو وہ بجز اپنے خاص لوگوں کے اوروں میں شائع کرنا ہی پسند نہیں کرتے تھے اور تمام لوگ اعلےٰ و ادنےٰ علوم کے ادنےٰ ادنےٰ مسائل سے بھی بے بہرہ تھے اور اُن کے دل شبہات و تشکیکات سے پاک تھے اور یہی باعث ہوا کہ اُن علما نے ایسی رائے قایم کی تھی مگر وہ زمانہ گیا علوم و حکمت اب اس قدر عام ہوگئی کہ ایک بہت بڑا حصہ دنیا کا اُس سے واقف ہوگیا طفل دبستان بھی اپنے مکتب میں ارسطو اور افلاطوں کی غلطیوں کا جہاں جہاں اُنہوں نے کی ہیں ذکر کرتا ہے ہزاروں آدمی ہر شہر و قصبہ میں ایسے موجود ہیں جو خود کچھ نہیں جانتے مگر بہت سے مسائل علوم و حکمت کے سُن سُن کر اُن کے کان آشنا ہوگئے ہیں اور اکثر الناس وہ ہیں جن کے دل شبہات و تشکیکات سے مملو ہیں ۔ اِس زمانہ میں جو ذی علم ہیں اُن کا ایمان بھی حلق کے نیچے تک نہیں ہے مُنہ سے کہتے ہیں کہ جو کچھ قرآن و حدیث میں آیا ہے اُس پر یقین کرنا چاہئے مگر دل میں شبہات بھرے پڑے ہیں ۔ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ یقین کرنے سے نہیں ہوتا بلکہ ہونے سے ہوتا ہے پس اب یہ زمانہ ہے کہ جو کوئی بقدر اپنی طاقت کے اُن تمام حقایق اور تاویلات کو نہ کھولے اور لومۃ لائم سے نڈر ہو کر اگلے علما کی اُن غلطیوں کو جو بمقتضائے اُس زمانہ کے ناکمل علوم اور ناکمل تحقیقات کے حقایق کی بیان حقیقت اور قرآن مجید کی تفسیر میں راہ پاگئی ہیں عام طور سے سب کے سامنے بیان نہ کرے وہ اپنے

مِنۡ فَضۡلٍ	فضیلت

غیر حق کے کیونکر ثابت کر سکتے ہیں۔ ایک عیسائی کہتا ہے کہ تثلیث کا مسئلہ کہ تین تین بھی ہیں اور ایک بھی ہیں ایک الٰہی مسئلہ ہے اُس پر بے سمجھے یقین کرنا چاہئے پس اگر ہم مذہب اسلام کے بہت سے مسئلوں کی نسبت ایسا ہی کہنا قرار دیں تو کیا وجہ ہے کہ اُس کی تکذیب اور اس کی تصدیق کریں ❊

ایک اور بات غور کے لائق ہے کہ جب کسی کے دل میں مذہب اسلام کے کسی مسئلہ کی نسبت شک پیدا ہوا خواہ وہ عالم ہو یا جاہل اور ہم اُس کی حقیقت یا تصریح یا تاویل بیان کر کے اُس کے دل کے شبہ کو تو رفع نہ کریں اور بعوض اُس کے کہیں کہ تم راسخین فی العلم میں نہیں ہو بلا تفتیش اس کو تسلیم کرو اور اُسی پر یقین رکھو تو اُس کا ایمان ایسا رہیگا جس کا اثر حلق سے نیچے نہ اتریگا اُس کی زبان کہیگی ہاں اور دل کہیگا ناہ۔ علاوہ اس کے یقین ایسی چیز نہیں کہ کسی کے کہدینے سے آجاوے بلکہ یقین ایک امر اضطراری ہے کہ جب تک وہ شبہ جس نے یقین میں خلل ڈالا ہے نہ مٹ جاوے یقین آ ہی نہیں سکتا ❊

اصل بات یہ ہے کہ دنیا میں عالم ہوں یا جاہل دو قسم کے لوگ ہیں ایک وہ جو دل سے تمام باتوں پر جو اسلام میں ہیں اور گو وہ کیسی ہی خلاف عقل اور خلاف سمجھ اور محال و ناممکن ہوں بلکہ خلاف واقع سب پر یقین رکھتے ہیں اس قسم کے لوگوں کے لئے کسی قسم کی دلیل کی ضرورت نہیں۔ دوسرے وہ جن کو اُن باتوں پر شبہ ہے یا اُن کا وقوع غیر ممکن سمجھتے ہیں یا اُن کے غلط ہونے پر صحیح یا غلط دلیلیں رکھتے ہیں بلا لحاظ اس بات کے کہ وہ منجملہ راسخین فی العلم ہیں یا نہیں اور عالم ہیں یا جاہل اُن کے سامنے ہر ایک چیز کی جو اسلام میں ہے اُس کی حقیقت اور ہر ایک امر قابل تاویل کی تاویل بیان کرنی فرض ہے اور جو اُس کے بیان کی قدرت رکھتا ہے اور بیان نہیں کرتا وہ کافر ہے اُسی دلیل سے جس دلیل سے کہ ابن رشد نے حقیقت بیان کرنے والوں اور تاویل کی تصریح کرنے والوں کو کافر بتایا ہے ❊

ہم فرض کریں کہ اُن شککین کو اس قدر لیاقت نہیں ہے کہ وہ اُن حقیقتوں اور تاویلوں کو سمجھیں مگر اتنی بات تو اُن پر ثابت ہوگی کہ اُس کے لئے دلیلیں اور اس کی صداقت کے ثبوت کے لئے وجوہات ہیں اور اُس کی حقیقت کے لئے بیانات ہیں مگر ہم اُن کو سمجھ نہیں سکتے ادنےٰ درجہ یہ ہے کہ اُن کے سمجھانے کا جو فرض ہم پر تھا اُس کو بلا شبہ ہم ادا کر دینگے۔ بہت لوگوں نے پیغمبروں کی نصیحتوں کو نہیں سمجھا مگر پیغمبر اس خیال سے کہ وہ اُن کے سمجھنے کے لائق نہیں ہیں نصیحتوں کے سمجھانے سے باز نہیں رہے بلکہ طرح طرح سے سمجھایا اور کوشش کی کہ اُن کو اُن کے سمجھنے کے لایق کریں ❊

فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا	پھر کیا تھی تمہارے لئے ہم پر

مخالفانہ اور مخاصمانہ دلیلوں کے ٹوٹ جانے کے بعد یقین لاتے ہیں۔ تیسرے اہل تاویل حقہ یقینیہ ہیں اور وہ برہانیون صاحب علم و حکمت ہیں۔ مگر برہانیون جو تاویل کریں اُس کو اُن پہلی دو قسموں کے سامنے بیان کرنا نہیں چاہئے اور اگر یہ تاویلیں اُن لوگوں کے سامنے بیان کی جاویں جو اُس کے اہل نہیں ہیں تو بیان کرنے والے اور سننے والے دونوں کو کفر تک پہنچا دیتی ہیں کیونکہ تاویل کرنے والے کا مقصود ظاہری معنوں کو باطل کرنے اور تاویلی معنوں کے ثابت کرنے کا ہوتا ہے پس جب عام آدمیوں کے نزدیک جو صرف ظاہری بات کو سمجھ سکتے ہیں ظاہری معنی باطل ہو گئے اور تاویلی معنی اُس کے نزدیک ثابت نہ ہوئے کیونکہ اُن کے سمجھنے کی اُس کو عقل نہ تھی پس اگر یہ بات ایسے اقوال کی نسبت تھی جو اصول شرع میں داخل ہیں تو کفر تک نوبت پہنچ گئی۔ بس ابن رشد فرماتے ہیں کہ تاویلات کا عام لوگوں میں ظاہر کرنا یا عام لوگوں کی تعلیم کے لئے جو کتابیں ہیں اُن میں لکھنا نہیں چاہئے اور اُن کو سمجھا دینا چاہئے کہ یہ خدا کی باتیں ہیں خدا ہی ان باتوں کی حقیقت خوب جانتا ہے۔ لا یعلم تاویلہ الا اللہ۔ (انتہیٰ ملخصاً)

اس کے بعد ابن رشد اسی قسم کی تاویلوں ہی کو عام لوگوں پر ظاہر کرنے کو منع نہیں فرماتے بلکہ ہر چیز کی حقیقت کو جو عام لوگوں کے سوائے راسخین فی العلم کی سمجھ سے باہر ہے ظاہر کرنے کو منع کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اسی کی مانند جواب سوالات امور غامضہ کے ہیں جو جمہور کے سمجھنے کے لائق نہیں ہیں جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے ویسئلونک عن الروح قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ ان باتوں کو بھی غیر اہل پر بیان کرنے والا کافر ہے کیونکہ وہ لوگوں کو کفر کی طرف بلاتا ہے خصوصاً جب کہ تاویلات فاسدہ اصول شریعت میں ہونے لگیں جیسے کہ ہمارے یعنی ابن رشد کے زمانہ میں لوگوں کو یہ بیماری لگ گئی ہے (انتہیٰ ملخصاً)

نتیجہ اس تقریر کا یہ ہے کہ کوئی بات بھی شریعت کی جو بیان حقیقت یا تاویلات کی قسم سے ہو سوائے راسخین فی العلم کے کسی کے سامنے بیان نہ کی جائے جس قسم کے لوگوں کو ابن رشد نے راسخین فی العلم میں قرار دیا ہے اس زمانہ میں تو ویسا شخص کوئی نہیں ہے بلکہ اگلے زمانہ میں بھی دو ایک کے سوا کوئی نہ تھا پس ضرورۃً لازم آتا ہے کہ تمام مقدم باتیں شریعت کی بطور ایک معما چیستان یا مثل راز سربستہ کے غیر معلوم رہنی چاہئیں۔

اگر ہمارا مذہب اسلام ایسا ہو کہ اُس کے اصول لوگوں کو نہ سمجھا سکیں جو اُن کو سمجھنا چاہتے ہیں یا اُن لوگوں کی تشفی نہ کر سکیں جن کے دل میں شبہات پیدا ہوتے ہیں بلکہ اُن سب کو اس کے مجیب کریں کہ ان باتوں کو اسی طرح مان لو تو ہم اپنے مذہب کی صداقت فی نفسہ اور بمقابلہ دیگر مذاہب

وَقَالَتْ اُولٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ	اور کہینگی اُن میں کی پہلی اپنی دوسری کو

اول یہ کہ - جن امور کی نسبت وہ کہے گئے ہیں اُن کے تصور اور تصدیق دونوں پر یقین کرنا ضرور ہے گو کہ اُن کی دلیلیں خطبیہ ہوں یا جدلیہ اور جو نتیجے اُن سے نکالے ہیں وہی نتیجے بعینہا مقصود ہیں بطور تمثیل کے نہیں کہے گئے ہیں - ابن رشد فرماتے ہیں کہ ایسے اقوال کی تاویل کرنی نہیں چاہئیے اور جو شخص اُن سے انکار کرے یا اُن کی تاویل کرے وہ کافر ہے *

دوم یہ کہ - جو اقوال بطور مقدمات کے کہے گئے ہیں گو کہ اُن کی صرف شہرۃ ہی ہو اور گو کہ وہ مظنون ہی ہوں مگر اُن پر یقین کرنا لازمی ٹھیرا ہو اور نتیجے جو اُن سے نکالے ہوں وہ بطور مثال اُن نتیجوں کے ہوں جو مقصود ہیں - ابن رشد فرماتے ہیں کہ صرف اُن مثالی نتیجوں کی نسبت البتہ تاویل ہوسکتی ہے *

سوم یہ کہ - جو نتیجے اُن اقوال سے نکالے گئے ہیں وہی بعینہا مقصود ہیں اور جو اُن کے مقدمات بیان ہوئے ہیں وہ مشہور ہوں یا مظنون مگر اُن پر یقین کرنا لازمی نہ ٹھیرا ہو تو اُن نتائج میں بھی تاویل نہیں ہوسکتی البتہ صرف اُن مقدمات میں تاویل ہوسکتی ہے *

چہارم یہ کہ - جو مقدمات اُس میں بیان ہوتے ہیں وہ صرف مشہور ہوں یا مظنون اور اُن پر یقین کرنا بھی لازمی نہ ٹھیرا ہو اور جو نتیجے اُن سے نکالے گئے ہیں وہ بطور مثال اُن نتیجوں کے ہوں جو مقصود ہوں - ان میں تاویل کرنا خاص لوگوں کا کام ہے اور عام لوگوں کا فرض ہے کہ وہ بلا تاویل کے اُن کو ویسا ہی مانتے رہیں (انتہی مخلصاً) *

ہم کو افسوس ہے کہ اس عالم مصنف نے اِن چاروں قسموں میں سے کسی قسم کی مثال نہیں دی جس سے شبہ ہوتا ہے کہ یہ صرف فرضی اور عقلی تقسیم ہے اور کوئی مثال شرع میں اس کے مناسب موجود نہیں ہے علاوہ اس کے نہایت خامی اس بیان میں یہ ہے کہ قول شارع میں خواہ وہ آیت قرآن مجید کی ہو یا کوئی حدیث رسول کی اُس میں اس بات کا قرار دینے والا کون ہے کہ اُس کے مقدمات ایسے ہیں جن پر یقین کرنا ضروری ہے یا اُس کے برخلاف ہیں یا اُس کے نتیجے وہی بعینہا مقصود بالذات ہیں یا وہ تمثیل ہیں نتائج مقصود بالذات کی - اگر اُس کے قرار دینے والے یہی ہماں شماں ہوں تو یہ تمام تقریر اور تقسیم فضول ہوجاتی ہے - اس لئے کہ مثلاً زید نے شارع کے ایک قول کو جس قسم کا ٹھیرایا ہے لازم نہیں ہے کہ عمرو بھی اُس کو اُسی قسم کا ٹھیراوے *

اس کے بعد ابن رشد فرماتے ہیں کہ آدمی تین قسم کے ہیں - ایک وہ ہیں جو مطلقاً تاویل کرنے کی لیاقت نہیں رکھتے وہ تو خطبیون ہیں یعنی دل کو تسلی دینے والی باتوں پر یقین لانے والے اور اسی قسم کے لوگ بہت کثرت سے ہیں - دوسرے جدلی ہیں جو بالطبع یا بطریق عادت

قَالَ ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ فِي النَّارِ كُلَّمَا دَخَلَتْ أُمَّةٌ لَّعَنَتْ أُخْتَهَا حَتَّىٰ إِذَا ادَّارَكُوا فِيهَا جَمِيعًا قَالَتْ أُخْرَاهُمْ لِأُولَاهُمْ رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ أَضَلُّونَا فَآتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَلَٰكِن لَّا تَعْلَمُونَ ﴿۳۶﴾

خدا کہیگا کہ داخل ہو اُن گروہوں میں جو گذر گئی ہیں تم سے پہلے جن و انس سے آگ میں جب جب داخل ہوگی کوئی گروہ لعنت کریگی اپنی بہن کو یہاں تک کہ جب ملجاوینگی سب اُس میں تو کہینگی پچھلی اپنی پہلیوں کو اے پروردگار ہمارے اُنہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا پھر دے اُن کو دوگنا عذاب آگ سے (خدا) کہیگا ہر ایک کے لئے دوگنا ہے ولیکن تم نہیں جانتے ﴿۳۶﴾

ظاہری لباس نور کا یا نورباف کا بنا ہوا اور نہ وہ مصنوعی گوشت جس کے کھلنے سے لوگ شرماتے ہیں ✧

﴿۳۶﴾ (قال ادخلو) اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیتوں میں بہت کچھ ذکر معاد کا ہے۔ اور قرآن مجید میں جابجا اس کا کچھ نہ کچھ ذکر آجاتا ہے مگر یہ ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جب تک پورا سلسلہ اُس کا بیان نہ ہو خیال میں نہیں آتا اور نہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں جو کچھ اُس کی نسبت بیان ہوا ہے اُس کا کیا منشا ہے پس مناسب ہے کہ ہم اسی مقام میں اُس پر بقدر امکان بحث کریں مگر ان مطالب پر بحث کرنے سے پہلے اس بات کا بیان کرنا ضرور ہے کہ ان مسائل پر بحث کرنے کی نسبت اگلے عالموں نے کیا کہا ہے قاضی ابوالولید ابن رشد نے اپنے رسائل میں لکھا ہے کہ ،، شرع کا مقصود علم حق اور عمل حق کی تعلیم ہے اور تعلیم کی دو قسمیں ہیں ایک کسی شے کا خیال کرنا اور دوسرے اُس پر یقین کرنا جس کو اہل علم تصور اور تصدیق سے تعبیر کرتے ہیں ✧

تصور کے دو طریق ہیں یا تو خود اُسی شے کو تصور کرنا ہے یا اُس کی مثال کو تصور کرنا ہے اور تصدیق کے طریق جو انسانوں میں ہیں وہ تین ہیں۔ برہانی یعنی دلائل قطعی کے سبب سے یقین کرنا۔ جدلی یعنی مخالفانہ اور مخاصمانہ دلیلوں کے ٹوٹ جانے کے بعد یقین لانا خطبی یعنی ایسی باتوں سے جن سے انسان کے دل اور وجدان قلبی کو تسکین ہو جائے اُس پر یقین لانا ✧

اکثر آدمی ایسے ہیں جن کو دلائل خطبیہ یا جدلیہ سے تصدیق حاصل ہوتی ہے اور دلائل برہانیہ خاص چند آدمیوں کے سمجھنے کے لائق ہوتی ہیں۔ شرع کا مقصود سب سے اول عام لوگوں کو سمجھانا ہے اور خواص سے بھی غافل نہ ہونا اس شرع نے تعلیم کے لئے مشترک طریقہ اختیار کیا ہے اور اُس کے اقوال چار طرح پر ہیں ✧

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۲﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۵﴾

ہر ایک گروہ کے لئے ایک میعاد ہے پھر جب آتا ہے اُن کا وقت نہیں تاخیر کرتے ایک ساعت اور نہ سبقت کرتے ہیں (۳۲) اے آدم کے بیٹو جب تمہارے پاس پیغمبر آویں تم میں سے بیان کریں تم پر میری نشانیاں ۔ پھر جس نے پرہیزگاری اور نیکی کی تو اُن پر کچھ خوف نہیں ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے (۳۳) اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور اُن سے سرکشی کی وہی لوگ ہیں آگ میں رہنے والے وہ ہمیشہ اُس میں رہینگے (۳۴) پھر کون زیادہ ظالم ہے اُن لوگوں میں سے جنہوں نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹ یا جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہی لوگ ہیں کہ پہنچیگا اُن کو اُن کا حصہ لکھے ہوئے میں سے یہاں تک کہ جب آوینگے اُن کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے اُن کی جان لینے کو کہینگے کہاں ہیں وہ جن کو تم پکارتے تھے اللہ کے سوا کہینگے کہ وہ ہم سے کھوئے گئے اور گواہی دینگے اپنے پر آپ کہ بیشک وہ کافر تھے (۳۵)

سے ایک خاص معنی لیکر اُس پر طرح طرح کے بے سند و بے سروپا لکھ دئے ہیں ۔ اس مطلب کی تشریح قابل تسکین اُس وقت ہو جاتی ہے جب انسان اس آیت کو پڑھتا ہے کہ اے آدم کے بیٹو تم پر میں نے ایک لباس اُتارا ہے جو تمہاری شرمگاہ کو ڈھانکیگا اور تقوٰے کا لباس سب سے اچھا ہے ۔ پس اس آیت نے ثابت کر دیا کہ نہ وہاں سوأۃ سے شرمگاہ مراد تھی اور نہ پتوں کے ڈھانکنے سے اُس کا ڈھانکنا بلکہ صرف افعال اور اخلاق ذمیمہ کہ جو انسان کے لئے ایسے ہی بُرے ہیں جیسے اُس کی شرمگاہ کا لوگوں کے سامنے کھُل جانا اُس استعارے میں بیان فرمایا ہے ۔ اس سے بھی زیادہ تشریح اس مطلب کی ایک اور آیت سے ہوتی ہے جو ان آیتوں کے بعد ہے ۔ پہلے تو یہ فرما دیا کہ تقوٰے کا لباس سب سے بہتر ہے پھر فرمایا کہ اے آدم کے بیٹو ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو بھی بہکا کر تمہارے ماں باپ کی طرح لباس اُتروا کر شرمگاہوں کو دکھلوا دے اس نصیحت سے صاف ظاہر ہے کہ لباس سے مراد تقوٰے اور سوأۃ سے مراد بُرائیاں ہیں نہ یہ

قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَ
اَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ
كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ
لَهُ الدِّيْنَ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ
فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ
عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا
الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٢٨﴾
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ
كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا
وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٢٩﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ
زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ
وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ
نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣٠﴾
قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ
مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ
بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ
مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ
تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣١﴾

کہدے کہ میرے پروردگار نے حکم کیا ہے ٹھیک طور سے، اور
ٹھیک رکھو اپنے منہوں کو (یعنی اپنے آپ کو یعنی اپنے
دل اور اپنی جان کو) نزدیک ہر ایک سجدہ کی جگہ کے
اور پکارو اُسی کو (یعنی خدا کو) خالص کرکے اسی کے
لئے عبادت کو، جس طرح کہ تم کو پیدا کیا پھر جاؤ گے،
ایک گروہ کو ہدایت کی اور ایک گروہ کو ٹھیرا دی اُن پر
گمراہی، بیشک اُنہوں نے پکڑا شیطانوں کو اپنا دوست اللہ
کے سوا اور سمجھتے ہیں کہ بیشک وہ ہدایت پائے ہوئے ہیں ﴿٢٨﴾
اے آدم کے بیٹو لو اپنا سنگار (یعنی اپنا لباس برخلاف مشرکوں کے
کہ وہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے یا یہ کہ اپنی جوتیاں مت اُتارو
برخلاف یہودیوں کے کہ وہ اپنے معبد میں جوتیاں اُتار کر جاتے
تھے) نزدیک ہر سجدہ کی جگہ کے اور کھاؤ اور پیو اور حد سے
مت گذرو بیشک وہ (یعنی اللہ) دوست نہیں رکھتا حد سے
گذر جانے والوں کو ﴿٢٩﴾ کہدے کہ کس نے حرام کیا ہے خدا کے
پیدا کئے ہوئے سنگار کو جو اُس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کیا ہے
اور کھانے میں سے پاک چیزوں کو، کہدے کہ وہ اُن لوگوں کے لئے ہیں جو ایمان
لائے ہیں دنیا کی زندگی میں خاص کر قیامت کے دن، اسی طرح ہم بیان
کرتے ہیں نشانیوں کو اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں ﴿٣٠﴾ کہدے
کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ حرام کیا ہے میرے پروردگار نے بےحیائی کو
اس میں سے جو کھلی ہوئی ہو اور جو چھپی ہوئی ہو اور گناہ کو اور سرکشی کو
ناحق اور یہ کہ شریک کرو اللہ کے ساتھ کسی چیز کو کہ نہیں اُتاری
ہے اس کے لئے کوئی دلیل اور یہ کہو تم اللہ پر وہ جو نہیں جانتے ﴿٣١﴾

یا جاہل اسی سبب سے یہاں بھی لفظ سوأۃ کا استعمال ہوا ہے کیونکہ شرمگاہ کے کھلنے کو ہر ایک
شخص معیوب اور بُرا سمجھتا ہے اور شیطان کی یعنی قوائے بہیمہ کی پیروی سے جو افعال بد صادر ہوتے
ہیں اُس کی بُرائی کو ایک محسوس شے سے استعارۃً بیان کیا ہے اور بتلایا ہے کہ انسان کس طرح اپنی
بُرائیوں کے چھپانے کی کوشش کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ چھپ گئیں مگر درحقیقت وہ چھپتی نہیں
پس اُن قصوں اور کہانیوں کی طرف ملتفت نہ ہونا چاہئے جن کو مفسرین نے اُن کے لغوی معنوں میں

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۲۲﴾ قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلٰى حِينٍ ﴿۲۳﴾ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿۲۴﴾ يٰبَنِي آدَمَ قَدْ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْاٰتِكُمْ وَرِيشًا وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۲۵﴾ يٰبَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا إِنَّهُ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِينَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۲۶﴾ وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَاءَنَا وَاللّٰهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ أَتَقُولُونَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۷﴾

اُن دونوں نے کہا کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے پر ظلم کیا اور اگر تو ہم کو نہ بخشیگا اور ہم پر رحم نہ کریگا تو بیشک ہم ٹوٹے میں پڑنے والوں میں سے ہوجاوینگے (۲۲) (خدا نے) کہا اُترو (اُس درجہ سے جس پر تھے) تم میں کا ایک دوسرے کے لئے دشمن ہے اور تمہارے لئے زمین میں ٹھیرنا اور ایک زمانہ تک فائدہ اُٹھانا ہے (۲۳) (خدا نے) کہا اُسی میں جیوگے اور اسی میں مروگے اور اُسی سے نکلوگے (۲۴) اے آدم کے بیٹو بیشک ہم نے اُتارا ہے تم پر ایک لباس کہ ڈھانکتا ہے تمہاری شرمگاہ کو اور زینت دیتا ہے اور لباس تقوے کا یہی سب سے اچھا ہے۔ یہ ہے اللہ کی نشانیوں میں سے شاید کہ وہ نصیحت پکڑیں (۲۵) اے آدم کے بیٹو نہ خرابی میں ڈالے تم کو شیطان جس طرح نکالا تمہارے ماں باپ کو جنت سے چھین لیا تھا اُن سے اُن کا لباس تاکہ دکھاوے اُن کو اُن کی شرمگاہ بیشک دکھاتا ہے تم کو وہ اور اُس کا گروہ اس طرح پر کہ تم اُن کو نہیں دیکھتے، بیشک ہم نے کیا ہے شیطانوں کو اُن لوگوں کا دوست جو ایمان نہیں لاتے (۲۶) اور جب وہ کرتے ہیں کوئی بُرا کام تو کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی بات پر پایا ہے اور اللہ نے اس کا ہم کو حکم کیا ہے، کہدے کہ بیشک اللہ نہیں حکم کرتا بُرے کام کا کیا تم کہتے ہو اللہ پر وہ بات جس کو تم نہیں جانتے (۲۷)

شرمگاہ کے لئے ہیں اس سبب سے کہ اگلی آیت میں پتوں سے اُس کے چھپانے کا ذکر آیا ہے *

مگر ہم بیان کرچکے ہیں کہ یہ تمام قصہ آدم کا ایک استعارہ میں بیان ہوا ہے اور اُس سے مراد صرف بیان فطرت انسانی ہے اس طرح پر کہ ہر ایک شخص کی سمجھ میں آجاوے خواہ وہ عالم ہو

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا لَّمَنْ
تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ
مِنكُمْ أَجْمَعِينَ (۱۷) وَيَا آدَمُ
اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ
فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا
تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ
الظَّالِمِينَ (۱۸) فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ
لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وُورِيَ عَنْهُمَا مِن
سَوْآتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا
عَنْ هَٰذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَن تَكُونَا
مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ (۱۹)
وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ النَّاصِحِينَ (۲۰)
فَدَلَّاهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ
بَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا
يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِن وَرَقِ الْجَنَّةِ
وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا عَن
تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَأَقُل لَّكُمَا إِنَّ
الشَّيْطَانَ لَكُمَا
عَدُوٌّ مُّبِينٌ (۲۱)

(نکالے) کہا نکل اُن میں سے (یعنی فرشتوں میں سے) ذلیل و مردود
ہوکر جو کوئی اُن میں سے تیری پیروی کریگا ضرور میں بھرونگا
دوزخ کو تم میں سے سب سے (۱۷) اے آدم تو اور تیری جورو
رہ اس جنت میں پھر کھاؤ دونوں جہاں سے چاہو
اور نہ پاس جاؤ اس درخت کے پھر تم دونوں ہو جاؤ گے
ظالموں میں سے (۱۸) پھر وسوسے میں ڈال دیا اُن کو
شیطان نے تاکہ ظاہر کر دے اُن دونوں کو جو چھپا ہوا ہے
اُن دونوں سے اُن کی شرم گاہوں میں سے۔
اور کہا کہ نہیں منع کیا تم کو تمہارے پروردگار نے
اس درخت سے مگر اس لئے کہ ہو جاؤ گے فرشتے
یا ہو جاؤ گے ہمیشہ رہنے والے (۱۹) اور اُن دونوں
کے سامنے قسم کھائی کہ بیشک میں تم دونوں کے خیرخواہوں
میں سے ہوں (۲۰) پھر پچھاڑ دیا اُن کو فریب سے۔ پھر جب
اُن دونوں نے اُس درخت کو چکھا تو اُن دونوں کو
اُن کی شرمگاہیں ظاہر ہوئیں اور دونوں لگے جوڑنے جنت
کے پتوں سے چھپانے لگے۔ اور اُن کے پروردگار نے اُن کو
پکارا۔ کہ کیا میں نے تم دونوں کو منع نہ کیا تھا اُس درخت سے
اور کیا تم دونوں کو نہ کہہ دیا تھا کہ بیشک شیطان تم دونوں
کا کھلا ہوا دشمن ہے (۲۱)

یعنی اُس کے برابر ہے پس یہی معنی یہاں لینے بھی لازم ہیں ÷
غرضکہ علمائے متقدمین بھی اس بات کے قائل ہیں کہ میزان اور وزن اعمال سے فی الحقیقت میزان کا
موجود ہونا اور فی الحقیقت اعمال کا وزن ہونا مراد نہیں ہے بلکہ صرف عدل کا استعارہ ہے اور مراد یہ ہے
کہ خدا عدل کریگا اور اعمال نیک کی جزا اور بد کی سزا نہایت عدل و انصاف سے دیگا۔ اسی لئے
ہم نے اس امر کی نسبت زیادہ بحث نہیں کی ÷
(۱۹) (سواٰتھما) سوءۃ کے معنی شرمگاہ کے بھی ہیں اور اعمال قبیحہ اور اخلاق قبیحہ کے
بھی ہیں قاموس میں لکھا ہے السوءۃ الفرج والفاحشۃ والخلۃ القبیحۃ اور فاحشہ کی نسبت
بھی لکھا ہے کہ "الفاحشۃ الزنا وما یشتد قبحہ من الذنوب" اس مقام پر سوءۃ کے معنی

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿٨﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿٩﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿١٠﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿١١﴾ قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿١٢﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿١٣﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿١٤﴾ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٥﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٦﴾

اور جو کوئی کہ اُس کے ہلکے نکلے (اعمال نیک) پھر وہی لوگ وہ ہیں جنہوں نے ٹوٹا دیا اپنے آپ کو بسبب اِس کے کہ ہماری نشانیوں کے ساتھ ظلم کرتے تھے ﴿٨﴾ اور بیشک ہم نے تم کو قدرت دی زمین میں اور ہم نے تمہارے لئے اس میں معیشتیں پیدا کیں بہت تھوڑا ہے جو تم شکر کرتے ہو ﴿٩﴾ بیشک ہم نے تم کو پیدا کیا پھر ہم نے تمہاری صورت بنائی پھر ہم نے فرشتوں کو کہا کہ سجدہ کرو آدم (یعنی انسان) کو پھر اُنہوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے وہ سجدہ کرنے والوں میں سے نہ تھا ﴿١٠﴾ (خدا نے) کہا کس چیز نے تجھ کو منع کیا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب کہ میں نے تجھ کو حکم دیا تھا۔ (شیطان نے) کہا کہ میں اُس سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو پیدا کیا ہے آگ سے اور اُس کو پیدا کیا ہے مٹی سے ﴿١١﴾ خدا نے کہا نیچے اُتر اُن میں سے (یعنی فرشتوں کے درجہ میں) پھر تجھ کو نہیں چاہیئے کہ تکبر کرے اُن میں (یعنی فرشتوں میں) پس نکل (یعنی فرشتوں میں سے) بیشک تو ذلیلوں میں سے ہے ﴿١٢﴾ (شیطان نے) کہا کہ مجھے مہلت دے اُن کے اُٹھنے کے دن تک ﴿١٣﴾ (خدا نے) کہا بیشک تو مہلت دیئے گیوں میں سے ہے ﴿١٤﴾ (شیطان نے) کہا پھر اس سبب سے کہ تو نے مجھ کو گمراہ کیا ہے اُن کے لئے تیرے سیدھے رستے کی راہ ماری کرنے کو گھات میں بیٹھونگا ﴿١٥﴾ پھر اُن کے آگے سے اور اُن کے پیچھے سے اور اُن کے داہنے سے اور اُن کے بائیں سے اُن پر آن پڑونگا تو اُن میں سے بہتوں کو شکر کرنے والا نہ پاویگا ﴿١٦﴾

کنایہ کرنا کچھ نہیں ہے۔ ایک آدمی جب کہ اُس کی قدر و منزلت نہیں ہوتی تو کہا جاتا ہے وہ کچھ وزن نہیں رکھتا۔ خدا نے بھی فرمایا ہے "فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا"، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے فلاں شخص کو خفیف کر دیا۔ اور کلام کی نسبت بھی کہتے ہیں کہ یہ کلام اُسی وزن کا ہے

سے ٩ مرادِ آیت میں خدا نے تمام انسانوں کو خطاب کیا ہے اُس کے بعد آدم کا جو لفظ آتا ہے اس سے کوئی شخص معین مراد نہیں ہو سکتا بلکہ وہ سب مراد ہیں جو مخاطب تھے یعنی انسان ۔

سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
الٓمّٓصٓ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (۱) اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ (۲) وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ (۳) فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ (۴) فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ (۵) فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ (۶) وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۷)

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان
یہ کتاب ہے کہ اُتاری گئی ہے تجھ پر پھر نہ ہووے تیرے دل میں کچھ تنگی تاکہ ڈراوے (تو لوگوں کو) اُس سے اور نصیحت واسطے ایمان والوں کے (۱) پیروی کرو اُس کی جو اُتارا گیا ہے تم پر تمہارے پروردگار سے اور مت پیروی کرو اُس کے سوا اور دوستوں کی تھوڑی سی نصیحت تم سمجھتے ہو (۲) اور بہت سے شہر ہیں کہ ہم نے اُن کو ہلاک کیا پھر اُن پر ہمارا عذاب آیا رات کو اور وہ سوتے تھے (۳) پھر اور کچھ اُن کا کہنا نہ تھا جب اُن پر عذاب آیا بجز اس کہنے کے کہ بیشک ہم ظالم تھے (۴) پھر ضرور ہم پوچھینگے اُن لوگوں سے جن کے پاس پیغمبر بھیجے گئے ہیں اور ضرور ہم پوچھینگے پیغمبروں سے (۵) پھر ضرور ہم اُن کا قصہ اُن کو سنا دینگے اور (جو کچھ کہ وہ کرتے تھے اُس وقت) ہم غیر حاضر نہ تھے (۶) اور وزن (اعمال کا) اُس دن حق ہے پھر جو کوئی کہ اُس کے بھاری نکلے (اعمال نیک) پھر وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں (۷)

(۷) (والوزن یومئذ الحق) عام مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور اُس پر بہت سی بے بنیاد حدیثیں بھی بنالی ہیں کہ قیامت کے دن بندوں کے اعمال تولنے کے لئے ایک ترازو ہوگی جس کا ایک پلڑا بہشت پر اور ایک پلڑا دوزخ پر ہوگا اور اتنی بڑی ہوگی کہ تمام آسمان و زمین اور جو کچھ کہ اُن میں ہے سب ایک دفعہ ایک پلڑے میں سما سکینگے اور اُس کی لسان یعنی ڈنڈی پر کی چوٹی جبرئیل پکڑے ہوئے ہونگے اچھے اعمال خوبصورت اور بُرے اعمال بدصورت بنکر آوینگے اور تولے جاوینگے۔ یا نامہ اعمال جن کو نیکی و بدی کے فرشتے لکھتے رہتے ہیں تولے جاوینگے۔ مگر خود علماے محققین نے ان سب باتوں کو بے اصل اور غیر ثابت سمجھ کر اُن سے انکار کیا ہے۔ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ مجاہد اور ضحاک اور اعمش کا قول ہے کہ میزان سے عدل اور انصاف مراد ہے اور اکثر متاخرین کی یہ رائے ہے اور کہتے ہیں کہ لفظ وزن کا استعمال ان معنوں میں بہت ہوتا ہے اور اس پر دلیل بھی ہے جس سے یہی معنی لینے ضرور ہیں۔ کیونکہ عدل لینے و دینے میں صرف پلے یا میزان سے دنیا میں ظاہر ہوتا ہے پھر وزن سے عدل کا

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

کہدے کہ کیا دوسرے کو اللہ کے سوا پروردگار چاہوں اور وہ تو پروردگار ہر چیز کا ہے اور نہیں کماتا کوئی شخص مگر اپنے پر اور نہیں اٹھاتا کوئی اٹھانیوالا دوسرے کا بوجھ پھر تمہارے پروردگار کے پاس تم کو پھر جانا ہے پھر بتادیگا تم کو اُس چیز کو جس میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۱۶۴﴾ اور وہ وہ ہے جس نے تم کو کیا خلیفہ زمین کا اور بعضوں کو بعضوں سے درجے میں بلند کیا تاکہ تم کو آزماوے اُس چیز میں جو تم کو دی ہے بیشک تیرا پروردگار جلد عذاب کرنے والا ہے اور بیشک البتہ وہ بخشنے والا ہے مہربان ﴿۱۶۵﴾

والانس والجن (سورہ انعام - ۱۱۲) +

۴- قال ادخلوا فی امم قد خلت من قبلکم من الجن والانس فی النار (اعراف - ۳۸) +

۵- ولقد ذرانا لجھنم کثیرا من الجن والانس (اعراف - ۱۷۸) +

۶- وحشر لسلیمان جنودہ من الجن والانس و الطیر فھم یوزعون (نمل - ۱۷) +

۷- وحق علیھم القول فی امم قد خلت من قبلھم من الجن والانس انھم کانوا خٰسرین (فصلت - ۲۴) +

۸- وقال الذین کفروا ربنا ارنا الذین اضلنا من الجن والانس (فصلت - ۲۹) +

۹- اولئک الذین حق علیھم القول فی امم قد خلت من قبلھم من الجن والانس انھم کانوا خاسرین (احقاف - ۱۷) +

۱۰- یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السموات والارض (الرحمن - ۳۳) +

۱۱- فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان (الرحمن - ۳۹) +

۱۲ و ۱۳- فیھن قاصرات الطرف لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان (الرحمن ۵۶ و ۷۴) +

۱۴- وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (ذاریات - ۵۶) +

شہری و دیہاتی وحشی اور انسی تربیت یافتہ و ناتربیت یافتہ مہذب و نامہذب سویلزڈ اور باربیرین سب کے سب اس پر مکلف ہیں +

ایک ہمارے دوست نے ہم سے کہا کہ جب تم نے سورہ انعام کی ایک سو اٹھائیسویں آیت جہاں لفظ "یا معشر الجن" ہے لفظ جن سے وہی معنی متعارف مراد لئے ہیں گو بطور خطابیات کے اُس کو قرار دیا ہے تو یہی لفظ اُسی سورت کی ایک سو تئیسویں آیت میں اور سورہ الرحمن کی تینتیسویں آیت میں آیا ہے اور اُن دونوں مقاموں میں وحشی آدمیوں کے معنی لئے ہیں اس تفرقہ کا کیا سبب ہے +

ہم نے کہا کہ یہ تفرقہ ہم نے نہیں کیا بلکہ خود خدا نے کیا ہے کیونکہ سورہ انعام کی پہلی آیت میں صرف یا معشر الجن کہا ہے اور اُس کے بعد کی اور سورہ الرحمن کی آیت میں یا معشر الجن والانس کہا ہے پس جو تفرقہ خود خدا نے اپنے کلام میں کیا ہے وہی تفرقہ ہم نے اس کی مراد میں بتایا ہے +

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۱۶۰﴾ مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۶۲﴾ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۖ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۶۳﴾

بیشک جن لوگوں نے مختلف کردیا اپنے دین (یعنی دین ابراہیم) کو اور ہو گئے گروہ گروہ تو نہیں ہے اُن میں سے کسی چیز میں - اُس کے سوا کچھ نہیں کہ اُن کا فیصلہ خدا پر ہے پھر وہ اُن کو بتادیگا اُس کو جو وہ کرتے تھے (۱۶۰) جو شخص نیکی کو لایا ہے تو اُس کے لئے ویسا ہی اُس کا دس گنا ہے اور جو شخص بُرائی کو لایا ہے تو اُس کو بدلا نہیں دیا جاویگا مگر اُسی کے برابر اور وہ نہیں ظلم کئے جاوینگے (۱۶۱) کہدے کہ بیشک میرے پروردگار نے مجھ کو ہدایت کی ہے سیدھے رستہ کی جو دین مضبوط ہے دین ابراہیم کی خلوص سے یقین رکھنے والے کا اور وہ نہیں تھا شرک کرنے والوں میں سے (۱۶۲) کہدے کہ بیشک میری نماز اور میری عبادتیں اور میری زندگی اور میری موت اللہ پروردگار عالموں کے لئے ہی اُس کا کوئی شریک نہیں ہے، اور اسی کا مجھ کو حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں (۱۶۳)

کوئی نہیں جان سکتا اور خدا کو نہ کوئی ہرا سکتا ہے اور نہ اُس کو جیت سکتا ہے نہ اُس سے بھاگ سکتا ہے بلاشبہ وہ لوگ مجوسی تھے یعنی آتش پرست ✣

حسن کا قول ہے کہ "ان فیھم یھودا ونصارٰی ومجوسا ومشرکین" (تفسیر کبیر) یعنی قرآن سُننے والوں میں یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور مشرکین تھے اور اس قول سے صاف پایا جاتا ہے کہ وہ سننے والے انسان تھے نہ جن بمعنی متعارف اور یہ کہنا کہ جنوں میں بھی یہودی اور عیسائی اور آتش پرست اور مشرکین ہوتے ہیں ایک ایسی بات ہے کہ جس کو کوئی ذی عقل تو نہیں کہ سکتا ✣

علاوہ ان آیتوں کے چودہ آیتیں قرآن مجید میں اور ہیں جن میں جن والنس کا لفظ ساتھ ساتھ

۱- یامعشر الجن والانس الم یاتکم رسل منکم (سورہ انعام - ۱۳۰) ✣

۲- قل لئن اجتمعت الجن والانس علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ (سورہ اسرٰی - ۹۰) ✣

۳- وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین

آیا ہے مگر اس میں کچھ شبہ نہیں ہے کہ ان سب آیتوں میں جن کا اطلاق وحشی بدوی جنگل و پہاڑ کے رہنے والوں پر ہوا ہے ان دونوں لفظوں کے ساتھ لانے سے ہر قسم اور ہر درجہ کے آدمیوں کا حصر مقصود ہے خدا پر اور اس کے احکام پر ایمان لانے اور اعمال بد کی سزا پانے میں کیونکہ

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۷﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۗ يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

ایسا نہ ہو کہ تم کہو کہ اس کے سوا کوئی بات نہیں ہے کہ ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتاب اُتاری گئی ہے اور بیشک ہم اُن کے پڑھنے سے غافل تھے ﴿۱۵۷﴾ یا تم کہو کہ ہم پر کتاب اُتاری جاتی تو ہم اُن سے بھی زیادہ ہدایت پانے والے ہوتے پھر بیشک تمہارے پاس آئی ہے دلیل تمہارے پروردگار کے پاس سے اور ہدایت اور رحمت پھر کون زیادہ ظالم ہے اُس شخص سے جس نے جھٹلایا اللہ کی نشانیوں کو اور اُن سے پھر گئے ۔ ہم جلد سزا دینگے اُن لوگوں کو جو ہماری نشانیوں سے پھرے ہوئے ہیں بُرے عذاب کی بسبب اُس کے کہ وہ پھرے ہوئے تھے ﴿۱۵۸﴾ کیا وہ منتظر ہیں مگر اُسی کے کہ اُن کے پاس فرشتے آویں یا تیرا پروردگار آوے یا تیرے پروردگار کی بعضی نشانیاں آویں جس دن تیرے پروردگار کی بعضی نشانیاں آوینگی نفع نہ دیگا کسی شخص کو اُس کا ایمان جو اُس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا یا نہیں کمایا تھا اپنے ایمان میں بھلائی کو ۔ کہدے انتظار کرو اور ہم بھی منتظر ہیں ﴿۱۵۹﴾

اور بعضوں نے کہا کہ ہم سمجھتے تھے کہ خدا کسی پیغمبر کو نہیں بھیجنے کا یہ عقیدہ یہودیوں کا تھا وہ سمجھتے تھے کہ جو شریعت موسے کو دی گئی ہے وہ ابدی ہے اب کوئی پیغمبر صاحب شریعت مبعوث نہیں ہونے کا جن لوگوں نے قرآن سُن کر اس عقیدہ کو غلط جانا اور اس بات پر یقین کیا کہ قرآن خدا کا کلام ہے اور پیغمبر پر نازل ہوا ہے اور ایک پیغمبر آخر الزمان صاحب شریعت مبعوث ہوا ہے وہ لوگ بلاشبہ یہودی تھے ❖

اور بعضوں نے کہا کہ ہم جو بیٹھ بیٹھ آسمانوں میں سے غیب کی باتیں سُنتے تھے اب سننے والوں پر شہاب ثاقب مارے جاتے ہیں اس کلام سے ثابت ہوتا ہے کہ اس بات کے کہنے والے مجوسی آتش پرست تھے اُس فرقہ کے پیشوا انجوم پر یقین رکھتے تھے اور ستاروں کے مقامات سے غیب کی خبریں دیتے تھے اور ہر ایک کے لئے بھلائی بُرائی بتلاتے تھے پس جن لوگوں نے قرآن مجید سُن کر اس عقیدہ کو غلط سمجھا اور اس پر ایمان لائے کہ نجومی جھوٹے ہیں اور غیب کی بات

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (۱۵۶)	اور یہ کتاب ہم نے اس کو اتارا ہے برکت والی پھر اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری کرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ (۱۵۶)

عفریت نے کہا کہ میں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اُٹھیں آپ کے پاس لا دیتا ہوں" اس آیت میں جو اور بحثیں ہیں اُن کو ہم اس مقام پر نہیں چھیڑتے صرف اتنی بات بتلاتے ہیں کہ قاموس میں لکھا ہے کہ عفریت کہتے ہیں رجل کامل ضابطہ قوی ۔ یعنی موٹے مسٹنڈے مضبوط آدمی کو اور جن کا اطلاق جیسے کہ ہم نے ابھی بیان کیا صحرائی اور پہاڑی آدمیوں پر جو حضرت سلیمان کے ہاں حمالی کا اور اور قسم کا کام کرتے تھے ہوا ہے پس آیت کے معنی نہایت صاف ہیں کہ ایک قوی مضبوط پہاڑی آدمی نے کہا کہ میں ابھی اس تخت کو جو حضرت سلیمان کے توشہ خانہ میں موجود تھا ملک سبا میں اُٹھا لاتا ہوں ؛

سورہ جن میں تین جگہ لفظ جن آیا ہے اور اُسی مضمون کی ایک آیت سورہ احقاف میں ہے عرب کے

قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن ۔ (سورۂ جن ۔ ۱)	مشرکین کی عادت تھی کہ چھپ چھپ کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی باتیں سُنا کرتے تھے بھید لینے
وانا ظننا ان لن تقول الانس والجن علی اللہ کذبا ۔ (سورۂ جن ۔ ۵)	اور غمازی کرنے کو انہیں لوگوں میں سے جب کہ وہ چھپ کر باتیں سُنتے تھے چند آدمیوں نے
وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن ۔ (سورۂ جن ۔ ۶)	آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو قرآن پڑھتے سُنا اُن کے دل پر اثر ہوا اور انہوں نے اس کو سچ اور
واذ صرفنا الیک نفرا من الجن یستمعون القرآن ۔ (سورۂ احقاف ۔ ۲۸)	منزل من اللہ جانا اُنہی کا ذکر ان آیتوں میں ہے اور جو کہ لامعلوم شخص تھے اور چھپ کر سنتے تھے اُن

کی نسبت لفظ جن استعمال ہوا ہے ۔ اس بات کا ثبوت کہ وہ جن بمعنی متعارف نہ تھے بلکہ انسان تھے خود اسی سورت میں موجود ہے ۔ جہاں اُن کے عقاید کا ذکر ہوا ہے ۔ کیونکہ اُن میں سے بعض نے کہا کہ خدا تعالے نے نہ کوئی جورو کی ہے اور نہ اُس کے کوئی بیٹا ہے ہمارے پیشواؤں نے خدا پر تہمت لگائی تھی ۔ حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو ابن اللہ یعنی خدا کا بیٹا سمجھنا عیسائیوں کا عقیدہ ہے پس جن لوگوں نے اس عقیدہ کے غلط ہونے کا اقرار کیا بیشک وہ عیسائی تھے ؛

اور بعضوں نے کہا کہ انسانوں میں ایسے لوگ بھی تھے جو جناتوں سے پناہ چاہتے تھے یہ طریقہ عرب کے بُت پرست کافروں کا تھا اور جن لوگوں نے اس عقیدہ کو قرآن سنکر غلط سمجھا بلاشبہ وہ لوگ عرب کے بُت پرست کافر تھے ؛

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۵﴾	پھر ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اُس شخص پر (حکموں کے) پورا کرنے کو جو نیک کام کرتا ہے اور ہر چیز کی تفصیل بیان کرنے کو اور ہدایت اور مہربانی تاکہ وہ لوگ اپنے پروردگار سے ملنے پر ایمان لاویں ﴿۱۵۵﴾

طاقتور اور مخفی ہونے کے جن کا اطلاق ہوا ہے پس اس سے وہ جن مراد نہیں ہیں جن کو مشرکین نے اپنے خیال میں ایک مخلوق مع اُن اوصاف کے جو اُن کے ساتھ منسوب کئے ہیں مانا ہے اور جن پر مسلمان بھی یقین کرتے ہیں +

عبری زبان میں شد اور شدیم بمعنی دیو اور جن کے آیا ہے اور نیز ڈاکوؤں اور شریر آدمیوں پر اس کا اطلاق ہوا ہے - عربی زبان میں بھی وحشی اور قوی آدمیوں پر جن کا لفظ بولا گیا ہے - ومن امثال العرب ،، اجن اللہ حالہ ،، ای الجبال التی تسکنہا ای اکثر اللہ فیہا الجن ای اوحشہا (شرح امثال میدانی) +

نابغہ ذبیانی شاعر جاہلی کہتا ہے

سہکین من صداء الحدید کانہم نحت السنور جنۃ البقار

یعنی اُن کے بدن میں بدبو ہوگئی لوہے کے زنگ سے گویا کہ وہ - زرہ کے نیچے بقار کے جن ہیں +

زہیر ابن سلمی جاہلی شاعر کہتا ہے

اذا فزعوا طاروا الی مستغیثہم طوال الرماح لا ضعاف ولا عزل

یعنی جب وہ لوگ جوش میں آتے ہیں تو دوڑ کر جاتے ہیں اپنی پناہ مانگنے والے کے پاس - لمبے نیزے لیکر نہ وہ کمزور ہیں اور نہ بے ہتیار +

بخیل علیہا جنۃ عبقریہ جدیرون یوماً ان ینالوا فیستعلوا

گھوڑوں پر کہ اُن گھوڑوں پر جن عبقری ہے - لایق ہیں لڑائی کے دن کہ اپنا مقصد پاویں اور غالب ہوں +

جن اذا فزعوا انس اذا امنوا ممردون بہالیل اذا جہدوا

جن ہیں جب کہ جوش میں آتے ہیں اور انس ہیں جب کہ امن میں ہوتے ہیں - دراز قد ہیں خندہ رو ہیں جب کہ وہ کوشش کرتے ہیں +

قال عفریت من الجن انا اٰتیک بہ قبل ان تقوم من مقامک (نمل - ۳۹) + سورہ نمل میں ہے کہ جب حضرت سلیمان نے بلقیس کا تخت منگانا چاہا تو جنوں میں سے ایک

وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۵۴﴾	اور یہ ہے میرا رستہ سیدھا پھر اُس کی پیروی کرو اور مت پیروی کرو (دوسرے) رستوں کی پھر وہ تم کو متفرق کردینگے اُس کے رستے سے یہ ہے جس کا تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم پرہیزگاری کرو ﴿۱۵۴﴾

کررہے تھے اُن کا مرجانا اور کہا کہ اگر ہم کو غیب کی بات معلوم ہوتی تو ہم اس سخت عذاب میں نہ ٹھیرے رہتے ✦

ان آیتوں میں جو کچھ بیان ہوا ہے یہ حضرت سلیمان کے وقت کا اور بیت المقدس کی تعمیر ہونے کا ایک تاریخی واقعہ ہے اور تاریخ پر رجوع کرنے سے بخوبی معلوم ہوسکیگا کہ حضرت سلیمان کی سرکار میں عمارت کا اور جنگلوں میں سے لکڑی کاٹنے کا پتھر تراشنے کا جہاز چلانے کا کون کام کرتے تھے۔ جو وہ ہوں اُنہی پر جن اور شیاطین کا اطلاق ہوا ہے ✦

کتاب اول سلاطین باب پنجم سے پایا جاتا ہے کہ حضرت سلیمان نے حیرام صور کے بادشاہ سے صیدونی قوم کے آدمی جنگل میں سے لکڑی کاٹنے کو مانگے تھے مقام لبنان سے لکڑی کاٹی جاتی تھی اور سلیمان کے لوگ اور حیرام بادشاہ صور کے بھیجے ہوئے لوگ اور "جبلیم" یعنی پہاڑی لوگ لکڑیاں کاٹتے تھے اور پتھر تراشتے تھے ✦

کتاب دوم تاریخ الایام سے پایا جاتا ہے کہ صور کے بادشاہ نے ایک کاریگر صور کے رہنے والے کو حضرت سلیمان کے ہاں کام کرنے کو بھیجا تھا جو اپنے آقا کی اجازت سے کام کرنے آیا تھا اسی طرف قرآن مجید میں اشارہ ہے کہ " ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ " ✦

اُسی کتاب سے پایا جاتا ہے کہ سوائے بنی اسرائیل کے جو لوگ فلسطین میں غیر قوم کے پہاڑوں اور جنگلوں میں رہتے تھے اُن میں سے حضرت سلیمان نے ستر ہزار آدمیوں کو حمالی پر اور اسی ہزار کو درخت کاٹنے اور پہاڑوں میں سے پتھر تراشنے پر متعین کیا تھا یہ سب بیگار میں پکڑے گئے ہونگے جنوں نے حضرت سلیمان کا مرنا معلوم کرکے ضرور کہا ہوگا کہ " لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المہین " ✦

حضرت سلیمان کے قصہ کو مولوی چراغ علی صاحب نے جو عربی اور عبری زبان سے بخوبی واقف ہیں ایک رسالہ میں نہایت عمدگی سے لکھا ہے جس کو ہم حضرت سلیمان کے قصہ میں بہ تفصیل لکھینگے اس مقام پر صرف اس قدر بتانا مقصود تھا کہ ان آیتوں میں جو جن کا لفظ آیا ہے اُس سے وہ پہاڑی و جنگلی آدمی مراد ہیں جو حضرت سلیمان کے ہاں بیت المقدس بنانے کا کام کرتے تھے اور جن پر بسبب وحشی اور جنگلی ہونے کے جو انسانوں سے جنگلوں اور پہاڑوں میں چھپے رہتے ہیں اور نیز بسبب قوی اور

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (١٥٢) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (١٥٣)

کہہ کہ آؤ میں پڑھ دوں جو حرام کیا ہے تمہارے پروردگار نے تم پر، کہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت کرو، اور ماں باپ کے ساتھ احسان کرو، اور اپنی اولاد کو مت مار ڈالو مفلسی کے ڈر سے ہم تم کو بھی رزق دیتے ہیں اور ان کو بھی، اور بے حیائی کے پاس مت جاؤ جو کھلی ہوئی بیحیائیوں میں سے ہو اور جو پوشیدہ میں سے ہو، اور نہ مار ڈالو کسی جان کو کہ اس کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے مگر انصاف پر، یہ ہیں کہ ان کا تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم سمجھو (١٥٢) اور نہ جاؤ یتیم کے مال کے پاس مگر اس طرح کہ وہ نیکی سے ہو جب تک کہ وہ پہنچے اپنے رشد کو، اور پورا کرو پیمانے کو اور ترازو کو انصاف سے ہم تکلیف نہیں دیتے کسی جان کو مگر بقدر اس کی طاقت کے، اور جب تم کچھ کہو تو انصاف کرو اور اگرچہ تمہارا قرابت دار ہی ہو، اور اللہ کے عہد کو پورا کرو یہ ہیں کہ ان کا تم کو حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو (١٥٣)

ان آیتوں سے جنوں کی کسی ایسی مخلوق پر جس کا یقین مشرکین کرتے تھے استدلال نہیں ہو سکتا انسان کے قویٰ میں سے اس قوت کا جس پر شیطان کا اطلاق ہوا ہے آگ سے یا حرارت سے پیدا ہونا ایسا ٹھیک اور بالکل سچ ہے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا باقی جو امور ان آیتوں سے متعلق ہیں ان پر بحث اس مقام پر کرینگے جہاں ان کی تفسیر لکھینگے ؛

حضرت سلیمان کے قصہ میں جن و شیاطین کا جو حضرت سلیمان کے ہاں بہت سے کاموں پر متعین تھے قرآن مجید میں ذکر آیا ہے سورہ سبا میں خدا نے فرمایا ہے کہ، جنوں میں سے وہ تھا جو

ومن الجن من يعمل بين يديه باذن ربه (سبا - ١١) — حضرت سلیمان کے سامنے اپنے رب (یعنی آقا) کے حکم سے کام کرتا تھا۔ اور جگہ فرمایا ہے کہ جب

فلما خر تبينت الجن ان لو كانوا يعلمون الغيب ما لبثوا في العذاب المهين (سبا - ١٣) — حضرت سلیمان مر گئے (جن کی لاش کو لکڑی کے سہارے سے کھڑا کر دیا تھا) تو کسی کو خبر نہ ہوئی مگر جب دیمک نے عصا کو کھا لیا اور وہ گر پڑے تب جنوں نے جو بیت المقدس کی عمارت کا کام

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾	کہدے لا ؤ اپنے گواہوں کو جو گواہی دیتے ہیں کہ بیشک خدا نے حرام کیا ہے اس کو ، پھر اگر وہ گواہی بھی دیں تو تو اُن کے ساتھ گواہی مت دینا اور نہ پیروی کر اُن لوگوں کی خواہشوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو اور اُن لوگوں کی جو ایمان نہیں لائے آخرت پر اور وہ (اصنام کو) اپنے پروردگار کے برابر کرتے ہیں ﴿۱۵۱﴾

اس بات کے اشتباہ کا فائدہ ہے کہ خالق ہی مستحق عبادت ہے نہ کوئی مخلوق +

اس آیت میں صرف مشرکین کے اعتقاد کا ذکر ہے مگر اس سے نہ جنوں کی فی الواقع ایسی مخلوق ہونے کا ثبوت ہے جیسے کہ مشرکین اعتقاد کرتے تھے اور نہ خدا کے بیٹے اور بیٹیوں کے ہونے کا ثبوت ہے +

سورۂ اعراف میں خدا تعالےٰ نے ابلیس کا قول نقل کیا ہے کہ اُس نے آدم کو سجدہ نہ کرنے میں یہ کہا کہ میں اُس سے بہتر ہوں تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا ہے اور آدم کو مٹی سے +

قال انا خیر منہ خلقتنی من نار وخلقتہ من طین (اعراف - ۱۱) +

خلق الانسان من صلصال کالفخار وخلق الجان من مارج من نار (الرحمن ۱۳ و ۱۴) +

اور سورہ الرحمن میں فرمایا ہے کہ "پیدا کیا انسان کو سڑی مٹی سے اور جان یعنی جن کو بھڑکتی آگ سے +

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماء مسنون والجان خلقناہ من قبل من نار السموم (حجر - ۲۶ و ۲۷)

اور سورہ حجر میں فرمایا ہے کہ "ہم نے انسانوں کو پیدا کیا ہے سڑی مٹی سے اور جان یعنی جن کو آگ کی لُو سے +

اذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس کان من الجن ففسق عن امر ربہ (کہف ۴۸)

اور سورہ کہف میں فرمایا ہے کہ جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو فرشتوں نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے کہ وہ جنوں میں سے یعنی سرکشوں میں سے تھا +

ان آیتوں کے بیان کرنے سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ ابلیس کی خلقت بھی نار سے بیان ہوئی ہے اور سورہ کہف میں ابلیس پر جن کا اطلاق ہوا ہے اور سورہ الرحمن اور سورہ حجر میں انسان کے پیدا کرنے کے ساتھ جو جان کے آگ سے پیدا کرنے کا ذکر ہے اُس سے وہی ابلیس مراد ہے مغوی للانسان اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ وہ کوئی وجود خارج از انسان نہیں ہے اور اس لئے

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ
اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا
مِنْ شَيْءٍ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ
الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا
بَأْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ
مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِنْ تَتَّبِعُونَ
إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ (۱۴۹)
قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ فَلَوْ شَاءَ
لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ (۱۵۰)

اب کہینگے وہ لوگ جو مشرک ہیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے باپ اور نہ ہم کوئی چیز حرام ٹھیراتے، اسی طرح جھٹلایا ہے اُن لوگوں نے جو اُن سے پہلے تھے یہاں تک کہ اُنھوں نے چکھا مزا ہمارے عذاب کا، کہہ کیا ایسے تمہارے پاس کوئی دلیل تو اُس کو ہمارے لئے لاؤ، تم پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی اور تم نہیں ہو مگر اٹکل پچو کہنے والے (۱۴۹) کہدے کہ پھر اللہ ہی کے لئے ہے دلیل مضبوط پھر اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت کرتا (۱۵۰)

پیرو کر لئے ہیں۔ اس خطاب کا جواب جنوں کی طرف سے کچھ نہیں دیا بلکہ مشرکین جو عقیدہ جنوں کی پرستش کی نسبت رکھتے تھے اُس کو بیان کیا ہے کہ ہم تو ایک دوسرے سے نفع اُٹھانے کی غرض سے اُن کی پرستش کرتے تھے اور شریک ذات باری نہیں جانتے تھے۔ اُس پر خدا نے یہ فیصلا کیا کہ "النار مثواکم" یعنی تمہاری جگہ آگ ہے۔ اور یہ ایک نہایت مؤثر اور فصیح و بلیغ طرز تقریر ہے اس بات کے سمجھانے کو کہ خدا کے سوا دوسرے کی پرستش گو کہ اِلٰہ اعتقاد کر کے نہ ہو شرک اور باعث دخول نار ہے کیونکہ وہ بھی شرک فی العبادت اور شرک فی الصفات میں داخل ہے۔ پس اس طرح جنوں کو مخاطب کرنے سے ثابت نہیں ہوتا کہ فی الواقع جنوں کی ایسی ہی مخلوق ہے جیسے کہ مشرکین عرب یقین کرتے تھے یا جس طرح کہ مسلمان عالموں نے لکھا ہے ❊

سورہ سبا کی آیت میں دوسرا طرز تجاہل عارفانہ اختیار کیا ہے کیونکہ یہ بات معلوم تھی کہ مشرکین جنوں کی پرستش کرتے تھے باوجود اس علم کے خدا فرشتوں سے جو مشرکین کے نزدیک بھی جنوں سے برتر تھے پوچھیگا کہ کیا مشرکین تمہاری پرستش کرتے تھے جواب دینگے کہ نہیں۔ جنوں کی پرستش کرتے تھے جن کو ملائکہ سے مشرکین بھی کم درجہ کا سمجھتے تھے اور اس طرز بیان سے جنوں کی پرستش کی زیادہ تحقیر نکلتی ہے۔ مگر کسی طرح جنوں کی ایسی مخلوق ہونے کا جیسا کہ بیان کیا گیا ہے ثبوت نہیں ہوتا ❊

سورہ انعام میں ایک جگہ خدا نے فرمایا ہے کہ مشرکین نے جنوں کو خدا کا شریک بنایا ہے حالانکہ

وجعلوا لله شرکاء الجن وخلقهم وخرقوا له بنین وبنات بغیر علم سبحانه وتعالى عما یصفون۔ (انعام ۱۰۰) ❊

اُن کو یعنی مشرکین کو خدا نے پیدا کیا ہے۔ ھُم کی ضمیر جن کی طرف پھیرنی اس لئے ٹھیک نہیں ہے کہ مشرکین جنوں کو غیر مخلوق نہیں سمجھتے تھے اور اس صورت میں وخلقهم کے لفظ سے کچھ معتد بہ فائدہ نہیں ہوتا اور مشرکین کی طرف ضمیر پھیرنے سے

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَٰلِكَ جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿۱۴۷﴾ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿۱۴۸﴾

اور اُن لوگوں پر جو یہودی ہیں ہم نے حرام کیا ہر ناخون دار جانور کو اور گائے اور بھیڑ میں سے ہم نے ان پر حرام کی اُن کی چربی مگر وہ جس کو اُن کی پیٹھیں یا پسلیاں اُٹھائے ہوئے ہوں یا وہ جو لپٹ رہا ہو ساتھ ہڈی کے۔ اُن کو ہم نے یہ بدلا دیا ہے بسبب ان کی نافرمانی کے اور بیشک ہم سچے ہیں (۱۴۷) پھر اگر تجھ کو وہ جھٹلاویں تو کہہ کہ تمہارا پروردگار بہت وسیع رحمت والا ہے ، اور نہیں ہٹایا جاتا اُس کا عذاب گنہگار لوگوں سے (۱۴۸)

حاضر ہوتے ہیں عامل اُن کو آدمی بنا کر اپنے گھوڑے کا سائیس کر لیتے ہیں۔ مگر اس میں سے ایک بات بھی قرآن مجید سے ثابت نہیں ✣

مشرکین عرب جو جنوں کا یقین رکھتے تھے وہ اُن کو جنگلوں اور پہاڑوں میں انسانوں سے مخفی رہنے والے جانتے تھے اور شریر اور زبردست قوی ہیکل خیال کرتے تھے اور اس قسم کے انسانوں پر بھی جن کا اطلاق کرتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی کہیں استعارۃً جن کا اطلاق شیطان مغوی للانسان پر ہوا ہے اور کہیں وحشی اور شریر انسانوں پر اور کہیں بطور الزام و خطابیات کے اُسی وجود خیالی پر جس کا مشرکین یقین کرتے تھے۔ مگر خطابیات کے طور پر بیان کرنے سے فی الواقع ویسی مخلوق کے ہونے کا ثبوت نہیں ہوتا ✣

اس آیت میں جس کی تفسیر ہم لکھ رہے ہیں اور سورہ سبا کی آیت میں خدا تعالیٰ نے مشرکین کو اُنہی خیال کے مطابق خطابیات کے طور پر جنوں کی پرستش کا الزام دیا ہے۔ اس آیت سے پہلی آیتوں میں خدا تعالیٰ نے انسانوں کا جو اس کی ہدایت سے سیدھی راہ پاتے

ویوم یحشرھم جمیعا ثم یقول للملائکۃ اھٰؤلاء ایاکم کانوا یعبدون قالوا سبحانک انت ولینا من دونھم بل کانوا یعبدون الجن اکثرھم بہ مومنون (سبا - ۳۹ و ۴۰)

ہیں اور جو سیدھی راہ سے گمراہ ہوتے ہیں ذکر کیا ہے جہاں فرمایا ہے ” فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء “ پھر اُنہی دونوں گروہوں کو قیامت کے دن اکٹھا کرنا کہا ہے ان لفظوں سے کہ ” یوم یحشرھم جمیعا “ ھُم کی ضمیر اُنہی دونوں گروہوں کی طرف راجع ہے اور جنوں کی پرستش کا کچھ ذکر نہیں ہے دفعۃً فرمایا ” یامعشر الجن قد استکثرتم من الانس “ یہ صاف قرینہ اس بات کا ہے کہ یہ جملہ خطابیات کے طور پر مشرکین کے الزام دینے کو اُن کے خیالی معبودوں کو خطاب کرکے فرمایا ہے کہ تم نے اپنے بہت سے

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۶﴾

اور اونٹ سے دو، اور بیل سے دو۔ کہہ کہ کیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں ماداؤں کو یا اُس کو جس کو دونوں ماداؤں کے پیٹ نے اندر لے لیا ہے کیا تم گواہ تھے جب خدا نے تم کو اس کا حکم دیا تھا، پھر کون زیادہ ظالم ہے اُس سے جس نے اللہ پر جھوٹا بہتان باندھا تاکہ گمراہ کرے آدمیوں کو بغیر علم کے بیشک اللہ ہدایت نہیں کرتا ظالم لوگوں کو ﴿۱۴۵﴾ کہدے (اے پیغمبر) میں نہیں پاتا اُس میں جو مجھ پر وحی کی گئی ہے کہ حرام کیا گیا ہے کسی کھانے والے پر جو اس کو کھاوے مگر یہ کہ وہ مرا ہوا ہو یا (رگوں میں سے) بہا ہوا خون ہو یا سوٗر کا گوشت ہو پھر بیشک وہ ناپاک ہے یا فسق ہو کہ اُس پر خدا کے سوا اور کسی کا نام پکارا گیا ہو، پھر جو کوئی (فاقوں کے مارے) مضطر ہو بغیر نافرمانبردار ہونے یا حد سے گذرنے والے کے (اور ایسی حالت میں بقدر حاجت اُس میں سے کھالے) تو بیشک تیرا پروردگار بخشنے والا ہے مہربان ﴿۱۴۶﴾

اور اسی کے مناسب تفسیریں لکھدیں مگر اس بات پر غور نہیں کیا کہ قرآن مجید سے بھی ایسی صورت وشمائل مخلوق کے ہونے کا وجود پایا جاتا ہے یا نہیں ÷

ہمارے پاس اس بات سے انکار کرنے کی کوئی دلیل نہیں ہے کہ سوائے موجودات مرئی اور محسوس کے کوئی اور ایسی مخلوق موجود نہ ہو جو مرئی نہ ہو مگر کلام اس میں ہے کہ جس طرح جنوں کی مخلوق کو مسلمانوں نے تسلیم کیا ہے ایسی مخلوق کا وجود قرآن مجید سے ثابت نہیں ÷

علمائے اسلام جن کی تعریف میں بیان کرتے ہیں کہ "جسم ناری حساس متحرک بالارادۃ یتشکل باشکال مختلفۃ" - اسی بنا پر عام مسلمان خیال کرتے ہیں کہ وہ ایک ہوائی آگ کے شعلہ سے پیدا ہوئے ہیں اُن میں مرد اور عورت دونوں ہیں وہ لڑکے اور لڑکیاں جنتے جنلتے ہیں طرح طرح کی شکلوں میں بن جاتے ہیں انسانوں کے سروں پر آتے ہیں اُن کو تکلیف پہنچاتے ہیں اُن کو اُٹھا لیجاتے ہیں اُن کو مار ڈالتے ہیں انسانوں پر عاشق ہو جاتے ہیں اُن کو تازہ بتازہ میوے لاکر دیتے ہیں اور دکھائی نہیں دیتے مگر جب چاہیں اور جس شکل میں چاہیں اپنے تئیں دکھلا دیتے ہیں - یعنی اپنے جسم میں دفعۃً ایسا مادہ پیدا کر لیتے ہیں کہ دکھائی دینے لگتا ہے - آدمی کی صورت بن کر بزرگوں کی خدمت میں

وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ (۱۴۲) وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ (۱۴۳) ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ (۱۴۴)

اور زیتون اور انار کو کہ ایک سے بھی ہیں اور ایک سے نہیں کھاؤ اُس کے پھل کو جب پھلے اور دو اُس کا حق اُس کے کاٹنے کے دن اور اسراف مت کرو بیشک خدا دوست نہیں رکھتا اسراف کرنے والوں کو (۱۴۲) اور (پیدا کیا) مویشی میں سے بوجھ اُٹھانے کو اور فرش بنانے کو، کھاؤ اُس سے جو رزق دیا ہے اللہ نے تم کو اور پیروی نہ کرو شیطان کے قدموں کی بیشک وہ تمہارے لئے کھلا ہوا دشمن ہے (۱۴۳) آٹھ جوڑے[سلو] (بوجھ اور فرش والے مویشی کے) دو بھیڑ میں سے، دو بکری میں سے اک برکہ کیا دونوں نروں کو حرام کیا ہے یا دونوں ماداؤں کو یا اُس کو جس کو دونوں ماداؤں کے پیٹ نے اندر لے لیا ہے، مجھ کو بتلاؤ دلیل سے اگر تم سچے ہو (۱۴۴)

غیر مرئی موثر کو واقعات غیر معلوم السبب اور امراض غیر معلوم العلۃ کا فاعل سمجھا تھا تو یہ بات لازم تھی کہ وہ اُن کے لئے کوئی صورت اور کسی قسم کا جسم تصور کریں اور اُن کو ذیعقل اور فاعل بالارادہ بھی سمجھیں اور اُن کو انسانوں سے بہت زیادہ قوی اور قوی ہیکل لنبا تڑنگا خیال کریں اور اُن سے ڈرتے رہیں اور اُن کی رضامندی اور خوشنودی کے لئے اُن کی پرستش کریں تاکہ اُن کی خفگی کے بدنتیجوں سے محفوظ رہیں اور اُن کی مہربانی سے فائدہ اُٹھاویں ؛

غالباً اس خیال کی ابتدا مجوسیوں سے ہوئی جو ابتدا ہی سے اہرمن و یزدان کے قائل تھے اُنہی سے یہودیوں میں اور عرب کے بُت پرستوں میں پھیلی۔ مشرکین عرب میں یہاں تک اس کا یقین ہو گیا تھا کہ وہ یقین کرتے تھے کہ ہر ایک جنگل میں جن رہتے ہیں اور جب وہ سفر میں جاتے تھے یا شکار کے لئے کسی جنگل میں اُترتے تھے تو اُس جنگل یا میدان کے جنوں کے سردار سے پناہ مانگتے تھے تمام عرب میں یہ خیال پیدا ہوا تھا اور مسلمانوں میں بطور وارثت کے چلا آتا تھا اس لئے تمام مفسرین نے جہاں قرآن مجید میں لفظ جن یا جان اُس کے مثل آیا اُس کے معنی ویسی ہی بھوت کے سمجھے

سلو آٹھ جوڑے اس طرح پر ہوئے ۱۔ بھیڑ نر و مادہ۔ ۲۔ اُن کے پیٹ کے بچے نر و مادہ۔ ۳۔ بکری نر و مادہ۔ ۴۔ اُن کے پیٹ کے بچے نر و مادہ۔ ۵۔ اونٹ نر و مادہ۔ ۶۔ اُن کے پیٹ کے بچے نر و مادہ۔ ۷۔ بیل نر و مادہ۔ ۸۔ اُن کے پیٹ کے بچے نر و مادہ ؛

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ
قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ
لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ
دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ
فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ (۱۳۸)
وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ
حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ
بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ
ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ
اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً
عَلَيْهِ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا
يَفْتَرُوْنَ (۱۳۹) وَقَالُوْا مَا فِيْ
بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ
لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى
اَزْوَاجِنَا وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ
فِيْهِ شُرَكَآءُ سَيَجْزِيْهِمْ
وَصْفَهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ (۱۴۰)
قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ
سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا
رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ
قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ (۱۴۱)
وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ
وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ
وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ

اور اسی طرح اُن کے مقرر کئے ہوئے شریکوں نے اچھا
دکھلایا ہے بہت سے مشرکوں کو اپنی اولاد کے مار
ڈالنے کو تاکہ وہ اُن کو مار ڈالیں اور تاکہ مشتبہ ہو جاوے
اُن پر اُن کا دین اور اگر چاہتا اللہ تو وہ اُس کو نہ کرتے
پھر چھوڑ دے اُن کو اور اُس کو جو کچھ کہ وہ بہتان بندی کرتے
ہیں (۱۳۸) اور اُنہوں نے کہا کہ یہ مویشی اور کھیتی اچھوتی ہے اُس کو
کوئی نہ کھاوے بجز اُس کے جس کو ہم موافق اپنے گمان کے چاہیں
(یعنی کھانے کے لایق سمجھیں) اور مویشی ہے کہ اُن کی پیٹھیں
حرام کی گئی ہیں (یعنی اُن پر سوار ہونا حرام ٹھہرایا) اور مویشی ہے
کہ اُس پر (بوقت ذبح) خدا کا نام نہیں لیتے بہتان بندی کر کے
خدا پر قریب ہے کہ خدا اُن کو سزا دیگا بسبب اُس کے جو بہتان
بندی کرتے تھے (۱۳۹) اور اُنہوں نے کہا کہ جو کچھ اس
مویشی کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے
لئے ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور اگر مرا
ہُوا ہو تو ہم سب اُس میں شریک ہیں بدلا دیگا ان کو
اللہ اُن کی باتوں پر بیشک وہ حکمت والا ہے
جاننے والا (۱۴۰) بیشک ٹوٹے میں پڑے ہیں
وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو بیوقوفی سے بغیر علم
کے مار ڈالا اور حرام کر لیا اُس کو جو رزق دیا تھا
اُن کو اللہ نے بہتان بندی کر کے خدا پر، بیشک
وہ گمراہ ہوئے اور ہدایت پائے ہوئے نہ تھے (۱۴۱)
وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا باغوں کو ٹانڈ پر پھیلے ہوئے
اور بغیر ٹانڈ کے کھڑے ہوئے اور کھجور کے درختوں کو
اور کھیتی کو طرح بطرح کے ہیں اُس کے پھل

حضرت موسیٰ کی کتاب پیدائش یعنی توریت میں جہاں تمام عالم کے پیدا ہونے کا ذکر ہے
جنوں کی مخلوقات کے پیدا ہونے کا ذکر نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کو ابتدائی
زمانہ میں ایسی مخلوق کا کچھ خیال نہ تھا مگر مجوسیوں اور بت پرستوں میں تھا۔ جب کہ اُنہوں نے

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ
مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا
غٰفِلُوْنَ (١٣١) وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ
مِّمَّا عَمِلُوْا وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ
عَمَّا يَعْمَلُوْنَ (١٣٢) وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ
ذُو الرَّحْمَةِ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ
وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ
كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ
اٰخَرِيْنَ (١٣٣) اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ
لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (١٣٤)
قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ
اِنِّيْ عَامِلٌ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (١٣٥)
مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (١٣٦)
وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ
وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ
بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا
فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ
اِلَى اللّٰهِ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ
اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (١٣٧)

یہ اس لئے تاکہ تیرا پروردگار شہروں کو ان کے رہنے والوں
کی زیادتیوں کے سبب ایسی حالت میں ہلاک کرنیوالا نہ ہو کہ
اس کے لوگ غافل ہوں (١٣١) اور ہر ایک کے لئے درجے ہیں
اس پر جو انہوں نے کیا ہے اور تیرا پروردگار بے خبر نہیں ہے
اس سے جو وہ کرتے ہیں (١٣٢) اور تیرا پروردگار بے پرواہ ہے
رحمت والا اگر چاہے تم کو دور کر دے اور تمہارے بعد جس کو
چاہے جانشین کرے جس طرح کہ تم کو پیدا کیا دوسری قوم
کی نسل سے (١٣٣) بیشک جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا
ہے ضرور آنے والا ہے اور تم عاجز کرنے والے
نہیں ہو (١٣٤) کہدے اے میری قوم عمل کرو اپنی جگہ
پر بیشک میں بھی عمل کرنے والا ہوں پھر تم جلد جان
لوگے (١٣٥) کون شخص ہے کہ ہوگی اس کے لئے
آخرکار (بھلائی آخرت کی) گھر کی بیشک نہیں
فلاح پانے کے ظالم (١٣٦) اور انہوں نے اللہ
کے لئے مقرر کیا ہے کھیتی اور مویشی میں سے حصہ،
پھر کہتے ہیں موافق اپنے گمان کے کہ یہ اللہ کے لئے ہے
اور یہ ہمارے مقرر کئے ہوئے شریکان خدا کے لئے، پھر
جو کچھ کہ ان کے مقرر کئے ہوئے شریکوں کے لئے ہے وہ تو
اللہ تک نہیں پہنچتا اور جو کچھ اللہ کیلئے ہی تو وہ ان کے مقرر کئے ہوئے
شریکوں تک پہنچتا ہے کیا برا ہے جو انہوں نے فیصلہ کیا ہے (١٣٧)

اس بیان سے ظاہر ہے کہ تمام علماے اسلام نے جنوں کی جداگانہ ایسی ہی مخلوق قرار
دی ہے جیسے کہ انسان کی مگر قرآن مجید سے جنوں کی ایسی مخلوق ہونے کا ثبوت نہیں ✧

جن اور جس قدر الفاظ اس مادہ سے بنے ہیں ان سب کے معنی پوشیدہ مستور عن الاعین چھپے
ہوئے غیر مرئی کے ہیں۔ مشرکین عرب تمام ان واقعات کو جن کے وقوع کے اسباب ان کو
معلوم نہ ہوتے تھے اور اکثر بیماریوں کو جن کا سبب وہ نہ جانتے تھے غیر معلوم یا غیر مرئی موثر کا
اثر خیال کرتے تھے اور اس کو لفظ جن سے تعبیر کرتے تھے اب بھی تمام جاہل آدمی بیماری آسیب
یعنی جن بھوت کا اثر خیال کرتے ہیں ✧

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾

اور یہ ہے تیرے پروردگار کا سیدھا رستہ بیشک ہم نے مفصل بیان کردی ہیں نشانیاں اُن لوگوں کے لئے جو نصیحت پکڑتے ہیں (١٢٦) اُن کے لئے اُن کے پروردگار کے پاس سلامتی کا گھر ہے اور وہ اُن کا دوست ہے بسبب اُس کے جو وہ کرتے تھے (١٢٧) اور جس دن (خدا) اُن سب کو اکٹھا کریگا (کہیگا) اے گروہ جنوں کے البتہ تم نے بہت تابعدار کرلئے انسان میں سے، کہینگے اُن کے دوست انسانوں میں سے اے ہمارے پروردگار ہم میں سے ایک نے دوسرے سے فائدہ اُٹھایا (یعنی اُن کو خدا نہیں مانا بلکہ فائدہ اُٹھانے کے لئے اُن کی پرستش کی) اور ہم پہنچ گئے اپنی میعاد کو جو تو نے ہمارے لئے مقرر کی تھی، (خدا) کہیگا کہ آگ تمہارے ٹھیرنے کی جگہ ہے ہمیشہ اُس میں رہوگے (کیونکہ وہ شرک فی العبادت کرتے تھے اور اعتقاداً صفات باری میں مُشرک تھے) مگر جو چاہے اللہ بیشک تیرا پروردگار حکمت والا ہے جاننے والا (١٢٨) اور اسی طرح ہم غالب کردیتے ہیں بعض ظالموں کو بعض پر بسبب اُس کے جو وہ کماتے تھے (١٢٩) اے گروہ جن و انس کے کیا نہیں آئے تمہارے پاس رسول تم میں سے بیان کرتے تھے تمہارے سامنے میری نشانیاں اور تم کو ڈراتے تمہارے اس دن کے ملنے سے، وہ کہینگے ہم اپنے پر آپ گواہی دیتے ہیں اور فریب دیا اُن کو دُنیا کی زندگی نے اور گواہی دی اُنہوں نے اپنے پر آپ کہ وہ کافر تھے (١٣٠)

مخاطب کیا ہے اور پھر فرمایا ہے کہ کیا تمہارے پاس تم میں سے یعنی تمہاری جنس میں سے رسول نہیں آئے اس پر مفسرین نے بحث کی ہے کہ آیا جنوں کی گروہ میں سے اُن کے لئے بھی پیغمبر رسول ہوتے تھے یا نہیں۔ ضحاک کا قول ہے کہ جس طرح انسانوں میں انسان پیغمبر مبعوث ہوتے ہیں اسی طرح جنوں میں سے جن اُن کے لئے پیغمبر مبعوث ہوتے ہیں۔ اور اکثر علما کا قول ہے کہ پیغمبر صرف انسان ہی ہوتے ہیں جنوں میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا جنوں کے لئے بھی وہی انسان پیغمبر پیغمبر ہوتا ہے *

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰي نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاۗءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَي الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

کیا وہ شخص جو مردہ (یعنی کافر) تھا پھر ہم نے اُس کو زندہ (یعنی ایمان والا) کیا اور ہم نے اُس کے لئے نور پیدا کیا کہ اُس کے ساتھ لوگوں میں چلتا ہے اُس شخص کی مانند ہے جس کی مثال ایسی ہے کہ اندھیروں میں پڑا ہے اور اُن سے نکلنے والا نہیں، اسی طرح اچھا کر دکھایا گیا ہے کافروں کے لئے جو کچھ کہ وہ کرتے تھے ﴿۱۲۲﴾ اور اسی طرح ہم نے ہر گانوں میں اُس کے بدکاروں کو سردار کردیا ہے تاکہ وہ اُس میں مکر کریں اور وہ مکر نہیں کرتے مگر آپ اپنے ساتھ اور نہیں جانتے ﴿۱۲۳﴾ اور جب کہ اُن کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم ہرگز ایمان نہیں لانیگے جب تک ہم کو اُس کی مثل نہ دیا جاوے جیسا کہ اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے، اللہ خوب جانتا ہے کہ کس جگہ رکھے اپنی پیغمبری کو، قریب ہے کہ پہنچیگی اُن لوگوں کو جو گناہ کرتے ہیں ذلت خدا کے نزدیک اور سخت عذاب بسبب اس کے جو وہ مکر کرتے تھے ﴿۱۲۴﴾ پھر جس کو خدا چاہتا ہے کہ اُس کو ہدایت کرے کھول دیتا ہے اُس کے دل کو اسلام کے لئے اور جس کو چاہتا ہے کہ اُس کو گمراہ کرے اُس کے دل کو تنگ اور رق کردیتا ہے گویا کہ وہ آسمانوں میں چڑھا جاتا ہے، اسی طرح اللہ برائی ڈالتا ہے اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے ﴿۱۲۵﴾

جامع تھے اُن کے اخلاق بہت اچھے تھے وہ نہایت پاک ذات تھے جو اُس کا منکر ہے وہ کسی طرح اس لائق نہیں ہے کہ اُس سے کلام کیا جاوے کہ وہ انبیا کے خصائل اور خوبیوں سے بالکل دور رہے کیا نہیں معلوم ہے کہ ہرقل نے کہا تھا کہ انبیا ایسے ہی ہوتے ہیں اپنی قوم کے عمدہ خاندان میں سے بھیجے جاتے ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ رسالت کے دو رکن ہیں ایک رکن استعداد اور قابلیت نبی کا اور دوسرا رکن توجہ اور عنایت اور تقدیر الٰہی کا ✦

﴿۱۳۰﴾ (یامعشر الجن والانس) اس آیت میں خدا تعالےٰ نے دو گروہوں کو یعنی جن و انس کو

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ
عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ
بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿١١٧﴾ فَكُلُوْا مِمَّا
ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ
بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ
اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ
عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ
عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ
اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ
بِاَهْوَاۗىِٕهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ اِنَّ رَبَّكَ
هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾
وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ
بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا
مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ
اِنَّهٗ لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ
اِلٰٓى اَوْلِيٰۗـِٕهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ
وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ
لَمُشْرِكُوْنَ ﴿١٢١﴾

بیشک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے کہ کون بھٹک رہا ہے اُس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پائے ہوؤں کو ﴿١١٧﴾ پھر کھاؤ اُس کو جس پر خدا کا نام لیا گیا ہی (یہودی قربانی سوختنی کو نہیں کھاتے تھے بلکہ آگ میں جلا دیتے تھے) اگر تم ہو اُس کی نشانیوں پر ایمان لانے والے ﴿١١٨﴾ اور کیا ہوا ہے تم کو کہ نہیں کھاتے اُس کو جس پر خدا کا نام لیا گیا ہے حالانکہ بیشک مفصل بیان کر دیا ہے (خدا نے) تمہارے لئے جو چیز کہ تم پر حرام ہی مگر وہ کہ جس پر (یعنی جس کے کھانے پر) تم لاچار ہو (یعنی بحالت گرسنگی شدید) اور بیشک بہت سے البتہ گمراہی کرتے ہیں بہ سبب اپنی ہوائے نفسانی کے بغیر جاننے کے بیشک تیرا خدا وہ خوب جانتا ہے زیادتی کرنے والوں کو ﴿١١٩﴾ اور چھوڑ دو ظاہر کے گناہ اور باطن کے گناہ بیشک جو لوگ گناہ کماتے ہیں جلد بدلا دئیے جاوینگے اُس کا جو وہ کرتے تھے ﴿١٢٠﴾ اور مت کھاؤ جس پر خدا کا نام نہیں لیا گیا اور بیشک وہ (یعنی اُس کا کھانا) بُرا کام ہے، اور بیشک شیطان اپنے دوستوں کے (دل میں) وسوسہ ڈالتے ہیں کہ ہم تم سے جھگڑا کریں اور اگر تم اُن کی تابعداری کرو تو بیشک تم مشرک ہو گے ﴿١٢١﴾

فیہا واقواھم اخلاقا وازکاھم نفسا من نکر ذلک لا یستحق ان یتکلم بہ لبعدہ عن سبل الانبیاء راسا الا تری ان ھرقل کیف قال وکذلک الانبیاء تبعث فی نسب قومہا وبالجملۃ فللرسالۃ ترکتان رکن قائلۃ عن الرسول ورکن بدل وتدبیر من المرسل (تفہیمات)

کہ کتاب اللہ اور حدیث اور اجماع سلف سے یہ ثابت ہے کہ خصوصیت کثرۃ مال اور خوبی چہرہ کو (اور ایسی ہی اور صفات جن کو عام لوگ موجب فخر جانتے ہیں) نبوت میں کچھ دخل نہیں ہے کفار یہ کہا کرتے تھے کہ خدا کو اس ابوطالب کے یتیم کے سوا کوئی آدمی رسالت کے لئے نہ ملا کیوں نہ اُتارا گیا یہ قرآن اُن دونوں شہروں کے کسی بڑے آدمی پر خدا تعالےٰ نے اس شبہ کو کھول دیا اور صاف طرح سے اُن کے قول کو رد کر دیا اور صفات باطنیہ جن میں ہم کلام کرتے ہیں وہ بلا شبہ انبیا میں بہت زیادہ نفیس انبیا سب خوبیوں کے پوری طرح سے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۚ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿١١٣﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١١٥﴾ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿١١٦﴾

اور اسی طرح ہم نے کیا ہے ہر نبی کے لئے دشمن انسانوں اور جنوں کے شیطانوں کو اُن میں کے بعضے بعضوں کے کانوں میں چکنی چپڑی باتیں ڈالتے ہیں فریب دینے کو اور اگر تیرا پروردگار چاہتا تو وہ اُس کو نہ کرتے پھر چھوڑ دے اُن کو اور اُس کو جو کچھ وہ بہتان بندی کرتے ہیں (١١٢) اور تاکہ اُس کی طرف جھک جاویں اُن لوگوں کے دل جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر اور تاکہ وہ اُس کو پسند کرلیں اور تاکہ وہ کرلیویں جو کچھ کہ وہ کرنے والے ہیں (١١٣) پھر کیا اللہ کے سوا میں (اور کسی کو) حکم کرنیوالا پسند کروں۔ اور وہ ہے جس نے تمہارے پاس مفصل کتاب (یعنی قرآن) اُتاری اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب (یعنی توریت) دی ہے جانتے ہیں کہ بیشک وہ (یعنی قرآن) اُتارا ہوا ہے تیرے پروردگار سے بالتحقیق پھر تو مت ہو شک کرنے والوں میں (اس بات میں کہ اُن کو یعنی اہل کتاب کو قرآن کے خدا کی طرف سے ہونے میں شک ہے) (١١٤) اور تمام ہوئی بات تیرے پروردگار کی سچائی اور انصاف سے کوئی بدلنے والا نہیں ہے اُس کی باتوں کو اور وہ سننے والا ہے جاننے والا (١١٥) اور اگر تو تابعداری کرے اکثروں کی جو زمین (یعنی دنیا) میں ہیں تو تجھ کو بھٹکا دینگے اللہ کی راہ سے وہ پیروی نہیں کرتے بجز گمان کے اور وہ نہیں ہیں مگر اٹکل پچو کہنے والے (١١٦)

هو از الخصوصية التي ترجع الى كثرة المال وصباحة الوجه وغير ذلك من صفات التي يفتخر بها العامة لا دخل لها في النبوة وكان الكفار يقولون اما كان الله يجد رجلا لرسالته سوى يتيم ابي طالب لولا انزل القرآن على رجل من القريتين عظيم فكشف الله تعالى الشبهه واشبع في الرد واما الصفات الباطنية التي سبكم فيها فلا شبهة ان الانبياء انما الخلق

یہ شبہ نہ کیا جاوے کہ سب علمائے اسلامیہ کا یہ قول ہے کہ نبوت محض خدا کا فضل ہے بندہ کی خصوصیت کو اس میں کچھ دخل نہیں ہے اور اس تمہاری تقریر سے ان کے لئے ایک خصوصیت مستعدا وکی ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ قول بہت صحیح بعد انقضا سے قرون مشہود لہا بالخیر کے پیدا ہوا ہے

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا ۗ وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۖ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ﴿١٠٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾ وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١٠﴾ وَلَوْ أَنَّنَا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿١١١﴾

اور اگر خدا چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے تجھ کو نہیں کیا ہے اُن پر نگہبان اور نہیں ہے تو اُن پر تعینات ﴿١٠٧﴾ اور مت گالی دو اُن لوگوں کو جو پکارتے ہیں (اور کسی کو) اللہ کے سوا پھر وہ اللہ کو گالی دینگے بے سمجھے اسی طرح ہم نے اچھا کر دکھایا ہے ہر گروہ کے لئے اُن کے عمل کو پھر اُن کے پروردگار کے پاس اُن کو جانا ہے پھر اُن کو خبر دیگا وہ اُس کی جو وہ کرتے تھے ﴿١٠٨﴾ اور انہوں نے قسمیں کھائیں اللہ کی اپنی نہایت سخت قسمیں کہ اگر اُن کے پاس نشانی آوے تو اُس پر ایمان لاوینگے کہدے کہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ نشانیاں اللہ کے پاس ہیں اور (اے مسلمانو) کیا تم نہیں جانتے کہ بیشک جب وہ (یعنی نشانیاں) آوینگی تو وہ ایمان نہیں لانے کے ﴿١٠٩﴾ اور ہم الٹ دینگے اُنکے دلوں کو اور اُن کی نگاہوں کو جس طرح کہ وہ اُس پر ایمان نہیں لائے پہلی دفعہ اور ہم اُن کو چھوڑ دینگے اُن کی گمراہی میں بھٹکتے ہوئے ﴿١١٠﴾ اور اگر ہم بیشک اُن پر فرشتے اُتارتے اور مردے اُن سے باتیں کرتے اور ہم اُن کے پاس ہر چیز کو آمنے سامنے اکٹھا کر دیتے تو بھی نہ ہوتا کہ وہ ایمان لاتے مگر یہ کہ چاہے اللہ و لیکن اُن میں کے اکثر جاہل ہیں ﴿١١١﴾

صاف لکھ دیا ہے کہ یہ رائے کہ نبوت محض خدا کا فضل ہے قرون اولئے کی نہیں ہے چنانچہ شاہ صاحب

حقیقۃ النبوۃ ان یرید اللہ بعبادہ اصلاحا فیتدلی الیہم بوجود یشبہ الوجود العرضی قائم برجل زکی الفطرۃ تام الاخلاق سبہہ منہ اللطیفۃ الانسانیۃ لا یقال ذہب علماء اہل السنۃ الی ان النبوۃ محض فضل من اللہ تعالیٰ من غیر خصوصیتہ من العبد وانت تثبت لہم خصوصیۃ فی استعدادہم لانا نقول ھذا قول نشاء بعد القرون المشہود لہا بالخیر فان مدلول الکتاب والسنۃ وما اجمع علیہ السلف

کا قول یہ ہے کہ نبوت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی اصلاح کا ارادہ کرے اور اُن کی طرف ایک خاص توجہ اور عنایت مائل کرے (تدلی کے لغوی معنی ہیں ڈول کا کنوئیں میں لٹکانا) بسبب وجود کے جو قائم ہو ایک انسان کامل اور پاک طینت عمدہ خصلت میں جس کا لطیفہ انسانی بیدار اور خبردار ہو ۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۶﴾	یہ ہے اللہ پروردگار تمہارا نہیں ہے کوئی خدا مگر وہ پیدا کرنے والا ہر چیز کا پھر اُسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے ﴿۱۰۲﴾ نہیں پاتیں اُس کو نظریں اور وہ پالیتا ہے نظروں کو اور وہ ہے مہربان خبر رکھنے والا ﴿۱۰۳﴾ بیشک آئی ہیں تمہارے پاس دلیلیں تمہارے پروردگار سے پھر جس نے اُن کو دیکھا تو اپنے (فائدہ کے) لئے اور جو کوئی اُن سے اندھا ہوا تو اُس کا (نقصان) اُسی پر ہے اور ہم نہیں ہیں تم پر نگہبان ﴿۱۰۴﴾ اور اسی طرح ہم طرح طرح پر بیان کرتے ہیں نشانیوں کو اور تا کہ وہ کہیں کہ تو نے سیکھ لیا ہے (بصائر کو یعنی دلیلوں کو اپنے پروردگار سے) اور تا کہ ہم اُس کو بیان کریں اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں ﴿۱۰۵﴾ تابعداری کر اُس کی جو وحی کی گئی ہے تجھ کو تیرے پروردگار سے نہیں ہے کوئی خدا مگر وہ منہ پھیر لے مشرکوں سے ﴿۱۰۶﴾

گو اس تقریر میں ماہیت نفوس بشری میں تفرقہ کرنا شاید غلطی ہو خصوصاً اُن لوگوں کی رائے میں جو تمام نفوس حیوانی کی ماہیت کو متحد مانتے ہیں اور تفاوت مدارج کا اُس کی صورت نوعیہ پر قرار دیتے ہیں جس سے وہ نفس متعلق ہے تاہم حاصل اس تقریر کا جو امام صاحب نے لکھی ہے یہی ہے کہ انبیاء میں از روئے خلقت و پیدائش و فطرت کے ایک ایسی چیز ہوتی ہے جس کے سبب سے وہ نبی ہوتے ہیں اس لئے خدا نے فرمایا کہ "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" غرضکہ اس مطلب کو امام صاحب نے کسی تقریر سے بیان کیا ہو اور ہم نے کسی تقریر سے مطلب دونوں کا متحد ہو جاتا ہے اگر فرق رہتا ہے تو اس قدر رہتا ہے کہ ہمارے نزدیک جو ملکہ نبوت فطرت میں رکھا گیا ہے۔ دانے وقت معین پر اسی طرح ظہور کرتا ہے جس طرح درخت میں سے پھول پھل اپنے وقت میں اُس کے قوی ہو جانے کے بعد پیدا ہوتے ہیں جو بعثت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور امام صاحب کی تقریر کے مطابق باوصف فطرت کے موجود ہونے کے وہ فطرت رسالت دیئے جانے کی محتاج رہتی ہے اسی سبب سے ہم تو کہتے ہیں کہ البنی نبی فی بطن امہ اور امام صاحب یوں کہینگے کہ بعض الانسان قابل للنبوة فی بطن امہ اماان یوتی اولا +

شاہ ولی اللہ صاحب بھی تفہیمات میں اسی رائے کے موید معلوم ہوتے ہیں اُنہوں نے

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ کُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاکِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَۃٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰی ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَیَنْعِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَکَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِیْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَیْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّهٗ صَاحِبَۃٌ وَخَلَقَ کُلَّ شَیْءٍ وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۱﴾

اور وہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے پھر تمہارے لئے ٹھیرنے کی جگہ ہے اور جاے امانت بیشک ہم نے بہ تفصیل نشانیاں بیان کی ہیں اُن لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں ﴿۹۸﴾ اور وہ وہ ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے ہر چیز کے اُس سے پودے نکالے، پھر ہم نے اُس سے نکالے ہرے (پودے) اُس میں سے ہم نکالتے ہیں دانے گتھیا بیج اور کھجور کے درخت کے گابھے میں سے خوشے لٹکتے ہوئے اور باغ انگور اور زیتون اور انار کے جو ایک سے بھی ہیں اور ایک سے بھی نہیں، دیکھو اُس کے پھل کو جب پھلے اور اُس کے پکنے کو بیشک اُس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں ﴿۹۹﴾ اور اُنہوں نے ٹھیرایا ہے اللہ کے لئے ساجھی جنوں کو حالانکہ (خدا نے) اُن کو پیدا کیا ہے اور بہتان بندی کی ہے اُس پر بیٹوں اور بیٹیوں کی بغیر جاننے کے وہ پاک ہے اُس سے جو وہ بیان کرتے ہیں ﴿۱۰۰﴾ پیدا کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا کہاں سے ہُوا اُس کے لئے بیٹا اور نہیں ہے اُس کے لئے کوئی جوڑا (خدا نے) پیدا کیا ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۱۰۱﴾

کہ قسم اول سے نہ ہو وہ وحی اور رسالت کے قبول کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پھر قسم اول میں زیادتی اور کمی اور قوت اور ضعف کے اُن درجوں تک جن کی کچھ انتہا نہیں ہے اختلاف واقع ہوتا ہے اور اسی وجہ سے رسولوں کے درجے مختلف ہوتے ہیں پھر اُن میں سے بعضے ہیں جن کو معجزات قویہ حاصل ہوتے ہیں اور اُن کے پیرو بہت تھوڑے ہوتے ہیں اور بعض اُن میں سے وہ ہوتے ہیں جن کو ایک یا دو معجزے حاصل ہوتے ہیں اور اُن کے پیرو بہت سے ہو جاتے ہیں اور اُن میں سے بعضوں پر نرمی غالب ہوتی ہے اور اُن میں سے بعضوں پر تشدد غالب ہوتا ہے۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ (٩٤) إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ (٩٥) فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (٩٦) وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ (٩٧)

اور بیشک تم آئے ہو ہمارے پاس اکیلے جیسا کہ ہم نے تم کو اول دفعہ پیدا کیا تھا اور تم نے چھوڑ دیا جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا اپنے پیٹھوں کے پیچھے اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ تمہارے شفاعت کرنے والے جن کو تم نے خیال کیا تھا کہ بیشک وہ تم میں (یعنی تمہاری بھلائی میں خدا کے ساتھ) شریک ہیں بیشک کٹ گیا تم میں کا علاقہ اور کھو گیا تم سے جس پر تم گھمنڈ رکھتے تھے (۹۴) بیشک اللہ پھاڑ کر اگانے والا ہے بیجوں اور گٹھلیوں کا۔ نکالتا ہے زندہ کو (یعنی ہرے لہلہاتے درخت قوت نامیہ سے بڑھنے والے کو) مردہ (یعنی خشک بیج اور گٹھلی) سے اور نکالنے والا ہے مردہ کا (یعنی خشک دانے اور گٹھلی کا) زندہ (یعنی سبز لہلہاتے قوت نامیہ رکھنے والے درخت) سے یہ ہے اللہ پھر کہاں بھٹکے جاتے ہو (۹۵) پو کو پھاڑنے والا ہے (یعنی رات کو پھاڑ کر سفیدۂ صبح کو نکالنے والا ہے) اور بنایا ہے رات کو آرام کے لئے اور سورج اور چاند کو حساب کے لئے یہ مقرر کیا ہوا ہے زبردست جاننے والے کا (یعنی خدا کا) (۹۶) وہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو بنایا ہے تاکہ اُن سے رستہ پاؤ جنگل اور سمندر کے اندھیروں میں، بیشک ہم نے بتفصیل نشانیاں بیان کی ہیں اُن لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں (۹۷)

فلاجرم كانت مراتب الرسل مختلفة فمنهم من حصلت له المعجزات القوية والتبع القليل ومنهم من حصلت له معجزة واحدة او اثنتان وحصل له تبع عظيم ومنهم من كان الرفق غالبا عليه ومنهم من كان التشدد غالبا عليه (تفسير كبير) *

اور دوسرے کو نہ ملنا خدا کی طرف سے شرف دینا اور احسان کرنا اور بزرگی دینا ہے۔ اور بعضوں نے کہا ہے کہ نہیں بلکہ نفوس بشری اپنے جوہر اور اپنی ماہیت میں مختلف ہیں بعضے اُن میں سے برگزیدہ اور علائق جسمانیات سے پاک اور انوار الٰہیہ سے روشن اور بلند درجہ پر منور ہوتے ہیں اور بعضے اُن میں سے خسیس اور گندے جسمانیات سے محبت کرنے والے ہوتے ہیں پس نفس جب تک

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ
مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ
لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا
وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ
يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ
يُحَافِظُوْنَ (۹۲) وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ
افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ
اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ
وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَا اَنْزَلَ
اللّٰهُ وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ
غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْا
اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْا اَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ
تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا
كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ
وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (۹۳)

اور یہ کتاب ہے کہ اس کو ہم نے اُتارا ہے برکت والی سچا بتانے
والی اُس چیز کی جو اُس کے ہاتھوں میں (یعنی اُسکے آگے)
ہے تاکہ تو مکہ والوں کو اور جو اُس کے گرد میں ڈراوے اور جو
لوگ ایمان لائے ہیں آخرت پر بیشک ایمان لاتے ہیں اس پر
(یعنی ہذا الکتاب پر یعنی قرآن پر) اور وہ اپنی نماز کی محافظت
کرتے ہیں (۹۲) اور کون اُس شخص سے زیادہ ظالم ہے
جس نے بہتان باندھا اللہ پر جھوٹا۔ یا اُس نے کہا کہ وحی
بھیجی گئی ہے میرے پاس اور حقیقت میں اُسکے پاس کچھ وحی
نہیں بھیجی گئی اور اُس شخص سے جس نے کہا کہ اب میں اُتاروں گا
مثل اُس کے جو اللہ نے اُتارا ہے اور اگر تو دیکھے ظالموں
کو جب کہ وہ موت کی سختیوں میں ہوں اور فرشتے اپنے
ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں کہ نکالو اپنی جانیں، آج کے
دن تم کو بدلا دیا جاویگا رسوا کرنے والے عذاب کا بسبب
اُس کے جو تم کہتے تھے اللہ پر ناحق اور تم اُس کی نشانیوں
سے سرکشی کرتے تھے (۹۳)

پیغمبر کر دیتا ہے *

یہ تحقیق کچھ ہماری پیدا کی ہوئی نہیں ہے بلکہ اس باب میں قدیم سے علما کی دو رائیں ہیں بعض علما
کی یہ رائے ہے کہ سب انسان برابر ہیں اُن میں سے اللہ جس کو چاہتا ہے درجہ نبوت دیدیتا ہے۔

واعلم ان الناس اختلفوا فی هذه المسئلة
فقال بعضهم النفوس والارواح متساوية
فی تمام الماهية فحصول النبوة والرسالة لبعضها
دون البعض لتشريف من الله واحسان وتفضل
وقال الاخرون بل النفوس البشرية مختلفة
بجواهرها وماهياتها فبعضها خيرة طاهرة من
علائق الجسمانيات مشرقة بالانوار الالهية
مستعلية منورة وبعضها خسيسة كدرة محبة
للجسمانيات فالنفس ما لم يكن من القسم الاول
لم يصلح لقبول الوحی والرسالة ثم ان القسم
الاول يقع الاختلاف فيه بالزيادة والنقصان
والقوة والضعف الى مراتب لا نهاية لها

اور بعض علما کی یہ رائے ہے کہ نبی از روئے فطرت
و خلقت کے نبی ہوتا ہے چنانچہ اسی آیت کی
تفسیر میں امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں
یہ دونوں قول نقل کئے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے
کہ ہم بھی اس مقام پر اُن دونوں قولوں کو نقل
کردیں وہ لکھتے ہیں کہ یہ بات جاننی چاہیئے کہ اس
مسئلہ میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے
کہا ہے کہ نفوس اور ارواح تمام ماہیت میں سب
برابر ہیں پس نبوت اور رسالت کا ایک کو ملنا

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔـلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰي بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰي نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

یہ ہے اللہ کی ہدایت، ہدایت کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، اور اگر وہ شرک کرتے تو بیشک ملیامیٹ ہو جاتا اُن سے جو کچھ کہ اُنہوں نے کیا تھا ﴿۸۸﴾ یہ وہ لوگ ہیں کہ اُن کو ہم نے دی ہے کتاب اور حکمت اور نبوت پھر اگر یہ لوگ اُس کے ساتھ کفر کریں تو بیشک ہم نے اُس کے لئے مقرر کیا ہے اور قوم کو کہ اُس کے ساتھ کفر کرنیوالے نہیں ہیں ﴿۸۹﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت کی ہے پھر اُنہی کی ہدایت کی پیروی کر۔ کہدے (لوگوں سے) کہ میں تم سے اس پر کچھ صلہ نہیں مانگتا، یہ نہیں ہے مگر نصیحت عالموں کے لئے ﴿۹۰﴾ اور نہیں قدر کی اللہ کی جیسا حق اُس کی قدر کرنے کا تھا جب اُنہوں نے کہا کہ نہیں اُتاری ہے اللہ نے کسی بندے پر کوئی چیز۔ کہدے کہ کس نے وہ کتاب اُتاری ہے جس کو موسےٰ لایا ہے، نور اور ہدایت لوگوں کے لئے تم اُس کو کرتے ورق ورق اُن کو دکھاتے ہو اور بہت سوں کو چھپاتے ہو اور تم کو سکھایا گیا ہے جو تم نہیں جانتے تھے، تم اور نہ تمہارے باپ، کہدے اللہ نے پھر اُن کو چھوڑ دے اُن کی بیہودہ بحثوں میں کھیل کرتے ﴿۹۱﴾

دعوے کرتے ہیں جب تک ہمارے پاس بھی خدا کی طرف سے کوئی پیغام نہ آوے ہم ہرگز ایمان نہیں لانے کے اُسی کے جواب میں خدا نے فرمایا "اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ" یعنی خدا کی طرف سے پیغام آنا تو نبوّت ہے ہر کسی کو نبوّت نہیں مل سکتی بلکہ خدا خوب جانتا ہے کہ کس کو نبوّت دے ❊

(حیث یجعل رسالتہ) یہ بھی ایک دقیق مسئلہ ہے ہم نے جا بجا بیان کیا ہے کہ نبوّت بطور ایک ایسے منصب کے نہیں ہے جیسے کہ کوئی بادشاہ کسی کو کوئی منصب دیدیتا ہے بلکہ نبوّت ایک فطری امر ہے اور جس کی فطرت میں خدا نے ملکہ نبوت رکھا ہے وہی نبی ہوتا ہے اور اس بات کو ہم نہیں مانتے کہ سب انسان ایک سے ہوتے ہیں اور اُن میں سے جس کو خدا چاہتا ہے نبی او

وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾	اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس ہر ایک نیک لوگوں میں سے تھے ﴿۸۵﴾ اور اسمٰعیل اور یسع اور یونس اور لوط ہر ایک کو ہم نے بزرگی دی عالموں پر ﴿۸۶﴾ اور اُن کے باپوں اور اُن کی اولادوں اور اُن کے بھائیوں میں سے ہم نے اُن کو برگزیدہ کیا اور ہم نے اُن کو سیدھے رستے کی طرف ہدایت کی ﴿۸۷﴾

پر غور و فکر کر کے خدا پر یقین لاتے ہیں وہ نہایت اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں جن کا یقین پورا کامل یقین ہوتا ہے اور کسی طرح زائل نہیں ہو سکتا اسی سبب سے خدا نے حضرت ابراہیم کو ملکوت السموات والارض دکھانے کا مقصد یہ بتلایا ہے کہ "لیکون من الموقنین" +

ہمارا یہ یقین و تجربہ ہے کہ انسان کو جس قدر علم فطرت - قوانین قدرت - علم السماء والافلاک - بڑھتا جاتا ہے اور نیچرل سینز علوم طبیعیات حقہ میں جس قدر اُس کی واقفیت اور مہارت زیادہ ہوتی جاتی ہے اُسی قدر اُس کو خدا کے وجود کا یقین اور اُس کی قدرت و عظمت اور شان الوہیت اور استحقاق معبودیت کا دل میں زیادہ نقش ہوتا جاتا ہے وللہ در من قال +

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

پس یہی قوانین قدرت لاآف نیچر تھے جو زبان شرع میں ملکوت السموات والارض سے تعبیر کئے گئے ہیں اور جن کو خدا نے حضرت ابراہیم کو دکھایا تھا یوں کہو کہ سمجھایا تھا اور جس کی بدولت اُنہوں نے "لیکون من الموقنین" کا خطاب پایا +

چھٹے یہ کہ یہ مباحثہ حضرت ابراہیم کا جو قرآن میں مذکور ہے توریت میں نہیں ہے توریت میں کسی واقعہ کا نہ ہونا اُس کے عدم وقوع کی دلیل نہیں ہو سکتا +

﴿۱۲۴﴾ (مثل ما اوتی رسل اللہ) کافروں کے اس قول پر کہ "ہم ہرگز ایمان نہیں لانے کے جب تک ہم کو اُس کے مثل نہ دیا جاوے جیسا کہ اللہ کے رسولوں کو دیا گیا ہے" حسن اور ابن عباس کا قول ہے کہ اس سے کافروں کی یہ مراد تھی کہ جب تک ہم کو ویسے ہی معجزے نہ دکھلائے جاویں جیسے کہ انبیاء سابقین نے دکھائے تھے اُس وقت تک ہم ایمان نہیں لانے کے مگر امام فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ یہ قول ضعیف ہے قول قوی وہ ہے جو محققین نے کہا ہے یعنی کافر چاہتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو خدا کی طرف سے پیغمبر ہونے کا

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور یہ ہماری دلیلیں ہیں ہم نے اُن کو ابراہیم کو اُس کی قوم پر کرنے کو دی تھیں ہم بلند کر دیتے ہیں درجے جس کے چاہتے ہیں بیشک تیرا پروردگار حکمت والا ہے جاننے والا ﴿۸۳﴾ اور ہم نے اُس کو عطا کیا اسحٰق اور یعقوب ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی اور نوح کو ہم نے اس سے پہلے ہدایت کی اور اُس کی (یعنی ابراہیم کی) اولاد میں سے ہیں داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسےٰ اور ہارون اسی طرح ہم جزا دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿۸۴﴾

اور روئیدگی اور پھولوں اور پھلوں کا مدبر ہے نہ کفر ہے نہ شرک ہے لیکن جب آفتاب یا میگھ راجہ کی نسبت یہ اعتقاد کیا جاوے کہ اُن کو مینہ برسانے یا نہ برسانے اور میوہ پکانے یا نہ پکانے کا اختیار ہے اور اُن کی رضامندی اُس کے لئے مفید اور ناراضی مضرت رساں ہے اور اس خیال پر اُن کی پرستش کی جاوے تو وہ بلاشبہ شرک و کفر ہے۔ تزح کے خاندان میں زیادہ تر اجرام علوی کے اصنام کی پرستش ہوتی تھی اسی وجہ سے حضرت ابراہیم کا خیال ستارے اور چاند اور سورج پر رب یعنی مدبرات میں سے ہونے کا گیا نہ الٰہ ہونے کا اور اُس کو بھی خدا کی ہدایت سے جو فطرت انبیا میں ہے قرار نہ ہوا پس صرف یہ خیال شرک و کفر نہ تھا اور حضرت ابراہیم نے اُن میں سے کسی کی پرستش نہیں کی نہ اُن میں جب چاہیں نفع اور جب چاہیں مضرت پہنچانے کی قدرت یقین کی اس لئے کسی طرح اُن کا اس معصیت میں مبتلا ہونا لازم نہیں آتا ✦

اس بیان کی تشریح بعد کی آیتوں سے بخوبی ہوتی ہے جہاں حضرت ابراہیم نے فرمایا ہے کہ ،، میں نہیں ڈرتا اُس سے جس کو تم خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو ،، پھر فرمایا کہ ،، کیونکر میں ڈروں اُس سے جس کو تم شریک کرتے ہو ،، یہ قول صاف اس بات پر دال ہیں کہ جن کی نسبت حضرت ابراہیم نے ربی کہا تھا اُن کو مالک اور قادر نفع و نقصان پہنچانے پر نہیں مانا تھا ✦

پانچویں یہ کہ اس آیت میں جو الفاظ ،، لیکون من الموقنین ،، ہیں زیادہ تر غور کے لائق ہیں خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ ہم نے ابراہیم کو ملکوت السموات والارض اس لئے دکھائیں تاکہ یقین کرنے والوں میں ہو۔ ہم اُن لوگوں کو جو بہ تقلید آبائی یا باطاعت کسی کے قول کی خدا پر یقین رکھتے ہیں مومن پاک جانتے ہیں مگر جو لوگ کہ بعد غور و فکر کے اور خدا کی قدرتوں اور صنعتو

وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَ لَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾

اور کیونکر میں ڈروں اُس سے جس کو تم شریک کرتے ہو اور تم نہیں ڈرتے اس سے کہ تم شریک کرتے ہو اللہ کے ساتھ اُس کو جس کے لئے کوئی دلیل تم پر اُتاری نہیں گئی ہے۔ پھر دونوں فریقوں میں سے کون زیادہ امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو (۸۱) وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور اُنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم (یعنی شرک) میں نہیں ملایا ہے، وہی لوگ ہیں کہ اُن کے لئے امن ہے اور وہ ہی ہدایت پائے ہوئے ہیں (۸۲)

میں متعدد طریقہ پر وجود عالم سے صانع کے وجود پر استدلال کیا ہے پس خدا نے آسمان و زمین کی بادشاہت کی حقیقت حضرت ابراہیمؑ کے دل پر کھولی جس کی ابتدا تارے، چاند و سورج کو رب خیال کرنا اور اُس کی انتہا "انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض" کہنا ہے اور اسی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے "کذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض" +

چوتھے یہ کہ علمائے اسلام کو ایک اور مشکل پیش آئی ہے کہ اُن کے اصول مقررہ کے موافق انبیا کبھی اور کسی حال میں مرتکب شرک و کفر نہیں ہوئے پس کیونکر حضرت ابراہیمؑ نے تارہ اور چاند اور سورج کو دیکھ کر کہا کہ "ھذا ربی" اس شبہ کے رفع کرنے کو اُنہوں نے متعدد طرح سے صعوبتیں اُٹھائی ہیں مگر یہ امر نہایت صاف ہے جس میں کچھ مشکل نہیں +

بلاشبہ انبیا علیہم السلام کبھی مرتکب شرک و کفر کے نہیں ہوتے اُن کی فطرت ہی اُس آلودگی سے پاک ہوتی ہے مگر قدیم زمانہ میں جو بُت پرستی تھی اور جس شرک و کفر میں اُس زمانہ کے لوگ گرفتار تھے اُس کی حقیقت پر اول غور کرنی لازم ہے۔ تمام مشرکین ذات باری کا کسی کو شریک نہیں قرار دیتے تھے بلکہ خدا کے سوا موجودات غیر مرئی اور اجرام سماوی کو مدبرات عالم اور مالک نفع و نقصان سمجھتے تھے اور اُنہی کے نام سے ہیاکل اور اصنام بنا کر اُن کی پرستش کرتے تھے، اور اُن کو یقین تھا کہ اُن کی رضامندی و خوشنودی فائدہ بخش اور اُن کی ناراضی مضرت رساں ہے مگر کسی وجود غیر مرئی کو یا کسی کو اجرام سماوی میں سے صرف مدبر عالم خیال کرنا خواہ وہ خیال صحیح ہو یا غلط کفر و شرک نہیں ہو سکتا بلکہ کفر و شرک اُس وقت ہوتا ہے جب کہ اُس میں قدرت نفع و نقصان پہنچانے کی مانی جاوے یعنی یہ سمجھا جاوے کہ اُس میں قدرت ہے کہ جب چاہے نفع پہنچاوے جب چاہے نقصان اور اسی خیال سے اُس کی پرستش کی جاوے۔ مثلاً مسلمانوں کا یہ خیال کہ مینہ کے برسانے والے فرشتے بادلوں پر متعین ہیں اور مینہ برساتے پھرتے ہیں یا یہ خیال کہ آفتاب فصول اربعہ کا باعث

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّیْ فِی اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْــًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾	بیشک میں نے متوجہ کیا اپنے مُنہ کو اُس کی طرف جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو دلی یقین سے اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والوں میں سے ﴿۷۹﴾ اور حجت کی اُس سے اُس کی قوم نے اُس نے کہا کہ کیا تم حجت کرتے ہو میرے ساتھ اللہ میں اور بیشک اس نے مجھ کو ہدایت کی ہے اور میں نہیں ڈرتا اُس سے جس کو تم اُس کے ساتھ شریک کرتے ہو مگر یہ کہ اگر چاہے میرا خدا کسی امر کو، پھیلا ہوا ہے میرے پروردگار کا علم ہر چیز پر پھر کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ﴿۸۰﴾

کے بادشاہ کے خوف سے جس نے ایک خواب دیکھا تھا اور لڑکوں کے قتل کا ارادہ کیا تھا حضرت ابراہیم کی ماں نے اُن کے حمل کو چھپایا اور جب لڑکا پیدا ہونے کا وقت آیا تو ایک پہاڑ کی کھوہ میں جا کر جنا اور اُس کا مُنہ پتھروں سے بند کر دیا اور حضرت جبرئیل نے حضرت ابراہیم کی پرورش کی جب وہ اُسی پہاڑ ہی کی کھوہ میں بڑے ہو گئے تو اُس کھوہ میں سے پہلی دفعہ رات کو ایک ستارہ دیکھا پھر چاند دیکھا پھر سورج دیکھا *

مگر یہ خیال اور یہ قصہ دونوں صحیح نہیں ہیں حضرت ابراہیم کے ناحور اور ہاران دو اور بڑے بھائی تھے اور حضرت ابراہیم سب سے چھوٹے تھے انسان کی فطرت میں ہے کہ جب وہ کسی قوم میں پیدا ہوتا ہے تو یا تو اُسی قوم کی باتوں پر یقین کرتا ہے اور اُسی قوم کے عقاید و اعمال کی پیروی کرنے لگتا ہے یا اُس قوم کے افعال و اقوال کو تعجب و حیرت کی نگاہ سے دیکھتا رہتا ہے نہ اُن پر یقین کرتا ہے اور نہ اُن افعال میں شریک ہوتا ہے اور نہ اُس کے ذہن میں آتا ہے کہ اصل بات کیا ہے اور ایک تفکر اور سوچ کی حالت میں ایک زمانہ بسر کرتا ہے اور خدا کی ہدایت جو خدا نے انبیا اور صلحا کی فطرت میں رکھی ہے اُس کی تائید کرتی رہتی ہے اسی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے ”کذلک نری ابراھیم ملکوت السموات والارض“ اسی حالت میں ایک رات ستارہ اور چاند اور اُس کے بعد سورج کو دیکھ کر حضرت ابراہیم کو وہ خیال آیا جو قرآن مجید میں مذکور ہے پس ضرور نہیں ہے کہ وہ رات پہلی ہی رات ہو جو اُنھوں نے دیکھی تھی *

تیسرے یہ کہ ”ملکوت السموات والارض“ سے اور اُس کے دکھلانے سے کیا مراد ہے علمائے مفسرین نے اُس کی نسبت بھی بہت سی رطب و یابس باتیں لکھی ہیں مگر خدا کی قدرت اور اُس کی عظمت اور وحدانیت پر یقین کرنے کے لئے موجودات عالم اور اُس کی خلقت اور فطرت پر غور کرنے سے زیادہ یقین لانے والی کوئی چیز نہیں ہے اسی وجہ سے خدا تعالیٰ نے قرآن مجید

فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾

پھر جب دیکھا چاند کو چمکتا ہوا کہا یہ ہے میرا پروردگار پھر جب ڈوب گیا تو کہا کہ اگر میرا رب مجھ کو ہدایت نہ کریگا تو بیشک میں گمراہوں کے گروہ میں سے ہو جاؤنگا ﴿۷۷﴾ پھر جب دیکھا سورج کو چمکتا ہوا کہا یہ ہے میرا پروردگار یہ ہے سب سے بڑا پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اے میری قوم میں بیشک بیزار ہوں اُس سے جو تم شرک کرتے ہو ﴿۷۸﴾

سارہ زن پسرش ابرام را برداشت و باہم دیگر از اور کلدانیاں بقصد رفتن بزمین کنعن بیرون آمدند"

پس یہ ایک دلیل اس بات کی ہے کہ جس مباحثہ کا قرآن مجید میں ذکر ہے وہ حضرت ابراہیم کے باپ سے نہیں ہوا تھا بلکہ اب کا لفظ عم پر بطور اظہار محبت اور بزرگی چچا کے جن سے مباحثہ پیش آگیا تھا بولا گیا ہے +

دوسرے یہ کہ جب حضرت ابراہیم نے یہ مباحثہ کیا تو اُن کی عمر کیا تھی۔ اس امر کا تحقیق کرنا ناممکن ہے کیونکہ ان امور کی تحقیقات صرف توریت پر منحصر ہے نسخے توریت کے اس باب میں نہایت مختلف ہیں عبری توریت سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ دنیوی کے ۱۹۵۸ برس بعد حضرت ابراہیم پیدا ہوئے تھے اور یونانی نسخہ توریت سے جس کو سپٹواجنٹ کہتے ہیں اُن کی پیدایش ۳۳۲۸ برس بعد سنہ دنیوی کے اور سامری نسخہ توریت سے ۲۵۹۸ برس بعد معلوم ہوتی ہے عیسائی مورخوں نے ولادت حضرت ابراہیم کی ۲۰۰۸ برس بعد سنہ دنیوی کے اور اُن کا اور کلدانیاں سے نکلنا ۲۰۸۳ سنہ دنیوی میں قرار دیا ہے اور اس حساب سے اُس وقت اُن کی عمر پچھتر برس کی تھی مگر اس حساب پر اعتماد کرنے کی کوئی کافی وجہ نہیں ہے +

قرآن مجید سے جہاں خدا نے فرمایا ہے "قالوا سمعنا فتی یذکرھم یقال لہ ابراھیم" معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانہ میں حضرت ابراہیم جوان تھے اور دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے "ولقد اتینا ابراھیم رشدہ من قبل وکنا بہ عالمین" (سورۂ انبیا آیت ۵۲) اور اسی آیت کے بعد اس مباحثہ کا ذکر ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قبل وقت مباحثہ کے حضرت ابراہیم جوان اور رشید ہو چکے تھے اور ان کا دل الہامات ربانی سے معمور تھا جس کے لئے عموماً چالیس برس کی عمر خیال کی جاتی ہے پس کچھ عجب نہیں ہے کہ یہ واقعہ اسی عمر کے قریب قریب واقع ہوا ہو +

مگر ہمارے علمائے مفسرین کو "فلما جن علیہ اللیل" نے گھبرا دیا ہے وہ سمجھے ہیں کہ یہ پہلی دفعہ تھی جو اُنہوں نے رات دیکھی تھی اور اس لئے بے اصل قصہ اپنی تفسیروں میں لکھا ہے کہ اُس زمانہ

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ (۷۵) فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (۷۶)

اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے تھے بادشاہت آسمانوں کی اور زمین کی تاکہ وہ ہووے یقین کرنے والوں میں سے (۷۵) پھر جب اُس پر رات چھا گئی اُس نے ایک تارے کو دیکھا۔ کہا یہ ہے میرا پروردگار پھر جب وہ ڈوب گیا تو کہا میں دوست نہیں رکھتا ڈوب جانے والوں کو (۷۶)

تمثیل ہے مردوں کے جلانے کی ، یعنی اُن کا اپنی قبروں میں سے نکلنا لشکر کے نکلنے کی مانند ہے جب کہ وہ صور کی آواز سنتے ہی تکل کھڑا ہوتا ہے۔ پس جن عالموں کی یہ رائے ہے وہ بھی مثل ہمارے نہ صور کے لغوی معنی لیتے ہیں اور نہ صور کے وجود فی الخارج کو مانتے ہیں اور نہ اُس کے وجود کی اور نہ اُس کے پھونکنے والوں کی ضرورت جانتے ہیں۔ حشر اجساد کا مسئلہ قابل بحث ہے ہم اس کی نسبت بھی کسی وقت بحث ارواح کے بعد بحث کرینگے واللہ المستعان ؟

(۷۴) (واذ قال ابراھیم لابیہ آزر) اس آیت میں اور اس کے بعد کی آیتوں میں حضرت ابراہیم کی نسبت جو حالات مذکور ہیں اُن میں چند امور غور طلب ہیں۔ اول یہ کہ آزر حضرت ابراہیم کے کون تھے قرآن مجید میں آزر کو حضرت ابراہیم کے اب کے لفظ سے تعبیر کیا ہے مگر قرآن مجید میں باپ کا اطلاق باپ اور چچا دونوں پر آیا ہے۔ قرآن میں ہے کہ حضرت یعقوب کی اولاد نے کہا کہ " نعبد الٰھک والٰہ آبائک ابراھیم واسمعیل واسحٰق " حالانکہ اسمٰعیل حضرت یعقوب کے چچا تھے اُن پر بھی یعقوب کے باپ کا اطلاق ہوا ہے۔ تفسیر کبیر میں بھی بعض اقوال لکھے ہیں کہ اس آیت میں اب کا اطلاق عم پر ہوا ہے ظن غالب ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ کا نام تارح تھا۔ توریت سے پایا جاتا ہے کہ تارح کے بھائی بھی تھے مگر توریت میں ان کے نام نہیں بیان کئے چنانچہ کتاب پیدایش باب ۱۱ درس ۲۴ و ۲۵ میں لکھا ہے کہ " و ناحور بست و نہ سال زندگی نمودہ تارح را تولید نمود۔ و ناحور بعد از تولید نمودنش تارح یک صد و نوزدہ سال زندگانی نمودہ پسران و دختران را تولید نمود " ان آیتوں سے تارح کے بھائیوں یعنی حضرت ابراہیم کے چچاؤں کا ہونا پایا جاتا ہے ؟

علاوہ اس کے توریت کے اُسی باب میں لکھا ہے کہ بعد اُن تمام واقعات کے جو حضرت ابراہیم پر اُن کے وطن " اور کسدیم " میں گذرے اُنہوں نے اپنے وطن کو چھوڑ دیا اور کنعان کی طرف روانہ ہوئے تو اُن کے ساتھ اُن کے باپ تارح بھی تھے اور اُنہوں نے بھی اُس ملک کو چھوڑ دیا تھا چنانچہ درس ۳۱ میں لکھا ہے کہ " تارح پسر خود ابرام و پسر پسر خود لوط پسر ہاران و عروس خود

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۴﴾	اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ (یعنی چچا) آزر سے کہ کیا تو نے ٹھیرایا ہے بتوں کو خدا بیشک میں تجھ کو اور تیری قوم کو علانیہ گمراہی میں دیکھتا ہوں ﴿۷۴﴾

کہ جس طرح توریت میں لکھا ہے کہ خدا نے موسیٰ کو چاندی کی دو صوریں بنانے کا حکم دیا تھا انہوں نے بھی صور کو جوڑا قرار دیا ہے کہ ایک کے بجانے سے ایک طرح کی اور دونوں کو ساتھ بجانے سے دوسری طرح کی آواز نکلیگی اور اُس پر حاشیہ یہ چڑھایا کہ صور میں بقدر تعداد ارواحوں کے چھید ہیں جیسے بانسلی میں ہوتے ہیں اور جب مردوں کو زندہ کرنے کے لئے صور پھونکی جاویگی تو ارواحیں صور کے چھیدوں میں سے نکل پڑیںگی (دیکھو تفسیر کبیر سورۃ مدثر آیت ۸) ٭

مگر قرآن مجید میں جس طرح تنزہ ذات باری کا اور اُس کے کاموں کا بیان ہے وہ اس قسم کے خیالات کلیتہً مانع ہے نفخ صور صرف استعارہ ہے بعث و حشر کا اور تبدل حالت کا جس طرح لشکر میں صور بجنے سے سب مجتمع ہو جاتے ہیں اور لڑنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں اور گروہ در گروہ آموجود ہوتے ہیں اسی طرح بعث و حشر میں ارادۃ اللہ سے جس طرح کہ اُس نے قانون قدرت میں مقرر کیا ہوگا وقت موعود پر سب لوگ اُٹھینگے اور جمع ہو جاوینگے اُس حالت نفخ صور سے استعارہ کیا گیا ہے پس اس آیت سے یا قرآن مجید کی اور آیتوں سے یہ بات کہ فی الواقع کوئی صور یعنی متعارف موجود ہے یا موجود ہوگی اور فی الواقع وہ مثل صور متعارفہ کے پھونکنے کے پھونکی جاویگی اور فی الواقع اُس کو فرشتے لئے ہونگے اور وہ اُس کو پھونکینگے ثابت نہیں ٭

گو کہ تمام علماے اسلام صور کو ایک شے موجود فی الخارج اور اُس کے لئے پھونکنے والے فرشتے یقین کرتے ہیں اور عموماً مسلمانوں کا اعتقاد یہی ہے مگر بعض اقوال اُنہی علما کے ایسے پائے جاتے ہیں جن میں صاف بیان ہے کہ نفخ صور صرف استعارہ اور تمثیل ہے۔ تفسیر کبیر میں سورہ طٰہٰ کی تفسیر

واللہ تعالیٰ یعرف الناس من امور الاخرۃ بامثال ماشوھد فی الدنیا و من عادۃ الناس النفخ فی البوق عند الاسفار و فی العساکر (طٰہٰ)	میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو آخرت کی باتیں اُن چیزوں کی مثالوں سے بتلاتا ہے جو دنیا میں دیکھی جاتی ہیں اور لوگوں کی عادت ہے کہ کوچ کے وقت اور لشکروں میں بھونپو یعنی بُوق یعنی صور بجاتے ہیں۔
ان النفخ فی الصور استعارۃ والمراد منہ البعث والحشر (مؤمنون)	اور سورہ مومنون کی تفسیر میں لکھا ہے کہ نفخ فی الصور استعارہ ہے اور اُس سے مُراد بعث و حشر ہے
یجوز ان تکون تمثیلا لدعاء الموتی فان خروجھم من قبورھم کخروج الجیش عند سماع صوت الالۃ (نمل)	سورہ نمل کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جائز ہے کہ یہ

اُس کا کہنا درست ہے اُسی کے لئے بادشاہت ہے جس دن پھونکا جاویگا صور میں جاننے والا ہے چھپے اور کھلے کا اور وہ حکیم ہے خبر رکھنے والا ﴿۷۳﴾	قَوْلُهُ الْحَقُّ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

لئے لوگوں کو جمع کرنے کو قرنا بجائی جاتی تھی چنانچہ یرمیاہ نبی کی کتاب میں لکھا ہے کہ "علم را در زمین برپا دارید کرنا را درمیان طوائف بنوازید در برابرش اقوام را زبدہ نمائید و برضدش ممالک آرارا ط دمنی و اشکناز را آواز دہید و برخلافش سرداراں را نصب نمودہ اسپ ہا را مثل ملخ برآورید" (باب ۱۵ ورس ۲۷) +

اور ایک مقام میں لکھا ہے کہ "در یہوداہ اخبار نمودہ و در اورشلیم مسموع گردانیدہ بگوئید کہ در زمین قرنا را بنوازید با واز بلند ندا کردہ بگوئید کہ جمع آیند تا آنکہ در شہرہائے مشید در آئیم" (باب ۴ ورس ۵) +

یہودیوں نے اپنے خیال میں خدا تعالےٰ کے پاس بھی فرشتوں کی فوج کا ہونا اور اس میں درجہ بدرجہ سرداروں کا ہونا تسلیم کیا تھا اور اسی خیال سے فوج میں کام لینے کو فرشتوں کے پاس بھی صور یا قرنا کا ہونا خیال کیا اور صور پھونکنے والے فرشتے قرار دئیے جن میں سب کا سردار اسرافیل فرشتہ ہے +

عیسائیوں نے بھی اس خیال میں یہودیوں کی پیروی کی یوحنا حواری اپنے مشاہدات میں لکھتے ہیں کہ اُنہوں نے تین فرشتوں کو ترئی پھونکنے پر متعین دیکھا (باب ۸ ورس ۱۳) +

یہودی اور عیسائی دونوں حشر اجساد کے اور سب مُردوں کے ایک جگہ جمع ہونے کے قائل تھے اُس حشر اور اجتماع کے لئے اُسی خیال کے مطابق جس طرح وہ لوگوں کو جمع کیا کرتے تھے اُنہوں نے صور کا پھونکا جانا تصور کیا اشعیاہ نبی کی کتاب سے یہ خیال کہ قیامت کے شروع میں صور پھونکی جاویگی جا بجا پایا جاتا ہے۔ اور سینٹ پال نے اپنے پہلے خط کے باب پندرھویں میں جو کرنتھیوں کو لکھا ہے اس خیال کو بخوبی ظاہر کیا ہے جہاں لکھا ہے کہ "ہم سب ایک دم میں ایک پل مارنے میں پچھلی ترئی پھونکنے کے وقت مبدل ہو جاوینگے کہ ترئی پھونکی جاویگی اور مردے اُٹھینگے اور ہم مبدل ہو جاوینگے +

ہمارے ہاں کے علما نے حسب عادت اپنے اس امر میں یہودیوں کی پیروی کی ہے اور نفخ صور کے لغوی معنی لئے ہیں اور جب اُنہوں نے لغوی معنی لئے تو ضرور ہوا کہ صور کو بشکل معینہ موجود اور اس کے بجانے کے لئے فرشتے قرار دیں۔ بعض بزرگوں نے یہاں تک یہودیوں کی پیروی کی ہے

وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ۚ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ (۷۱) وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۭ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ (۷۲)	اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ قائم رکھو نماز کو اور اُس سے (یعنی خدا سے) ڈرو وہ وہ ہے جس کے پاس لیجائے جاؤ گے (۷۱) وہ وہ ہے جس نے درستی سے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور جس دن کہے گا کہ ہو پھر ہو جاویگا (۷۲)

اور مشعلوں کی روشنی کے ذریعہ سے لڑائی کے میدان میں غولوں کو حکم پہنچانا ایجاد کیا ✤

غالباً اون کو مشعلوں سے بخوبی کام نہ نکلتا ہوگا اس لئے ایک ایسی چیز کی تلاش کی ضرورت پیش آئی جس کی بہت بڑی آواز ہو اور وہ آواز لڑائی کے میدان میں حکم بھیجنے کا ذریعہ ہو مصری ہی اس کے موجد ہوئے اور انہوں نے دریائی جانوروں کی ہڈی کے خول سے جس میں شل گھونگے کے پیچ در پیچ ہوتے تھے اور جس میں پھونکنے سے نہایت سخت و شدید آواز نکلتی تھی یہ کام لینا شروع کیا چنانچہ اب تک ہندو اُسی کا استعمال کرتے ہیں جو سنکھ کے نام سے مشہور ہے ✤

بنی اسرائیل جب مصر میں تھے تو انہوں نے مصریوں سے اس کو اخذ کیا تھا اور جب وہ جنگل میں آوارہ و پریشان ہوئے اور پہاڑی اور جنگلی ملک میں دریائی جانوروں کے خول میسر نہ تھے انہوں نے صحرائی جانوروں خصوصاً مینڈھے یا دنبہ یا پہاڑی بکرے کے سینگوں سے جو ٹیڑھے اور پیچ دار ہوتے تھے اور جن میں پھونکنے سے ویسی ہی سخت شدید آواز نکلتی تھی یہ کام لینا شروع کیا صور کے معنی قرن یعنی سینگ کے ہیں۔ بعد اس کے جب زمانہ نے ترقی کرنا شروع کیا تو اُس کو اور اشیا مثل چاندی پیتل اور تانبے وغیرہ سے اور نہایت عجیب و پیچدار طور سے بنانے لگے ✤

توریت سفر خروج باب ۱۰ میں لکھا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت موسٰے کو حکم دیا کہ تو اپنے لئے چاندی کے دو قرنا بنا جب تو اُن دونوں کو بجاوے تو تمام لوگ خیمہ کے دروازہ پر جمع ہو جایا کریں۔ اور جب ایک کو بجاوے تو بنی اسرائیل کے سردار تیرے پاس آجایا کریں۔ اور جب زور سے بجائی جاوے تو جن کے خیمے جانب مشرق ہوں وہ کوچ کرنا شروع کریں اور جب دو دفعہ زور سے بجائی جاوے تو جن کے خیمے جنوب کی جانب ہوں وہ کوچ کرنا شروع کریں۔ اور جب سب کو ایک جگہ ٹھیرانا مقصود ہو تو دھیمی آواز سے بجایا جاوے اگر اپنے ملک میں اپنے دشمن سے جس نے تم پر زیادتی کی ہے لڑنے کو جاؤ تو قرنا کو بہت زور سے بجاؤ اور خوشی کے دنوں میں اور عیدوں کے دن اور ہر مہینہ کے شروع میں قربان گاہوں میں بجایا کرو اور ہارون کی اولاد اُس کو بجایا کرے ✤

یرمیاہ اور عہد عتیق کی اور کتابوں سے پایا جاتا ہے کہ شہروں اور ملکوں سے لڑائی کے

کہدے (اپنے پیغمبر) کہ کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا اُس کو جو نہ ہم کو نفع دے اور نہ ضرر پہنچا سکے اور ہم اپنی ایڑیوں کے بل اُلٹے پلٹیں بعد اس کے کہ خدا نے ہم کو ہدایت کی۔ مثل اُس شخص کے جس کو شیاطین نے مخبوط کر دیا ہوا اور زمین پر حیران رہ گیا ہو۔ اُس کے دوست ہیں اُس کو سیدھی راہ پر بلاتے ہیں کہ ہمارے پاس چلا آ۔ کہدے کہ خدا ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور ہم کو حکم دیا گیا ہے کہ ہم پروردگار عالموں کے مطیع ہوں (۷۰)	قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (۷۰)

ویوم ینفخ فی الصور ففزع من فی السموات ومن فی الارض (۸۹) سورہ یٰسین میں ہے ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون (۵۱) سورہ زمر میں ہے ونفخ فی الصور فصعق من فی السموات ومن فی الارض (۶۸) سورہ ق میں ہے ونفخ فی الصور ذلك یوم الوعید (۱۹) سورہ الحاقہ میں ہے فاذا نفخ فی الصور نفخة واحدة (۱۳) سورہ نبا میں ہے یوم ینفخ فی الصور فتاتون افواجا (۱۸) سورہ مدثر میں ہے فاذا نقر فی الناقور فذلك یومئذ یوم عسیر (۸) ✤

اس میں کچھ شبہ نہیں کہ تمام آیتیں قیامت کے حال سے متعلق ہیں اور ان میں اس دن کا ذکر ہے جب کہ تمام دنیا اُلٹ پلٹ اور درہم برہم ہو جاویگی مگر ابو عبیدہ کا قول ہے کہ صور جمع صورۃ کی ہے اور اُس سے مراد مردوں میں روح پھونکنے سے ہے اگر اس رائے کو تسلیم کیا جاوے تو ان آیتوں میں سے اکثر جگہ صور کے لفظ کے متعارف معنوں کے لینے کی ضرورت باقی نہیں رہتی مگر ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ان سب آیتوں میں صور کے لفظ سے وہی آلہ مراد ہے جس کو بھونپو۔ نرسنگھا۔ سنکھ۔ ترئی۔ قرنا۔ ترم۔ بگل۔ کہتے ہیں اور جس میں پھونکنے سے نہایت سخت و شدید آواز نکلتی ہے ✤

تاریخ کے تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ نہایت قدیم زمانہ میں یعنی حضرت موسےٰ کے وقت سے بھی پیشتر لڑائی کے لئے لوگوں کے جمع کرنے کو آگ جلانے کا رواج تھا پہاڑوں پر اور اونچے مقامات پر آگ جلاتے تھے اور گویا وہ پیغام تھا کہ سب آکر جمع ہو گویا وہ علامت حشر لشکر کی تھی اب بھی بعض بعض پہاڑی قوموں میں یہ رسم پائی جاتی ہے ✤

لڑائی کے میدان میں غولوں کے کسی خاص طرف جمع کرنے یا حملہ کے لئے محشور کرنے کا حکم پہنچانے میں دقت پڑتی ہو گی معلوم ہوتا ہے کہ مصریوں نے اس کام کے لئے مشعلوں کا جلانا اور

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ (٦٩)

اور چھوڑ دے اُن لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل و تماشا کر رکھا ہے اور دنیا کی زندگی نے اُن کو دھوکا دیا ہے اور نصیحت کر ساتھ اس کے کہ ہلاکت میں پڑیگی ہر ایک جان بسبب اُس کے جو کمایا ہے، نہیں ہے اس کے لئے سوائے خدا کے کوئی دوست اور نہ کوئی بخشوانے والا اور اگر بدلا دیوے کتنا ہی بدلا تو اس سے کچھ نہیں لیا جاویگا، وہی لوگ ہیں جو ہلاکت میں پڑے ہیں بسبب اُسکی جو انہوں نے کمایا ہے اُن کے لئے ہے پینا کھولتے ہوئے پانی کا اور عذاب دکھ دینے والا بسبب اس کے کہ وہ کفر کرتے تھے (٦٩)

ملائک کی بحث میں ہم نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ملائکہ کا اطلاق انہی قوتوں پر ہوا ہے جو خدا نے انسان میں اور اپنی دیگر مخلوقات میں پیدا کئے ہیں نہ کسی ایسے جسم پر جو خارج از انسان پیدا ہوا ہو پس حفظہ کا موصوف محذوف خواہ ملائکہ کو قرار دو خواہ قوٰی کو دونوں صورتوں میں مطلب واحد ہے ؎

(٧٢) (وھو الذی) اس آیت میں جس بات پر غور کرنی ہے وہ یہ ہے کہ "کن فیکون" سے کیا مراد ہوتی ہے۔ امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ خدا کا جو یہ قول ہے کہ کن فیکون نہ تو اس سے مراد کسی کی طرف خطاب کرنا ہے اور نہ حکم دینا ہے اس لئے کہ اگر یہ امر معدوم چیزوں کے لئے ہو تو وہ محال ہے اور اگر موجود چیزوں کے لئے ہو تو موجود چیزوں کو کہنا ہوگا کہ موجود ہو جاؤ اور یہ بھی محال ہے بلکہ اُس سے مراد جتلانا ہے کہ خدا کی قدرت اور خواہش تمام کائنات کے ہونے اور موجودات کے ایجاد پانے میں نافذ ہے"۔

لیس المراد بقوله کن فیکون خطاب و امر لان ذلك الامر ان کان للمعدوم فهو محال و ان کان الموجود فهو امر بان یصیر الموجود موجودا وهو محال بل المراد منه التنبیه علی نفاذ قدرته ومشیته فی تکوین الکائنات و ایجاد الموجودات (تفسیر کبیر)

پس جو لوگ کہ یہ سمجھتے ہیں کہ ان لفظوں کے لغوی معنی ہی مراد ہیں یہ اُن کی غلطی ہے اور اس امر کے محقق ہونے میں کہ۔ خدا جو کرتا ہے اُسی قانون قدرت کے مطابق کرتا ہے جو اس نے اُن چیزوں کے موجود ہونے کے لئے بنایا ہے۔ کچھ تخلل واقع نہیں ہوتا ؎

(٧٣) (ینفخ فی الصور) یہ مضمون قرآن مجید میں بہت جگہ بہ تبدل الفاظ آیا ہے سورہ انعام میں ہے یوم ینفخ فی الصور (٧٣) سورہ کہف میں ہے و نفخ فی الصور فجمعناهم جمعا (٩٩) سورہ طٰہٰ میں ہے یوم ینفخ فی الصور و نحشر المجرمین یومئذ زرقا (١٠٢) سورہ مومنون میں ہے

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور جب تو اُن لوگوں کو دیکھے کہ بیہودہ طرح سے جھگڑتے ہیں ہماری نشانیوں میں تو اُن سے اعراض کر یہاں تک کہ جھگڑنے لگیں اُس کے سوا اور کسی بات میں اور اگر تجھ کو شیطان بھلا دیوے تو مت بیٹھ یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ ﴿۶۷﴾ اور جو لوگ پرہیزگار ہیں کسی چیز کا اُن پر اُن کا (یعنی کافروں کے کاموں کا) ذمہ نہیں ہے ولیکن نصیحت کر دینا ہے تا کہ وہ پرہیزگاری کریں ﴿۶۸﴾

ہے یا وہ یوں ہی خالی بیٹھے رہتے ہیں +

مفسرین کو اس آیت میں ایک اور بڑی مشکل پیش آئی ہے - قرآن مجید میں آیا ہے " اللہ یتوفی الانفس حین موتہا " اور ایک جگہ فرمایا ہے " ھو الذی خلق الموت والحیاۃ " پس ان آیتوں سے اس بات پر نص صریح ہے کہ انسان کو مار ڈالنے والا خود خدا ہے پھر ایک جگہ فرمایا ہے کہ " قل یتوفاکم ملک الموت " اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ملک الموت انسان کی روح قبض کرتا ہے - اور اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو فرشتے انسان پر متعین ہیں وہ انسان کو مار ڈالتے ہیں - ان سب باتوں پر نہایت لمبی لمبی بحثیں ہمارے علما نے لکھی ہیں جن کے اعادہ کی گنجایش ہماری اس تفسیر میں نہیں ہے مگر یہ سب خیالات ہیں جو مفسرین نے حسب عادت پیدا کئے ہیں قرآن مجید ایسے دور از کار خیالات سے پاک ہے - اگرچہ قرآن مجید میں حفظہ کا موصوف محذوف ہے اور مفسرین نے ملائکہ کو موصوف محذوف قرار دیا ہے مگر ہم کو اس بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ملائکہ کے وجود سے ہم کو انکار نہیں ہے جس قدر اختلاف ہے وہ صرف اُن کی حقیقت و ماہیت کی نسبت ہے اور علے الخصوص قرآن مجید میں جو لفظ ملائک و ملائکہ آیا ہے اُس کی مراد کی نسبت ہے جس کو ہم متعدد جگہ بیان کر چکے ہیں پس ہم بھی ملائکہ ہی کو اُس کا موصوف محذوف تسلیم کرتے ہیں مگر ملائک حفظہ کوئی جداگانہ مخلوق انسان سے نہیں ہے اور نہ ملائک قتلہ جداگانہ مخلوق ہیں بلکہ جو قوٰے کہ انسان میں خدا نے پیدا کئے ہیں اور جو باعث حیات انسان ہیں وہی ملائک حفظہ ہیں اور جب موت آتی ہے تو وہی قوٰے اپنے مختل ہو جاتے ہیں کہ انسان مرجاتا ہے اور اسی فطرت انسانی کا اس آیت میں خدا تعالے نے ذکر کیا ہے +

چار طبع مخالف و سرکش ۔۔۔ چند روزے بوند باہم خوش
چوں یکے زیں چہار شد غالب ۔۔۔ جان شیریں برآید از قالب

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (۶۶)	اور جھٹلایا اُس کو تیری قوم نے حالانکہ وہ سچ ہے کہدے کہ میں نہیں ہوں تم پر وکیل ہر چیز کے قرار پانے کے لئے وقت ہے اور قریب ہے کہ تم جانو گے (۶۶)

صدرہ للاسلام ومن یرد ان یضلہ یجعل صدرہ ضیقا حرجا کانما یصعد فی السماء کذلک یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یومنون (الانعام آیت ۱۲۵)۔ لئے (یعنی سیدھی راہ پر چلنے کے لئے) کھول دیتا ہے اور جس کو خدا گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اُس کے دل کو تنگ اور ایسا دق کر دیتا ہے کہ سیدھی بات کے اختیار کرنے کو آسمان پر چڑھنے سے بھی زیادہ مشکل سمجھتا ہے اسی طرح خدا اُن پر بُرائی ڈالتا ہے جو ایمان نہیں لاتے ،، ان آیتوں میں خدا تعالےٰ نے ہدایت پانے یا گمراہ ہونے کو اپنا فعل قرار دیا ہے اس کا سبب یہ ہے کہ خدا جو فاعل حقیقی ہے ہمیشہ تمام چیزوں کو جو ظہور میں آتی ہیں اپنی طرف نسبت کرتا ہے اسی طرح ان آیتوں میں بھی انسان کے فطرتی افعال کو اپنی طرف نسبت کیا ہے مگر درحقیقت یہ بیان انسان کی فطرت کا ہے اور بس +

(۶۱) (ویرسل علیکم حفظۃ) اس آیت کی تفسیر میں ہمارے علما نے عجیب باتیں لکھی ہیں۔ اول تو اُنہوں نے اس آیت کے ان لفظوں سے ،، ویرسل علیکم حفظۃ ،، اور قرآن مجید کی اور آیتوں کے ان الفاظ سے ،، معقبات بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ ،، اور ان الفاظ سے ،، ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید ،، اور ان الفاظ سے ،، وان علیکم لحافظین کراما کاتبین ،، یہ قرار دیا ہے کہ ہر انسان کے ساتھ انسان سے خارج اُس کے نگہبان فرشتے متعلق ہیں جو ملائک حفظہ کے نام سے موسوم ہیں +

مگر اسی آیت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ،، حتی اذا جاء احدکم الموت توفتہ رسلنا ،، تو اس پر یہ بحث پیش آئی کہ یہ فرشتے مار ڈالنے والے وہی حفظہ ہیں جو اخیر کو قتلہ ہو گئے یا اُن سے علیحدہ ہیں۔ بعضوں کا یہ قول ہے کہ یہ قتلہ وہی حفظہ ہیں اور اکثر قول ہے کہ نہیں قتلہ حفظہ سے علیحدہ ہیں اور اسی قول کو راجح قرار دیا ہے +

اس کے بعد جو اس آیت میں یہ الفاظ ہیں کہ ،، ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق ،، یہ قرار دیا ہے کہ جب انسان مر جاتا ہے تو یہ قتلہ فرشتے بھی مر جاتے ہیں اور خدا کے پاس لیجائے جاتے ہیں اور بعضوں نے کہا کہ فرشتے نہیں لیجائے جاتے بلکہ آدمی جو مرتے ہیں وہ لیجائے جاتے ہیں۔ مگر کسی مفسر نے یہ نہیں لکھا کہ اگر یہ حفظہ وقتلہ فرشتے جو ہر ایک انسان پر متعین ہیں اگر وہ بھی انسان کے ساتھ نہیں مرتے تو پھر کیا کیا کرتے ہیں خدا تعالےٰ اُن کو کسی اور خدمت پر معین کرتا

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾	کہدے کہ وہ قادر ہے اس بات پر کہ تم پر عذاب بھیجے ایک عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے (یعنی آفت سماوی یا ارضی) یا تم کو ہمسر گروہوں میں کردے اور مزا چکھاوے تمہارے ایک گروہ کو دوسرے کی لڑائی کا، دیکھ کس طرح ہم بیان کرتے ہیں نشانیوں کو تاکہ وہ سمجھیں ﴿۶۵﴾

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ انبیا پر ایمان لانا بسبب ظہور معجزات باہرہ کے ہوتا ہے مگر یہ خیال محض غلط ہے انبیاء علیہم السلام پر یا کسی ہادیٔ باطل پر ایمان لانا بھی انسانی فطرت میں داخل اور قانون قدرت کے تابع ہے۔ بعض انسان از روے فطرت کے ایسے سلیم الطبع پیدا ہوتے ہیں کہ سیدھی اور سچی بات اُن کے دل میں بیٹھ جاتی ہے وہ اُس پر یقین کرنے کے لئے دلیل کے محتاج نہیں ہوتے باوجودیکہ وہ اس سے مانوس نہیں ہوتے مگر اُن کا وجدان صحیح اُس کے سچ ہونے پر گواہی دیتا ہے اُن کے دل میں ایک کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اُس بات کے سچ ہونے پر اُن کو یقین دلاتی ہے۔ یہی لوگ ہیں جو انبیاے صادقین پر صرف اُن کا وعظ و نصیحت سُنکر ایمان لاتے ہیں نہ معجزوں اور کرامتوں پر۔ اسی فطرت انسانی کا نام شارع نے ہدایت رکھا ہے مگر جو لوگ معجزوں کے طلبگار ہوتے ہیں وہ کبھی ایمان نہیں لاتے اور نہ معجزوں کے دکھانے سے کوئی ایمان لاسکتا ہے خود خدا نے اپنے رسول سے فرمایا کہ "اگر تو زمین میں ایک سرنگ ڈھونڈ نکالے یا آسمان میں ایک سیڑھی لگالے تب بھی وہ ایمان نہیں لانے کے" اور ایک جگہ فرمایا کہ "اگر ہم کاغذوں پر لکھی ہوئی کتاب بھی بھیجدیں اور اُس کو وہ اپنے ہاتھوں سے بھی چھولیں تب بھی وہ ایمان نہیں لانے کے اور کہینگے یہ تو علانیہ جادو ہے" پس ایمان لانا صرف ہدایت (فطرت) پر منحصر ہے جیسے کہ خدا نے فرمایا "اللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم"۔

ہادیٔ باطل پر جو لوگ ایمان لاتے ہیں اُن کے دل میں بھی غالباً اسی قسم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اُس کا سبب کبھی اُن کی فطرت ہوتی ہے جو کجی کی طرف مائل ہے سیدھی طرف مائل ہی نہیں ہوتی اور اسی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے "من یشاء اللہ یضللہ ومن یشاء یجعلہ علی صراط مستقیم" (الانعام) اور اکثر یہ ہوتا ہے کہ دین آبائی کا اور سوسیٹی کا ایسا بوجھ اُن کی طبیعتوں پر ہوتا ہے کہ سیدھی بات کے دل میں آنے کی جگہ ہی نہیں رہتی اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ مختلی بالطبع ہو کر اُس بات پر غور نہیں کرتے اور اسی کی طرف خدا نے اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے کہ "فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح" "جس کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت کرے اُس کا دل اسلام کے

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾	کہ کون تم کو نجات دیتا ہے جنگلوں اور دریاؤں کے اندھیروں سے پکارتے ہو اُس کو گڑگڑا کر اور چپکے سے کہ اگر ہم کو ان سے نجات دیگا تو بیشک ہم شکر کرنے والوں میں ہونگے ﴿۶۳﴾ کہہ کہ اللہ تم کو ان سے نجات دیتا ہے اور ہر سختی سے پھر تم شرک کرتے ہو ﴿۶۴﴾

ہم کو اب تک معلوم ہیں اگر اُس کا وقوع کسی معلوم قانون قدرت کے مطابق ہم کو معلوم ہُوا تو ہم اُس کو اُس کی طرف منسوب کرینگے معتقدین معجزہ و کرامت امر مذکورہ پر غور و فکر کئے بغیر اُس کو معجزہ یا کرامت قرار دینگے +

اور اگر کوئی قانون قدرت اُس کے وقوع یا ظہور کا ہم کو معلوم نہ ہو تو چونکہ ہم کو قرآن مجید نے یقین دلایا ہے کہ تمام امور موافق قانون قدرت کے واقع ہوتے ہیں ہم یہ کہینگے کہ ضرور اس کے لئے بھی کوئی قانون قدرت ہے جو ہم کو معلوم نہیں ہے۔ اور معتقدین معجزہ و کرامات بغیر مذکورہ بالا خیال کے اُس کو معجزہ یا کرامت قرار دینگے اور اس صورت میں صرف نزاع لفظی یا اصطلاحی یا عقلی و بے عقلی باقی رہ جاتی ہے +

ہماری سمجھ میں کسی شخص میں معجزے یا کرامت کے ہونے کا یقین کرنا ذات باری کی توحید فی الصفات پر ایمان کو ناقص و ناکمل کر دینا ہے اور اُس کا ثبوت پیر پرست و گور پرست لوگوں کے حالات سے جو اس وقت بھی موجود ہیں اور صرف معجزہ و کرامت کے خیال نے اُن کو پیر پرستی و گور پرستی کی رغبت دلائی ہے اور خدائے قادر مطلق کے سوا دوسرے کی طرف اُن کو رجوع کیا ہے اور منتیں ماننا اور نذر و نیاز چڑھانا اور اُن کے نام کے نشانات بنانا اور جانوروں کی بھینٹ دینا سکھایا ہے بخوبی حاصل ہے۔ اسی وجہ سے ہمارے سچے ہادی محمد رسول اللہ نے اور ہمارے سچے خدا وحدہٗ لاشریک نے صاف صاف معجزات کی نفی کر دی تاکہ توحید کامل بندوں کو حاصل ہو اور بندے خدا پر اس طرح یقین لاویں کہ لا اله الا الله هو واحد فی ذاته لا شريك له - لا اله الا الله هو واحد فی صفاته لا مثل ولا شبيه ولا شريك له لا اله الا الله هو المستحق للعبادة لا شريك له وهذا اكمل الايمان بالله ولهذا قال الله تعالى لحبيبه محمد رسول الله اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا - والحمد لله الذی وهب لی هذا الایمان ایمانا کاملا و اطمئن قلبی بما الهمنی ربی والصلوة على محمد واله +

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ (۶۱) ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ (۶۲)

وہی زبردست ہے اوپر اپنے بندوں کے اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان یہاں تک کہ جب آتی ہے تم میں سے ایک کو موت تو اُس کو مار ڈالتے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے اور وہ تقصیر نہیں کرتے (۶۱) پھر وہ لیجائے جاتے ہیں اللہ کے پاس جو اُنکا مالک ہے برحق اُسی کے لئے حکم ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والوں میں ہے (۶۲)

ہیں اور اگر علماے متقدمین اس بات کے منکر ہوں کہ معجزہ و کرامت کا وقوع خلاف قانون قدرت ہوتا ہے یا خلاف قانون قدرت بھی ہوسکتا ہے تو بلاشبہ وہ ہم سے اور ہم اُن سے بالکل مختلف ہیں ✦

حکماء و فلاسفہ نے معجزات یا کرامات کا انکار کسی وجہ سے کیا ہو مگر ہمارا انکار صرف اس بنا پر نہیں ہے کہ وہ مخالف عقل کے ہیں اور اس لئے اُن سے انکار کرنا ضرور ہے بلکہ ہمارا انکار اس بنا پر ہے کہ قرآن مجید سے معجزات و کرامات یعنی ظہور امور کا بطور خرق عادت یعنی خلاف فطرت یا خلاف جبلت یا خلاف خلقت یا خلاف قدر التی قدرھا اللہ کے امتناع پایا جاتا ہے جس کو ہم مختصر لفظوں میں یوں تعبیر کرتے ہیں کہ کوئی امر خلاف قانون قدرت واقع نہیں ہوتا اور اس لئے معجزات و کرامات سے جب کہ اُن کے معنوں میں غیر مقید ہونا قانون قدرت کا مراد لیا جاوے تو انکار کرتے ہیں اور اگر اُن کے مفہوم میں یہ بھی داخل کیا جاوے کہ وہ مطابق قانون قدرت کے واقع ہوتے ہیں تو صرف نزاع لفظی باقی رہ جاتی ہے کیونکہ جو امر کہ واقع ہوا اور جس شخص کے ہاتھ سے واقع ہوا اُس کو ہم دونوں تسلیم کرتے ہیں مگر وہ اُس کا معجزہ یا کرامت نام رکھتے ہیں ہم اُس کا یہ نام نہیں رکھتے ✦

اس اختلاف کا نتیجہ تشریح مندرجہ ذیل سے بخوبی واضح ہوگا - ایک عجیب امر جو عام طور پر نہیں ہوا کرتا کسی پیغمبر یا ولی سے منسوب ہوا یا کسی پیغمبر کے زمانہ میں ہونا بیان ہوا - تو اوّل ہم اُس کے فی الحقیقت واقع ہونے کا ثبوت تلاش کرینگے اور غالباً معتقدین معجزہ و کرامت بھی اس میں مختلف نہ ہونگے ہاں شاید انجام کو اس بات میں اختلاف ہو کہ اُن کے نزدیک اُس کے وقوع کا کافی ثبوت ہو اور ہمارے نزدیک نہ ہو لیکن بغرض تسلیم اُس کے ثبوت کے ہم دونوں اُس کے وقوع میں متفق ہونگے ✦

اُس کے بعد ہم غور کرینگے کہ اُس کا وقوع آیا کسی قانون قدرت کے مطابق ہوا ہے جو

معیّن پھر اُسی کے پاس تم کو پھر جانا ہے پھر تم کو بتلاویگا جو کچھ تم کرتے تھے (۶۰)	مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ (۶۰)

نہیں اِس لئے کہا جا سکتا ہے کہ دراصل شاہ صاحب بھی ہمارے اصول کے موافق منکرین معجزات سے ہیں اُنہوں نے تفہیمات میں لکھا ہے کہ " بیشک مقامات نفس الامر کے متفاوت ہیں اُن میں سے

ان مواطن نفس الامر متفاوتة منها موطن الاسباب فيه العلة والمعلول فقط والسبب والمسبب فحسب ومن المحقق عندنا انه لم يترك الاسباب قط ولن يترك ولن تجد لسنة الله تبديلا انما المعجزات والكرامات امور اسبابية غلب عليه السبوغ فبائت سائر الاسبابات (تفہیمات)	مقام اسباب ہے اور اُس مقام میں فقط علت و معلول کا سلسلہ ہے اور صرف سبب اور مسبب کا اور ہمارے نزدیک یہ بات محقق ہے کہ اسباب کبھی نہیں چھوٹتے اور نہ چھوٹینگے اور نہ کبھی تو پاویگا اللہ کی سنت میں ادل بدل ہونا۔ اس کے سوا اور کوئی بات نہیں ہے کہ معجزے اور کرامتیں امور اسبابیہ ہیں (یعنی اسباب پر مبنی ہیں) مکمل ہونا اُن پر غالب ہوگیا ہے اس لئے تمام اور اسبابات سے جدا ہو گئے ہیں + غرضکہ ہم نے معجزہ وکرامت کے مفہوم میں اس امر کو داخل کیا ہے کہ اُس کا وقوع خلاف قانون قدرت ہو

اور اسی اصول پر معجزہ وکرامت سے انکار کیا ہے۔ مشرکین عرب بھی اسی قسم کے معجزے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے طلب کرتے تھے جن سے جا بجا قرآن مجید میں انکار ہوا ہے۔ لیکن اگر وقوع خلاف قانون قدرت کو مفہوم معجزہ سے خارج کر دیا جاوے اور امورات اتفاقیہ یا نادر الوقوع پر جو قانون قدرت کے مطابق واقع ہوتے ہیں معجزہ کا اطلاق کیا جاوے تو ایسی حالت میں صرف اصطلاح قرار دینے کا اختلاف ہوگا اور جو اصطلاح ہم نے قرار دی ہے اُس کے مطابق اُس پر معجزہ وکرامت کا اطلاق نہ ہوگا +

تمام فرق اسلامیہ معجزات کو حق بیان کرتے ہیں اور سوائے معتزلیوں اور اُستاد ابو اسحاق اسفرائنی کے جو اہل سنت وجماعت میں سے ہیں تمام فرقے کرامات اولیا کے بھی قائل ہیں اور شیعہ صرف دوازدہ امام علیہم السلام میں حصر کرامت کرتے ہیں معتزلے اس وجہ سے کرامات کے منکر ہیں کہ اگر اولیا سے بھی کرامتیں ہوں تو اُس میں اور معجزہ میں کچھ تمیز باقی نہیں رہتی اور پھر معجزہ ثبوت نبوت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ لیکن محققین علما معجزوں کا بیان اس طرح پر کرتے ہیں کہ گویا اُن کا وقوع قانون قدرت کے مطابق ہوا ہے پس اگر میرا یہ خیال صحیح ہو تو میں کہ سکتا ہوں کہ تمام علمائے فرق اسلامیہ اس مسئلہ میں میرے ساتھ متفق ہیں اور صرف اصطلاح کا فرق ہے اور جس اصطلاح مقررہ کے مطابق ہم نے معجزات وکرامات کا انکار کیا ہے وہ سب بھی اُس کے منکر

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ	وہ وہ ہے جو مار ڈالتا ہے تم کو (یعنی سُلا دیتا ہے) رات میں اور جانتا ہے جو کمایا ہے تم نے دن میں پھر تم کو اُٹھاتا ہے اُس میں (یعنی دن میں) تاکہ پورا کیا جاوے وقت

قربتِ سکینہ کی وہ باتیں کھلجاتی ہیں جو اوروں کو نہیں کھلتیں پس ایسا شخص باعث ہوتا ہے بعض حوادث کے انکشاف کا اور سبب ہوتا ہے استجابت دعا اور ظہور برکات کا" ٭

برکت کے معنی شاہ صاحب نے یہ بتلائے ہیں کہ جس شے پر برکت دیجاوے یا تو اُس کا نفع زیادہ ہو جاوے مثلاً تھوڑی سی فوج دشمن کے خیال میں بہت سی معلوم ہونے لگے اور وہ بھاگ جاوے یا تھوڑی غذا میں طبیعت تصرف کر کے ایسا خلط صالح پیدا کرے کہ اُس سے دوچند غذا کھانے کی برابر ہو یا خود وہ شے ہی بسبب منقلب ہو جانے مادہ ہوائی کے بشکل اُس شے کے زیادہ ہو جاوے ٭

اس تمام بیان میں شاہ صاحب مغفور نے اُس امر کے ظہور کو قانون قدرت کے ماتحت کرنا چاہا ہے ہیں پس جب کہ وہ قانون قدرت کے ماتحت ہے اور متخیلہ تھوڑی فوج کو بہت تصور کر سکتا ہے اور طبیعت قلیل غذا سے کثیر غذا کا فائدہ دیسکتی ہے اور مادہ ہوائی بالفرض کوئی شے بن جا سکتا ہے تو وہ نفس انسانی کے خاصوں میں سے ایک خاصہ ہے شخصی دون شخص پر موقوف نہیں ہے اور اس لیئے کسی کا معجزہ نہیں ہو سکتا ٭

دوسری صورت جو شاہ صاحب نے لکھی ہے وہ الہامات اور احالات اور تقریبات کی قسم سے ہے اور جب کہ یہ نہیں بیان کیا کہ وہ الہامات و احالات و تقریبات بمقتضائے فطرت انسانی نہیں ہیں تو اُنھوں نے اُن سب کو داخل فطرت انسانی سمجھا ہے اور جب وہ فطرت انسانی میں داخل ہیں تو قانون قدرت کے ماتحت ہیں اور اس لیئے معجزہ قرار نہیں پا سکتے ٭

تیسری صورت تو نہایت ضعیف ہے اُس کا نتیجہ یہ ہے کہ دو امروں کا جن کا وقوع موافق قانون قدرت کے ہوتا ہے ایک دوسرے کے متصل واقع ہونا معجزہ ہے ۔ مثلاً ایک شخص مرگیا اور اُسی کے قریب سورج گہن لگا یا ایک پیغمبر کو لوگوں نے ستایا اور اُس کے بعد کوئی واقعہ مثل طوفان یا وبا کے واقع ہوا پس پچھلے واقعہ کا اقتران پہلے واقعہ کے ساتھ معجزہ ہے حالانکہ یہ تمام امور وہ ہیں جو قانون قدرت کے موافق واقع ہوتے رہتے ہیں اور اُن کا اقتران کسی واقعہ کے ساتھ صرف اتفاقی ہے اور وہ بھی مطابق قانون قدرت کے ہیں بموجب اُس اُصول کے جس کی بنا پر ہم نے معجزہ و کرامت سے انکار کیا ہے اُس اصول کے مطابق شاہ ولی اللہ صاحب بھی معجزہ و کرامت کے منکر ہیں شاہ صاحب نے اس سے بھی زیادہ وضاحت سے ایک جگہ تفہیمات میں تمام معجزات کو اسباب پر مبنی کیا ہے اور جب وہ اسباب مبنی ہیں تو تابع قانون قدرت ہیں اور جب تابع قانون قدرت ہیں تو معجزہ

اور اُس کے پاس غیب کی کُنجیاں ہیں اُن کو کوئی نہیں جانتا بجز اُس کے اور وہ جانتا ہے جو کچھ جنگل میں ہے اور دریا میں اور نہیں گرتا کوئی پتہ مگر کہ وہ اُس کو جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں اور نہ کوئی رطب اور نہ کوئی یابس مگر وہ ہے بیان کرنے والی کتاب میں (یعنی علم الٰہی) میں (۵۹)	وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ (۵۹)

ہونے کے تین سبب ہوتے ہیں۔ اول یہ کہ وہ شخص جس سے معجزہ ہوا مفہمین میں سے ہے کیونکہ اُس کا ایسا ہونا باعث ہوتا ہے بعض حوادث کے انکشاف کا اور سبب ہوتا ہے استجابتِ دعا اور ظہور برکات کا۔ دوم یہ کہ ملاء اعلےٰ اُس کے حکم بجالانے کو موجود ہوا اور اُس کو الہام اور احالات اور تقریبات ہوتے ہوں جو پہلے نہ ہوتے تھے پس وہ اپنے احباب کی مدد کرتا ہے اور دشمنوں کو مخذول کرتا ہے اور خدا کا حکم ظاہر ہوتا ہے اگرچہ کافر اُس کو ناپسند کرتے ہوں۔ تیسرے یہ کہ دنیا میں جو واقعات بوجہ اپنے خارجی اسباب کے ہوتے ہیں اور آسمان و زمین کے بیچ میں جو حوادث ظہور پاتے ہیں خدا تعالےٰ اُنہی کو کسی وجہ سے اُس کا معجزہ قرار دیدے (انتہےٰ)+

تعریف معجزہ و کرامات میں جب لفظ "خرق عادت" کو جس کے معنی بجز خلاف قانون قدرت کے اور نہیں ہو سکتے جیسے کہ ہم نے اوپر تشریح کی ہے محفوظ رکھا جاوے تو یہ تینوں صورتیں جو شاہ صاحب نے بیان فرمائی ہیں داخل معجزہ و کرامات نہیں ہو سکتیں+

پہلی صورت میں شاہ صاحب نے مفہمین سے کسی امر کا ظاہر ہونا معجزہ یا کرامت قرار دیا ہے۔ مفہمین کے معنی اُنہوں نے یہ لکھے ہیں کہ اُن کا ملکہ نہایت اعلےٰ ہو ممکن ہو کہ وہ ایک بہت بڑے نظام مطلق کے قایم کرنے کو سچے دعوے سے برانگیختہ ہوں اور اُن پر ملاء اعلےٰ سے علوم اور احوال الٰہیہ کی بھوار پڑتی ہو۔ معتدل المزاج ہوں اُن کی شکل و صورت درست اور خُلق اچھا ہو اُن کی رائے میں اضطراب و عدم استقلال نہ ہو نہ اُن میں بے انتہا کی ذکاوت ہو جس سے کلی سے جزئی تک اور مغز سے پوست تک رسنہ نہ ہو اور نہ ایسے سخت غبی ہوں کہ جزئی کلی تک اور پوست سے مغز تک نہ پہنچ سکیں سب سے زیادہ سنت کے پابند ہوں نہایت عابد ہوں معاملات میں لوگوں کے ساتھ ٹھیک ہوں عام بھلائی کی تدبیروں کو درست رکھتے ہوں نفع عام میں شوق رکھتے ہوں بلا سبب کسی کو نہ ستاویں ہمیشہ عالم غیب کی جانب متوجہ رہیں اُس کا اثر اُن کے کلام سے اُن کے مُنہ سے ظاہر ہوتا ہو اور اُن کی تمام شان سے معلوم ہوتا ہو کہ موید من الغیب ہیں اُن کو ادنےٰ ریاضت

لے قال الرازی۔ زدلک الکتاب المبین ہو علم اللہ تعالےٰ لاغیر وھذا ہو الاصوب (تفسیر کبیر)+

کہدے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کے لئے تم جلدی کرتے ہو تو البتہ اس امر کا مجھ میں اور تم میں فیصلہ ہو جاتا اور اللہ جاننے والا ہے ظالموں کو (۵۸)	قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ (۵۸)

اور ایک جگہ فرمایا " قل کل یعمل علی شاکلته (سورہ اسری آیت ۸۶) ای علی طریقة التی جبل علیها یعنی ہر ایک اُسی طریقہ پر عمل کرتا ہے جو اُس کی جبلت میں بنایا گیا ہے۔ پس کسی کا مقدور نہیں ہے کہ جو قانون قدرت خدا نے بنایا ہے اُس کے برخلاف کوئی کر سکے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ خدا جو ہر چیز پر قادر ہے اور جس نے خود قانون قدرت بنایا ہے وہ کیوں نہیں اگر چاہے تو اُس کے برخلاف کر سکتا۔ بلا شبہ خدا قادر مطلق ہے اگر وہ چاہے تو تمام دنیا کو اور تمام قانون قدرت کو معدوم کر کے اور ہی دنیا اور ہی قانون قدرت پیدا کر دے مگر جو قانون قدرت کہ وہ بنا چکا ہے اُن کی صداقت کے لئے ضرور ہے کہ اُن میں تبدیل نہ ہو یا اُن میں تبدیل نہ کرے۔ اور اُس سے اُس کی قدرت کاملہ میں کچھ نقصان نہیں آتا۔ جیسے کہ جو وعدہ خدا نے کیا ہے اُس کے برخلاف نہیں کرتا اور اُس کے سبب سے اُس کی قدرت کاملہ میں کوئی نقصان لازم نہیں آتا۔

ہاں یہ بات سچ ہے کہ تمام قوانین قدرت ہم کو معلوم نہیں ہیں اور جو معلوم ہیں وہ نہایت قلیل ہیں اور اُن کا علم بھی پورا نہیں ہے بلکہ ناقص ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جب کوئی عجیب واقعہ ہو اور اُس کے وقوع کا کافی ثبوت بھی موجود ہو اور اُس کا وقوع معلومہ قانون قدرت کے مطابق بھی نہ ہو سکتا ہو اور یہ بھی تسلیم کر لیا جاوے کہ بغیر دھوکا و فریب کے فی الواقع واقع ہوا ہے تو یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ بلا شبہ اس کے وقوع کے لئے کوئی قانون قدرت ہے مگر اُس کا علم ہم کو نہیں کیونکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ خلاف قانون قدرت کوئی امر نہیں ہوتا اور جب وہ کسی قانون قدرت کے مطابق واقع ہوا ہے تو وہ معجزہ نہیں کیونکہ ہر شخص جس کو وہ قانون معلوم ہو گیا ہو گا اُس کو کر سکیگا۔

یہ کہنا کہ پیغمبر یا کسی بزرگ کی دعا یا اُن کا ارادہ جن کو ایک خاص راہ خدا کے ساتھ ہے اُس کے وقوع کے لئے قانون قدرت ہے تسلیم نہیں ہو سکنے کا اس لئے کہ اُس کے ثبوت کے لئے یا تو یہ لازم ہوگا کہ جب وہ بزرگ کسی امر کے لئے دعا یا ارادہ کریں تو ہمیشہ واقع ہو جایا کرے اور کم سے کم یہ کہ وہی خاص امر جو واقع ہوا ہے اُس کے وقوع اور اُن کی دعا میں لزوم ہو اور اگر یہ نہیں ہے (جیسے کہ معتقدین معجزہ و کرامات بھی اس کے قائل نہیں ہیں) تو وہ قانون قدرت بھی نہیں ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں تحت باب حقیقۃ النبوۃ وخواصها " لکھا ہے کہ معجزات اور استجابت دعا اصل نبوت سے خارج ہیں گو اکثر اس کو لازم ہے (جب اکثر کا لفظ استعمال کیا ہے تو لزوم کے کچھ معنی نہیں رہتے) بعد اس کے وہ فرماتے ہیں کہ بڑے بڑے معجزوں کے ظاہر

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾	کہدے کہ بیشک میں اپنے پروردگار کے پاس سے صریح دلیل رکھتا ہوں اور تم نے اُس کو جھٹلایا میرے پاس وہ چیز نہیں ہے جس کی تم جلدی کرتے ہو نہیں ہے حکم مگر اللہ کو بیان کرتا ہے سچ کو اور وہ بہت اچھا فیصلہ کرنے والا ہے ﴿۵۷﴾

علاوہ اس کے ان میں سے ایک مثال تو ابھی واقع ہی نہیں ہوئی باقی مثالوں کی نسبت ثبوت باقی ہے کہ وہ اسی طرح واقع ہوئی تھیں جس طرح کہ مثال میں پیش ہوئی ہیں اور اگر بالفرض اسی طرح واقع ہوئی تھیں تو اُن میں یہ تحقیق باقی ہے کہ آیا وہ اس استدلال کی مثالیں ہوسکتی ہیں یا آنکہ وہ بلا کسی بسیط کے اور بغیر کسی احالہ کے اور بغیر کسی الہام کے صرف مطابق عام قانون قدرت کے واقع ہوئی تھیں ❖

پس جب تک کہ خرق عادت کے دوسرے معنی یعنی خلاف قانون قدرت کے نہ لئے جاویں اُس وقت تک کسی واقع کا وقوع بطور معجزہ و کرامت کے تسلیم نہیں ہوسکتا۔ مگر ہم اس کے انکار پر مجبور ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے ہم کو صاف صاف بتلایا ہے کہ جو قانون قدرت اُس نے بنا دیا ہے اُس میں کسی طرح تبدیل نہیں ہوسکتی نہ خدا اُس میں کبھی تبدیل کرتا ہے اور نہ تبدیل کریگا۔ خدا کا بنایا ہوا قانون قدرت اُس کا عملی وعدہ ہے کہ اسی طرح ہوا کریگا پھر اگر اُس کے برخلاف ہو تو خلف وعدہ اور کذب خدا کی ذات پاک پر لازم آتا ہے جس سے اُس کی ذات پاک بری ہے ❖

خدا نے فرمایا ہے کہ "انا کل شئ خلقناہ بقدر (سورۂ قمر آیت ۴۹) یعنی ہم نے ہر چیز کو ایک اندازہ پر پیدا کیا ہے۔ اور فرمایا ہے " وکل شئ عندہ بمقدار (سورۂ رعد آیت 9) یعنی ہر چیز خدا کے نزدیک ایک اندازہ پر ہے تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازی نے لکھا ہے " فمعناہ بقدر وحد لا یجاوزہ ولا ینقص عنہ " یعنی اُس کے معنی یہ ہیں کہ ایک اندازہ اور ایک حد پر کہ نہ اُس سے بڑھتی ہے نہ کم ہوتی ہے۔ اور فرمایا ہے " وخلق کل شئ فقدرہ تقدیرا (سورۂ فرقان آیت ۲) یعنی اللہ نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا پھر مقرر کیا اُس کا ایک اندازہ " اور یہی اندازہ قانون قدرت ہے ❖

دوسری جگہ خدا نے فرمایا ہے لا تبدیل لخلق اللہ (سورہ روم آیت ۲۹) یعنی اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے لئے بدل جانا نہیں ہے۔ اور ایک جگہ فرمایا کہ " فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا " (سورہ ملائکہ آیت ۴۱ و ۴۲) یعنی تو ہرگز نہیں پانے کا اللہ کی سنت میں ادل بدل ہونا اور نہ پاویگا تو اللہ کی سنت میں اُلٹ جانا۔ اور اسی طرح فرمایا ہے " سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا " (سورۂ فتح آیت ۲۳)

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾	کہدے کہ بیشک مجھ کو منع کیا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو خدا کے سوا تم پکارتے ہو۔ کہدے کہ میں تابعداری نہیں کرتا تمہاری خواہشوں کی، بیشک میں گمراہ ہو جاؤنگا اُس وقت اور نہ ہونگا میں ہدایت پائے ہوؤں میں سے ﴿۵۶﴾

اُن میں رکھا ہے یکے بعد دیگرے واقع ہوتے رہتے ہیں پس کسی امر کے بعد کسی واقعہ یا حادثہ ارضی و سماوی کا ظاہر ہونا کسی طرح معجزہ میں شامل نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس کا ظہور اُسی عادت پر ہوتا ہے جو خدا تعالےٰ نے قانون قدرت کے بموجب اُس میں رکھی ہے ❖

بعض عالموں نے کہا ہے کہ جو معجزات اور کرامتیں انبیا اور اولیا سے ظہور میں آتی ہیں وہ بغیر موجود ہونے اسباب کے ظہور میں نہیں آتیں مگر خدا تعالےٰ بسبب اپنی مہربانی کے جو اُن بزرگوں پر رکھتا ہے فی الفور اُس کے ظہور کے اسباب مہیا کر دیتا ہے کیونکہ وہ اسباب مہیا کرنے پر قادر ہے کما قیل "اذا اراد الله شیئًا ھیئا اسبابه" بعضوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا تعالےٰ کو کسی چیز کے پیدا کرنے کے لئے اُس کے اسباب کے مہیا کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے" ان الله علےٰ کل شیٔ قدیر۔ اذا اراد شیئًا ان یقول له کن فیکون"۔ ہاں یہ سب سچ ہے مگر وہ اُن سب چیزوں کو اُسی طرح پر کرتا ہے جو اُس نے قانون قدرت کا قاعدہ بنایا ہے۔ اور ان الفاظ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اُس قانون قدرت کے قاعدہ کے برخلاف کرتا ہے ❖

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں بہ تحت باب الابداع والخلق والتدبیر اول تو اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ خدا نے جو خاصیت جس چیز میں رکھی ہے اُس کو نہیں بدلتا جیسا قال " و جرت عادۃ الله تعالےٰ ان لا تنفك الخواص عما جعلت خواص لها۔ مگر اس کے بعد کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے بلحاظ تدبر عالم کے اور شر کے رفع ہونے کے اُن خواص یعنی خاصیتوں میں قبض و بسط و احالہ اور الہام سے تصرف کرنا بندوں پر مقتضائے رحمت کا قرار دیا ہے۔ قبض کی مثال اُنہوں نے یہ دی ہے کہ جب دجال آویگا تو ایک مسلمان کو قتل کرنا چاہیگا اور باوجود آلہ قتل کے درست ہونے کے وہ قتل نہ ہو سکیگا !!۔ بسط کی مثال اُنہوں نے یہ دی ہے کہ زمین پر پاؤں مارنے سے خدا نے حضرت ایوب کے لئے ایک چشمہ پیدا کر دیا جس میں نہانے سے اُن کے بدن میں جو بیماری تھی جاتی رہی !!!۔ احالہ کی مثال یہ دی ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیم پر آگ کو ٹھنڈی ہوا کر دیا !!۔ اور الہام کی مثال میں کشتی کے توڑنے اور لڑکے کے مار ڈالنے اور دیوار بنانے کا قصہ لکھا ہے !! ❖

مگر یہ استدلال صحیح نہیں ہے اول تو اس کے لئے کہ اس کے ثبوت پر کوئی دلیل نہیں ہے

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾	اور اسی طرح ہم نشانیوں کو بیان کرتے ہیں اور تاکہ ظاہر ہوجاوے راہ گنہگاروں کی ﴿۵۵﴾

دوسرے یہ کہ سپرنیچرل ہو یعنی خارج از قانون قدرت یعنی اللہ تعالےٰ نے جو قاعدہ اور قانون وقوع واقعات اور ظہور حوادث کا مقرر کیا ہے اور عادت اللہ اُسی کے مطابق جاری ہے اُس کے برخلاف وقوع میں آوے *

پہلے معنوں پر بطور اصطلاح یا مجاز کے خرق عادت کا اطلاق کیا جانا ممکن ہے مگر حقیقۃً اُس پر خرق عادت کا اطلاق نہیں ہوسکتا اس لئے کہ اُس کا وقوع بھی اُس کے اسباب کے اجتماع پر منحصر ہے اور عادت میں داخل ہے نہ خرق عادت میں کیونکہ جب اُس کے اسباب جمع ہوجاوینگے تو یکساں طریقہ پر اُس کا وقوع ہوگا گو کہ کیسا ہی نادر الوقوع ہو *

مثلاً عادت یہ ہے کہ جب شیشہ ایک بلندی سے جس سے اُس کو پورا صدمہ پہنچے ہاتھ سے چھوٹ پڑتا ہے تو ٹوٹ جاتا ہے ایک دفعہ ہمارے ہاتھ سے شیشہ چھوٹ پڑا اور نہ ٹوٹا تو ظاہر میں خرق عادت ہوئی مگر حقیقت میں خرق عادت نہیں ہے اس لئے کہ اُس کے گرنے پر یا تو وہ اسباب جمع نہ تھے جن سے اُس کو ٹوٹنے کے لایق صدمہ پہنچتا یا ایسے اسباب موجود تھے جنہوں نے اس کو اس قدر صدمہ پہنچنے سے باز رکھا پس اُس کا نہ ٹوٹنا درحقیقت موافق عادت کے ہے نہ بطور خرق عادت کے کیونکہ جب اس طرح کے اسباب جمع ہوجاوینگے تو کوئی شیشہ بھی ہاتھ سے چھوٹ کر گرنے سے نہیں ٹوٹنے کا *

یا مثلاً ایک شخص نے ایک شخص کو آنکھ بھر کے دیکھا اور وہ بیہوش ہوگیا یا اُس نے بہرے کے کے کانوں میں اُنگلیاں ڈالدیں یا اندھے کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور وہ بہرا سُننے اور وہ اندھا دیکھنے لگا پس اگر اس کا سبب کوئی ایسی قوت ہے جو انسانوں میں موجود ہے اور اُسی قوت کی قوت سے اُس نے یہ کام کیا ہے تو اُس پر خرق عادت کا اطلاق نہیں ہوسکتا کیونکہ جو انسان اپنی اُس قوت کو کام میں لانے کے لایق کریگا وہ بھی ویسا ہی کردیگا پس یہ بات حقیقۃً کچھ خرق عادت نہ ہوئی بلکہ عین عادت ہوئی *

علاوہ اس کے اگر ہم مجازاً ایسے واقعات پر خرق عادت کا اطلاق بھی کریں تو وہ معجزہ کی تعریف میں داخل نہیں ہوسکتا کیونکہ معجزے یا کرامات کو انبیا اور اولیا کے ساتھ مخصوص ہونا لازم ہوگا مگر جب اُن واقعات کا وقوع اجتماع اسباب پر منحصر ٹھیرا تو اُس کی تخصیص بشخصٍ دُون شخصٍ باقی نہیں رہتی *

واقعات اور حادثات ارضی و سماوی موافق اُس قانون قدرت کے جو خدا تعالےٰ نے

وَإِذَا جَآءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۵۴﴾	اور جس وقت تیرے پاس وہ لوگ آویں جو ہماری نشانیوں پر ایمان لائے ہیں تو تُو کہ سلامتی ہو تم پر تمہارے پروردگار نے لکھ لی ہے اپنے آپ پر رحمت کہ جو کوئی تم میں سے نادانستہ بُرا کام کرے پھر اُس کے بعد توبہ کرے اور اچھے کام کرے تو بیشک وہ بخشنے والا ہے رحم والا ﴿۵۴﴾

ہے اُس کی مَیں تم کو تلقین کرتا ہوں۔ صلے اللہ علےٰ محمد خاتم النبیین وحبیب رب العالمین ✦

ہم نے سورہ بقر کی تفسیر میں اس بات پر بحث کی ہے کہ معجزہ اگر فی نفسہ کوئی شے ہو تب بھی وہ مثبت نبوت نہیں ہوسکتا اور اب اس مقام پر نفس معجزہ سے بحث کرنا چاہتے ہیں مگر جب تک لفظ معجزہ کی تعریف اور مراد نہ متعین ہو جاوے اُس وقت تک اس پر بحث نہیں ہوسکتی ✦

علامہ سید شریف نے شرح مواقف میں لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک معجزہ وہ چیز ہے جس سے مدعئ رسالت کی تصدیق ہو جاوے اور گو وہ امر بطور خرق عادت کے نہ ہو " اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مثلاً کسی شخص نے مدعئ رسالت سے کہا کہ اس وقت مینہ برس جاوے تو مَیں تم کو نبی برحق مانونگا چنانچہ بادل آیا اور مینہ برسنے لگا۔ سید شریف کے قول کے مطابق یہ مینہ برسنا معجزہ ہوُا۔ مگر اس پر کوئی دلیل نہیں ہے کہ اس طرح پر متصل یا متعاقب واقع ہونا دو قدرتی واقعوں کا سوا سچے نبی کے اور کسی سے یا مدعی کاذب سے ظہور میں نہیں آسکتا ✦

المعجزة عندنا مایقصد به تصدیق مدعی الرسالة وان لم یکن خارقًا للعادة (شرح مواقف)

علاوہ اس کے تمام علماے اسلام نے معجزہ کی تعریف میں اُس کا خارق عادت ہونا ضروری سمجھا ہے اور خود سید شریف بھی جب کہ یہ فرماتے ہیں کہ "گو وہ خارق عادت نہ ہو" تو وہ بھی معجزات کا خارق عادت ہونا تسلیم کرتے ہیں صرف خارق عادت ہونا لازمی نہیں قرار دیتے ✦

عادت سے مراد یہ ہے کہ ایک کام ہمیشہ ایک طرح پر ہوتا رہتا ہو اور اُس کے اسباب بھی یکساں طریقہ پر جمع ہوتے رہتے ہوں اور جب وہ اسباب جمع ہو جاویں بلا تفاوت اُس امر کا ظہور ہو ✦

خرق عادت کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔ اول یہ کہ جو امر ہمیشہ بطور عادت مستمرہ کے یکساں طور پر ہوتا رہتا ہے اور بطور عادت مالوفہ کے ہوگیا ہے اُس کے برخلاف کوئی امر وقوع میں نہ آوے۔ مثلاً آسمان پر سے خون کے مشابہ کوئی شے برسے یا پتھر کا ٹکڑا گرے گو کہ ایسا ہونے کے لئے کوئی سبب امور طبعی میں سے ہو ✦

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

اور اسی طرح ہم نے فتنہ میں ڈالا ہے بعض کو بسبب بعض کے کہ کہتے ہیں کیا ہم میں سے یہی لوگ ہیں جن پر خدا نے انعام کیا ہے۔ کیا خدا نہیں ہے جاننے والا شکر کرنے والوں کو ﴿۵۳﴾

یا تیرے لئے کوئی مزین گھر ہو، یا تو آسمان پر چڑھ جاوے، اور ہم تو تیرے منتر پر ہرگز ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ ہم پر ایسی کتاب اُترے جو ہم پڑھ لیں،، مگر باوجود اس قدر اصرار کے جو کافروں نے معجزوں کے طلب میں کیا اور بغیر ایسے معجزوں کے ایمان لانے سے شدید انکار کیا اُس پر بھی خدا نے اپنے پیغمبر سے یہی فرمایا کہ ،، تو اُن سے کہدے کہ پاک ہے میرا پروردگار میں تو کچھ نہیں ہوں مگر ایک انسان بھیجا ہوا یعنی رسول،، +

ایک اور جگہ ہے کہ ،، کافروں نے کہا ،، کیوں نہیں اُتاری گئیں اُس پر یعنی پیغمبر پر نشانیاں لولا انزل علیہ آیات من ربہ قل انما یعنی معجزے اُس کے جواب میں خدا نے پیغمبر سے الآیات عند اللہ وانما انا نذیر مبین۔ کہا کہ تو یہ کہدے کہ بات یہ ہے کہ نشانیاں یعنی (سورہ عنکبوت آیت ۴۹) + معجزے تو خدا کے پاس ہیں اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ میں تو علانیہ ڈرانے والا ہوں +

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس جو افضل الانبیاء والرسل ہیں معجزہ نہ ہونے کے بیان سے ضمناً یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء سابقین علیہم السلام کے پاس بھی کوئی معجزہ نہیں تھا اور جن واقعات کو لوگ معجزہ (متعارف معنوں میں) سمجھتے تھے درحقیقت وہ معجزات نہ تھے بلکہ وہ واقعات تھے جو مطابق قانون قدرت کے واقع ہوئے تھے۔ خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اس بات کو کھول دیا اور چھپا لگا نہیں رکھا اس کا اصلی سبب یہ ہے کہ بڑا جزو اسلام کا جس کے سبب اُس کو خطاب ،، الیوم اکملت لکم دینکم ،، کا ملا اور جس کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہونے وہ صرف تکمیل تلقین توحید ذات باری کی ہے جو توحید ثلاثہ میں منحصر ہے یعنی توحید فی الذات۔ توحید فی الصفات۔ توحید فی العبادت۔ انبیاء علیہم السلام میں معجزات کا (علی المعنی المتعارفہ) یا اولیاء اللہ میں کرامات کا یقین کرنا (گو کہ اعتقاد کیا جاوے کہ خدا ہی نے وہ قدرت یا صفت اُن میں دی ہے) توحید فی الصفات کو ناتکمل کر دیتا ہے۔ کوئی عزت اور کوئی بزرگی اور کوئی تقدس اور کوئی صداقت اسلام کی اور بانئے اسلام کی اس سے زیادہ نہیں ہوسکتی جو اس نے بغیر کسی لاؤ لپیٹ کے اور بغیر کسی دھوکا دینے کے اور بغیر کسی کرشمہ و کرتوت کا دعوے کرنے کے صاف صاف لوگوں کو بتا دیا کہ معجزے تو خدا کے پاس ہیں میں تو مثل تمہارے ایک انسان ہوں خدا نے میرے دل میں جو وحی ڈالی

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (۵۲)	اور نہ نکالدے (اپنے پاس سے) اُن لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے پروردگار کو صبح و شام طلبگاری کرتے ہیں اپنے پروردگار کے مُنہ (یعنی اُس کی ذات پاک) کی نہ تجھ پر اُن کے حساب میں سے کچھ ہے اور نہ تیرے حساب میں سے اُن پر کچھ ہے کہ تو اُن کو نکالدے پھر ہووے تو ظالموں میں سے (۵۲)

تھے کہ اگر یہ پیغمبر ہیں تو کیوں نہیں اُن کے پاس فرشتے آتے کیوں نہیں اُن کے پاس خزانہ اُتارا گیا۔ کبھی کہتے تھے کہ یہ تو عام انسانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں بازاروں میں پڑے پھرتے ہیں یعنی انسانوں سے زیادہ کوئی بات ان میں نہیں ہے۔ کبھی آسمان سے پتھر برسوانے چاہتے تھے۔ کبھی آسمان کا ٹکڑا ٹوٹ کر گرنے کی خواہش کرتے تھے +

وحدانیت ثلاثہ کا ایک رکن جو توحید فی الصفات ہے اُس کی تکمیل کے لئے اس قسم کے خیالات کا مٹانا ضرور تھا اس لئے جا بجا قرآن مجید میں معجزات کی نفی آئی ہے خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ "لوگوں سے کہدے کہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ مَیں انسان ہوں مثل تمہارے، مجھ کو وحی دی گئی ہے کہ یہی ٹھیک بات ہے کہ تمہارا خدا ایسے واحد ہے" اور

قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الھکم الٰہ واحد (سورہ کھف ایت ۱۱۰) +

دوسری جگہ یہ حکم دیا کہ "لوگوں سے کہہ دے کہ مَیں مالک نہیں ہوں اپنے لئے کسی نفع یا ضرر کا بجز اُس کے کہ جو چاہے اللہ اور اگر مَیں غیب کا عالم ہوتا تو مَیں بھلائیوں کو بکثرت حاصل کرلیتا اور بُرائی مجھ کو چھوتی بھی نہیں، مَیں تو اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں ڈرانے والے اور خوشخبری دینے والے کے سوا اور کچھ نہیں ہوں +

قل لا املک لنفسی نفعا ولا ضرا الا ما شاء اللہ ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یؤمنون (سورۃ اعراف ایت ۱۸۸) +

کافروں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزے طلب کئے اور صاف صاف کہا کہ ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہیں لانے کے جب تک کہ تو زمین پھاڑ کر ہمارے لئے چشمے نکالے، یا تیرے پاس کھجور و انگور کا باغ ہو جس کے بیچ میں تو بہتی ہوئی نہریں نکالے زور سے بہتی ہوئی یا تو ہم پر جیسا کہ تو سمجھتا ہے آسمان کے ٹکڑے ڈالے، یا خدا اور فرشتوں کو اپنے ساتھ لا دے،

وقالوا لن نؤمن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعا او تکون لک جنۃ من نخیل وعنب فتفجر الانھار خلالھا تفجیرا او تسقط السماء کما زعمت علینا کسفا او تاتی باللہ والملائکۃ قبیلا او یکون لک بیت من زخرف او ترقی فی السماء ولن نؤمن لرقیک حتی تنزل علینا کتابا نقرؤہ قل سبحان ربی ھل کنت الا بشرا رسولا (سورہ بنی اسرائیل آیت ۹۲-۹۵) +

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور ڈرا اُس (وحی) سے اُن لوگوں کو جو ڈرتے ہیں کہ اکٹھے کئے جاوینگے اپنے پروردگار کے پاس کہ نہیں ہے اُن کے لئے سوائے اُس کے یعنی (پروردگار کے) کوئی دوست اور نہ کوئی سفارش کرنے والا تاکہ وہ پرہیزگاری کریں ﴿۵۰﴾

(یعنی اوتار) یقین کیا جاتا ہے اور کم سے کم یہ ہے کہ اُس میں ایسے اوصاف اور کرامتیں اور معجزے تسلیم کئے جاتے ہیں جن سے نوع انسان سے اُس کو برتری حاصل ہو معمولی واقعات اور حادثات کو جو قانون فطرت کے مطابق واقع ہوتے رہتے ہیں جب اُس کی طرف منسوب ہوتے ہیں تو وہ اُس کی کرامت اور معجزہ قرار پاتے ہیں مثلاً اگر ایک عام آدمی کسی کو بددعا دے کہ تجھ پر بجلی گرے اور اتفاق سے وہ بجلی سے مارا جاوے تو کسی کو کچھ خیال بھی نہ ہو لیکن اگر وہ بددعا کسی ایسے شخص نے دی ہو جس کے تقدس کا خیال لوگوں کے دلوں میں ہو تو اُس کی کرامت یا معجزہ سے منسوب ہو جاتی ہے۔ بہت سی باتیں ہوتی ہیں کہ اُن لوگوں سے جن کے تقدس کا خیال ہوتا ہے اسی طرح سرزد ہوتی ہیں جیسے کہ عام انسانوں سے مگر مقدس لوگوں سے سرزد ہونے کے سبب اُن کی قدر و منزلت زیادہ کی جاتی ہے اور معجزے و کرامات کے درجہ پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ انسان میں بعضی ایسی قوتیں ہیں جو خاص طریقہ مجاہدہ سے قوی ہو جاتی ہیں اور کسی میں بمقتضائے خلقت قوی ہوتی ہیں اور اُن سے ایسے امور ظہور پاتے ہیں جو عام انسانوں سے جنہوں نے ان قوتوں کو قوی نہیں کیا ہے ظہور نہیں پاتے حالانکہ وہ سب باتیں اسی طرح ہوتی ہیں جس طرح کہ اور امور بموجب مقتضائے فطرت انسانی واقع ہوتے ہیں مگر وہ بھی اُن مقدس شخصوں کے معجزے و کرامات شمار ہوتے ہیں۔ بہت عجیب باتیں افواہاً ایسے بزرگوں کی نسبت مشہور ہو جاتی ہیں جن کی درحقیقت کچھ اصل نہیں ہوتی مگر لوگ اُن بزرگوں کے تقدس کے خیال سے ایسے مؤثر ہوتے ہیں کہ اُسکی اصلیت کی تحقیق کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور بے تحقیق اُس پر یقین کر لیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ انبیائے سابقین علیہم السلام کے تمام واقعات کو لوگوں نے ایسے طور پر بیان کیا ہے جن کا واقع ہونا ایک عجیب طریقہ سے ظاہر ہو اور پھر اُنہیں کو اُن کے معجزے قرار دئے ہیں اور بعضی ایسی باتیں منسوب کی ہیں جن کا کچھ ثبوت نہیں۔ انہی غلط خیالات کے سبب لوگوں نے انبیا علیہم السلام سے انکار کیا ہے چنانچہ قوم نوح قوم عاد قوم ثمود نے انبیا کے انکار کرنے کی یہی وجہ بیان کی ہے کہ" ان انتم الا بشر مثلنا "پس انہی غلط خیالات کی وجہ تھی کہ مشرکین عرب بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے معجزوں کے طلبگار ہوتے تھے۔ کبھی یہ کہتے

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾	کہدے (اے پیغمبر) کہ نہ میں تم کو یہ کہتا ہوں کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب کی بات جانتا ہوں اور نہ میں تم کو یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں نہیں پیروی کرتا مگر اُس کی جو وحی دیگئی ہے مجھ کو۔ کہدے کہ کیا اندھے اور آنکھوں سے دیکھنے والے برابر ہیں پھر کیا تم غور نہیں کرتے ﴿۵۰﴾

میں پھیلادیا (انتہٰی)*

یہ مضمون شاہ ولی اللہ صاحب کا قریب قریب ایسے مضمون کے ہے جو اس زمانہ کے لوگوں کے خیال میں ہے اور جن کو ہمارے زمانہ کے علما اور مقدس لوگ کافر و ملحد اور مرتد و زندیق کہتے ہیں گو کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وماجاء بہ پر بھی یقین رکھتے ہوں مگر نہیں معلوم کہ وہ لوگ شاہ ولی اللہ صاحب کو کیا کہتے ہیں جو اس بات کے قائل ہیں کہ انبیا عبادات میں بھی کوئی نئی چیز نہیں لائے بہرحال شاہ صاحب نے جو محض دنیاوی امور کو بھی مذہب یا شریعت میں شامل کرلیا ہے ہم اُس کو تسلیم نہیں کرتے۔ دین جیسا کہ اوپر بیان ہوا مرور ایام سے تبدیل نہیں ہوسکتا۔ لیکن دنیاوی معاملات وقتاً فوقتاً تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور وہ کسی طرح ابدی خدا کی جانب سے صورت خاص کے محکوم نہیں ہوسکتے۔ اگر یہ کہو کہ جب اصول اُن کے محفوظ ہیں تو حوادث جدید کے احکام علمائے اسلام جو کانبیاء بنی اسرائیل ہیں استنباط کرسکینگے۔ تو ہم یہ کہینگے کہ علما و قوہین یہود کے اور قسیس و رہبان عیسائی مذہب کے بھی علم میں کچھ کم درجہ نہیں رکھتے تھے اگر اُنہوں نے دنیاوی احکام میں غلطی کی تو کیا وجہ ہے کہ یہ غلطی نہ کرینگے اور اگر دنیاوی احکام بھی داخل نبوت ہیں تو کیا وجہ ہوگی کہ اُن کی غلطیوں کی وجہ سے تو انبیاء کے مبعوث ہونے کی ضرورت ہو اور ان کی غلطی کے سبب نہ ہو۔ خصوصاً ایسی صورت میں کہ توریت مقدس میں جس قدر دنیاوی امور کا تذکرہ ہے اُس کا عُشر عشیر بھی قرآن مجید میں نہیں ہے*

یہ مباحث نہایت طویل ہیں اور یہ مقام اُن سب کے بیان کی گنجائش نہیں رکھتا مگر اس تمام بحث سے یہ نتیجہ حاصل ہوا کہ انسانوں میں بموجب فطرت انسانی کے کوئی نہ کوئی اُن کا ہادی ہوجاتا ہے اگر خدا نے اُس کو فطرت کامل اور وحی اکمل عطا فرمائی ہے تو وہ سچا ہادی ہوتا ہے جس کی نسبت خدا نے فرمایا ہے "لکل قوم ھاد" پس جو گروہ کسی شخص کو دین و شریعت کا ہادی سمجھتی ہے اُس کی بزرگی و تقدس کا اعتقاد بھی اعلےٰ درجہ پر رکھتی ہے جس کا نتیجہ موافق فطرت انسانی کے یہ ہوتا ہے کہ انسانوں سے اُس کو برتر درجہ دیا جاتا ہے یہاں تک کہ ابن اللہ یا محیط ذات الہ

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾	اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو چھوئیگا اُن کو عذاب بہ سبب اس کے کہ وہ فاسق تھے ﴿۴۹﴾

ادل بدل کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں بلکہ ضرور ہے کہ لوگوں کو اُسی پر قایم رہنے کے لئے برانگیختہ کیا جاوے اور اس باب میں اُن کی تصویب کی جاوے اور اُس کی خوبیاں بتلائی جاویں اور اگر وہ مطابق نہ ہوں اور اُن کے ردو بدل کی حاجت ہو کیونکہ وہ دوسروں کو ایذا پہنچاتی ہیں یا لذاتِ دنیا میں ڈال دیتی ہیں اور نیکی سے باز رکھتی ہیں اور دین دنیا سے بے فکر کر دیتی ہیں اُس وقت بھی کوئی ایسی بات نہیں نکالی جاتی جو بالکل اُن کے مالوفہ امور کے برخلاف ہو بلکہ جو اگلی مثالیں اُن لوگوں کے ہاں ہیں اور جو پچھلے لوگ اُن لوگوں کے نزدیک گذرے ہیں اُن کی طرف اُن کو پھیرا جاتا ہے اور جب وہ اُس طرف مائل ہوتے ہیں تو اُن کو ٹھیک بات بتائی جاتی ہے اور اُن کی عقلیں اُس کو نامقبول نہیں کرتیں بلکہ اُن کے دلوں کو طمانیت ہو جاتی ہے کہ یہی سچ ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ انبیا علیہم السلام کی شریعتیں مختلف ہیں۔ جو لوگ راسخ فی العلم ہیں جانتے ہیں کہ شرع میں درباب نکاح اور طلاق اور معاملات اور زیب و زینت اور لباس اور انفصال مقدمات اور حدود اور لوٹ کے مال کی تقسیم کے کوئی ایسی بات نہیں آئی ہے جو اس وقت کے لوگ اُس کو نہ جانتے ہوں یا اُس کے کرنے سے تردد میں پڑ جاویں جب اُس کے کرنے کا حکم ہو۔ ہاں یہ ہوا ہے کہ جس میں جو خرابی تھی وہ درست کر دی گئی اور غلط کو صحیح کر دیا۔ اُن لوگوں میں سود خوری بہت تھی اُس کو منع کر دیا۔ وہ پھل آنے سے پہلے صرف پھول آنے پر میوہ بیچ ڈالتے تھے اور پھر اس میں جھگڑا ہوتا تھا اُس کو منع کر دیا۔ دیت یعنی خون بہا عبد المطلب کے وقت میں دس اونٹ تھے پھر قوم نے دیکھا کہ قتل سے باز نہیں رہتے تو سو اونٹ دیت کر دئے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسی کو قایم رکھا پہلے پہل مال غنیمت کی تقسیم ابی طالب کے حکم سے ہوئی اور رئیس قوم کے لئے بھی حصہ قرار پایا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خمس جاری کیا۔ شاہان فارس یعنی قباد اور اُس کے بیٹے نوشیرواں نے خراج اور عشر لوگوں پر مقرر کیا تھا شرع میں بھی یہی قرار دیا گیا۔ بنی اسرائیل زنا کے جرم میں رجم کرتے تھے چوروں کے ہاتھ کاٹتے تھے (یہودیوں میں ہاتھ کاٹنے کی رسم نہ تھی بلکہ عرب میں تھی) جان کے بدلے جان مارتے تھے قرآن میں بھی یہی حکم نازل ہوا (رجم قرآن میں نہیں ہے) اور اسی طرح کی بہت سی مثالیں ہیں جو تلاش کرنے والے سے مخفی نہیں ہیں۔ بلکہ اگر تو فطین یعنی پوری سمجھ کا ہے اور تمام احکام کے مراتب پر محیط ہے تو تو یہ بھی جانیگا کہ انبیاء علیہم السلام عبادات میں بھی اُس کے سوا جو قوم کے پاس تھا بعینہٖ اُس کی نظیر کے اور کچھ نہیں لائے لیکن اُنہوں نے جاہلیت کی تحریفات کو دور کر دیا اور جو مبہم تھا اُس کو اوقات و ارکان کے ساتھ ضبط کر دیا اور جو ٹھیک تھا اُس کو لوگوں

اور ہم نہیں بھیجتے پیغمبروں کو مگر بشارت دینے والے اور ڈرانے والے پھر جو کوئی ایمان لایا اور اچھے کام کئے پھر اُن کو کچھ ڈر نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے (۴۸)	وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (۴۸)

قصہ تابیر نخل اور یہ الفاظ کہ "انتم اعلم بامور دنیاکم" اور یہ حدیث کہ "من احدث فی امرنا ھذا مالیس منه فھو رد" ایک بہت بڑی دلیل ہماری اس مدعا پر ہے *

تمام رسومات و عادات اور طریقے جو انسانوں میں بمقتضائے اُن کی فطرت کے قایم ہوجاتے ہیں وہ متعدد اقسام پر منقسم ہیں *

اول - جو خدا کی ذات وصفات سے متعلق ہیں یعنی اُس قوت اعلٰے کے وجود سے جس کو انسانوں نے بمقتضائے اپنی فطرت کے تسلیم کیا ہے *

دوم - اُس کی عبادت کے طریقوں سے جو لوگوں نے بمقتضائے فطرت انسانی اُس کے لئے قرار دئیے ہیں اور یہی امور وہ ہیں جن پر دین کا اطلاق ہوتا ہے *

سوم - وہ امور ہیں جو تہذیب نفس انسانی سے علاقہ رکھتے ہیں اور جن کو نوع انسانی نے بطور بدیہیات کے حسن یا قبیح قرار دے رکھا ہے مثلاً زنا - قتل سرقہ کذب وغیرہ کہ تمام نوع انسان کے نزدیک قبیح ہیں گو کہ کسی فرقہ نے زنا یا قتل و سرقہ و کذب کی حقیقت قرار دینے میں غلطی کی ہو - یا جیسے صداقت رحم ہمدردی کہ تمام نوع انسانی کے نزدیک حسن ہیں گو کہ کسی سے اُس کی حد صحیح طور پر بیان نہ ہوسکی ہو - اُنہی امور سہ گانہ کی نسبت جو طریقے قرار پاتے ہیں اُن کا نام شریعت ہے *

چہارم - وہ امور ہیں جو محض دنیاوی امور سے تعلق رکھتے ہیں وہ نہ دین ہیں اور نہ انبیا کو من حیث النبوۃ اُن سے کچھ تعلق ہے - اسی میں وہ تمام مسائل بھی داخل ہیں جو علوم وفنون اور تحقیقات حقایق اشیاء سے علاقہ رکھتے ہیں گو کہ انبیا نے اُن امور کا ذکر اُس طرز یا الفاظ میں کیا ہو جس طرح پر اُس زمانہ کے لوگوں کا یقین یا اُن کی معلومات تھی *

شاہ ولی اللہ صاحب نے اس مبحث کی زیادہ تفصیل کی ہے اور بہت اچھی کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ وہ چیز جو انبیا اس باب میں قاطبۃً خدا کے پاس سے لاتے ہیں وہ یہ ہے کہ دیکھا جاوے کہ کھانے پینے اور لباس اور مکان بنانے اور زیب وزینت کرنے اور نکاح شادی بیاہ کرنے اور خرید وفروخت کرنے اور گناہ گاروں کے سزا دینے اور تنازعات کے فیصل کرنے میں اُس وقت کے لوگوں میں کیا عادتیں اور رسمیں مروج ہیں پھر اگر وہ سب باتیں عقل کلی کے مطابق ومناسب ہیں تو اُن کے

قُلْ اَرَاَیْتَکُمْ اِنْ اَتٰىکُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ (۴۷)	کہدے (اے پیغمبر) کیا تم نے دیکھا ہے کہ اگر تم پر خدا کا عذاب دفعتًہ یا جتلا کر آوے تو کیا ظالموں کی قوم کے سوا اور کوئی مارے جاوینگے (۴۷)

ہدایت کرنا ہوگا اور جب کہ وہ کامل فطرت سے ہدایت ہوگی تو تمام کامل فطرت رکھنے والے ہادیوں کو اُس میں اختلاف نہ ہوگا اور وہی فطرت اللہ اور دین اللہ ہوگا۔ اور اور امور جو اُس کے متعلق ہیں طریقے یا رسمیں یا مصالح ہونگے جن کو اب ہم شرائع کے نام سے موسوم کرتے ہیں پس تمام انبیا کا جب سے انبیا ہوئے دین واحد تھا اصل دین میں کچھ تفاوت نہ تھا۔ خدا فرماتا ہے "شرع لکم من الدین ما وصّی به نوحا والذی اوحینا الیك وما وصّینا به ابراهیم وموسیٰ وعیسیٰ" (الشوریٰ آیت ۱۱) اور ایک جگہ فرمایا ہے "لکلٍ جعلنا منکم شرعةً ومنهاجا" (مائدہ آیت ۵۲) ✤

بلحاظ اُن فطرتوں کے جو خدا نے انسان میں پیدا کی ہیں شاہ ولی اللہ صاحب بھی اس بات کے قایل ہوئے ہیں کہ انسان[1] کا اُن کو ترک کرنا محال ہے اور وہ بہت سے امور میں ایک ایسے حکیم کے محتاج ہیں جو تمام ضرورتوں سے واقف ہو اور مصالح تدبیر جانتا ہو خواہ بذریعہ فکر و درایت کے خواہ اس طرح پر کہ خدا تعالےٰ نے اُس کی جبلت میں قوت ملکیہ رکھی ہو اور ملاء اعلےٰ سے اُس پر علوم نازل ہوتے ہوں ✤

پھر وہ لکھتے ہیں کہ انسانوں میں جو رسمیں قایم ہو جاتی ہیں اُن میں اکثر بہ سبب قوم کے شریر و دانوں کی نادانی سے خرابیاں پڑ جاتی ہیں اور نفسانی خواہشوں اور شیطانی حرکتوں تک پہنچ جاتی ہیں اور بہت سے لوگ اُس کی پیروی کرنے لگتے ہیں اور اس لئے ایک ایسے شخص کی حاجت ہوتی ہے جو غیب[2] سے مؤید ہو اور مصالح کلیہ کا پابند ہو تاکہ رسومات بد کو مٹا دے اور ایسا شخص مؤید بروح القدس ہوتا ہے ✤

پھر وہ ارقام فرماتے ہیں کہ انبیا کی بعثت اگرچہ در اصل اور بالتخصیص عبادت کے طریقوں کی تعلیم کرنے کے لئے ہوتی ہے مگر بعد کو اُس کے ساتھ رسومات بد کا دُور کرنا بھی شامل ہو جاتا ہے۔ یہ بات ذرا تفصیل طلب ہے اگر شاہ صاحب کی مراد اُن رسوم بد سے ہے جو عبادت اور تہذیب نفس انسانی سے متعلق ہیں تو سلّمنا اور اگر مراد اُن رسوم کی اصلاح سے بھی ہے جو محض دنیاوی امور سے متعلق ہیں تو ہم اُس کو نہیں قبول کر سکتے کیونکہ نبوت کو محض دنیاوی امور سے کچھ تعلق نہیں ہے۔ اور

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب اقامة الا نفاقات واصلاح الرسوم ✤
[2] اگر شاہ صاحب بجائے غیب کے فطرت اللہ کا لفظ استعمال فرماتے تو مطلب بالکل صاف ہو جاتا ✤

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَاَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾	پھر کاٹی گئی جڑ اُس قوم کی جس نے ظلم کیا اور سب تعریف اللہ کے لئے ہے پروردگار عالموں کا ﴿۴۵﴾ کہدے لئے پیغمبر کیا تم نے دیکھا ہے اگر اللہ تمہاری سماعت اور بصارت لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے تو کونسا خدا ہے سوائے اللہ کے کہ تم کو وہ پھر لادے دیکھ کس طرح ہم بیان کرتے ہیں نشانیوں کو پھر وہ پھرے رہتے ہیں ﴿۴۶﴾

اُن لوگوں سے متعلق نہیں ہے جو عموماً مختلف قسم کے علوم وفنون و معارف و مکاسب میں ہادی و پیشوا و رہنما قرار پاتے ہیں۔ بلکہ صرف اُسی ہادی سے متعلق ہے جو تہذیب نفس انسانی کے لئے پیشوا اور ہادی ہوتا ہے +

ایسا ہادی جس میں اس قسم کی ہدایت کی کامل فطرت ہوتی ہے وہی نبی ہوتا ہے اور وہی فطرت، ملکہ نبوت، ناموس اکبر، جبرئیل اعظم، کے لقب سے ملقب کیجاتی ہے۔ وہ کسی بات کو سوچتا ہے اور کچھ نہیں جانتا دفعۃً اس کے دل میں بغیر کسی ظاہری اسباب کے ایک القا ہوتا ہے اور قلب کو ایک صدمہ اُس کے القا سے محسوس ہوتا ہے جیسے کہ اوپر سے کسی چیز کے گرنے سے صدمہ ہوتا ہے یا اس قسم کا ایک انکشاف اُس کے دل پر ہوتا ہے جو سچ مچ وہ جانتا ہے کہ تمام حجاب اُٹھ گئے ہیں اور جس کی میں تلاش میں تھا مثل سپیدۂ دم صبح میرے سامنے موجود ہے شاید مختلف حالات و معاملات میں اوروں کو بھی ایسا ہوتا ہو مگر جب اُس شخص میں دو صفتیں تسلیم کرلی گئی ہیں ایک فطرت کا کامل ہونا اور دوسرے اُس فطرت کا تہذیب نفس انسانی سے مخصوص ہوتا تو لازمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اُس کا وہ القایا وحی خواہ جبرئیل لیکر آیا ہو یا خود وہ ملکہ نبوت ہی اُس میں اور خدا میں ایلچی بنا ہو سچ اور فطرت اللہ کے مطابق ہے۔ اگر بحث رہ جاتی ہے تو اسی قدر رہ جاتی ہے کہ وہ شخص فی الواقع ایسا ہی ہے کہ نہیں +

تہذیب نفس سے بلاشبہ بہت امور متعلق ہونگے لیکن اُن سب میں ضرور کوئی ایسا امر بھی ہوگا جو اصل اصول تہذیب نفس انسانی کا ہو اور وہ اصول بمقتضائے فطرت انسانی وہ ہے جس کو خود انسانی فطرت نے قایم کیا ہے یعنی وجود اعلےٰ اور قوی زبردست وجود کا۔ اس مقام پر ہم اس بحث کو کہ اسی امر کو ہم نے کیوں اصل اصول تہذیب نفس انسانی قرار دیا ہے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ خلط بحث نہ ہو جاوے پھر کسی مقام پر اس سے بحث کرینگے اور اس لئے تسلیم امر مذکورہ کہتے ہیں کہ ضرور اُس ہادی کا سب سے بڑا اور سب سے مقدم کام اُس سب سے اعلےٰ اور سب سے قوی اور سب سے زبردست ہمہ قدرت وجود کی طرف

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾	پھر جب وہ بھول گئے جو ہم نے اُن کو نصیحت کی تھی کھول دیئے ہم نے اُن پر دروازے ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوگئے اُس چیز سے جو اُن کو دی گئی پکڑ لیا ہم نے اُن کو دفعتہً پھر اب وہ نااُمید تھے ﴿۴۴﴾

کرینگے رسم و رواج قایم کرینگے خوشی اور انبساط حاصل کرنے کے سامان مہیا کرینگے اور وہ تمام چیزیں رفتہ رفتہ علم اخلاق و معاشرت کا درجہ حاصل کرینگی +

وہ اس مجمع کی حفاظت کی اور اُس میں انتظام قایم کرنے اور سب کے حقوق محفوظ رہنے کی فکر میں پڑینگے اُس کے لئے قوانین تجویز کرینگے اور اُس کے نفاذ کے لئے کسی کو اپنا سردار بنا دینگے اور رفتہ رفتہ سلیمان کی سی بادشاہت اور عمرؓ کی سی خلافت قایم کرینگے اور وہی قوانین ترقی پاتے پاتے علم سیاست مدن کا رتبہ حاصل کرینگے +

فطرت کے تفاوتِ درجات کے موافق اُنہی میں سے وہ لوگ پیدا ہونگے جن کو شاہ ولی اللہ صاحب نے، کامل، حکیم، خلیفہ، موید بروح القدس، ہادی و مزکی، امام، منذر، نبی، کے لقب سے ملقب کیا ہے اور اس زمانہ کے بے اعتقادوں نے، رفارمر، اُن کا نام رکھا ہے، اور اُنہی کی نسبت خدا نے یہ فرمایا ہے، ''ھوالذی بعث فی الامیین رسولاً منھم'' +

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ بعثت انبیا کا کوئی نہ کوئی سبب ہوتا ہے۔ یا تو یہ ہوتا ہے کہ ایک دولت (یعنی حکومت یا سلطنت) کے ابتدائے ظہور کا اور اُس سے اور دولتوں کے زوال کا وقت آپہنچتا ہے اُس وقت خدا اُس دولت کے لوگوں کے دین کو قایم رکھنے کے لئے کسی کو مبعوث کرتا ہے جس طرح کہ ہمارے سردار محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی۔ (نعوذ باللہ ولیس اعتقادی ہذا) یا خدا تعالےٰ کسی قوم کا بقا اور تمام انسانوں پر اُس کا برگزیدہ کرنا چاہتا ہے اُس وقت کسی کو مبعوث کرتا ہے جو اُن کی کجی کو سیدھا کرے اور کتاب اُن کو سکھائے جس طرح کہ ہمارے سردار موسےٰ علیہ السلام کی بعثت ہوئی۔ یا کسی قوم کے منتظم کرنے کے لئے جس کی دولت و دین کی پائداری قرار پاچکی ہے کسی مجدد کے مبعوث کرنے کی ضرورت ہوتی ہے جیسے کہ داؤد و سلیمان اور تمام انبیاے بنی اسرائیل کی بعثت ہوئی جن کو خدا نے اُن کے دشمنوں پر فتح دی۔ شاہ صاحب نے جو کچھ فرمایا یہ اُن کا استنباط ہے مگر ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے میں یقین کرتا ہوں کہ بعثت انبیاء صرف تہذیب نفسِ انسانی کے لئے ہوتی ہے نہ اور کسی چیز کے لئے +

بہر حال یہ تمام واقعات وہ ہیں جو از روے قاعدۂ فطرت انسان پر گذرتے ہیں اور انسان ہر ایک کام میں کسی نہ کسی کو اپنا ہادی اور پیشوا اور رہنما قایم کرتا ہے۔ اُس وقت ہماری بحث

فَلَوْلَآ إِذْ جَآءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾	پھر کیوں نہ اُنہوں نے عاجزی کی جب کہ اُن کے پاس ہمارا عذاب آیا و لیکن سخت ہو گئے اُن کے دل اور اچھا دکھلایا اُن کو شیطان نے جو کچھ کہ وہ کرتے تھے ﴿۴۳﴾

دال ہوں جس طرح اُس کو مافی الضمیر کے اظہار کی زیادہ ضرورت پیش آتی جاویگی اُن آوازوں کی بھی کثرت اور اُن میں تنوع اور اشتقاق پیدا ہوتا جاویگا رفتہ رفتہ وہ اُس گروہ کی زبان قرار پاویگی اور علم لغت اور علم اشتقاق اور صرف و نحو اور فصاحت و بلاغت سے مالامال ہو جاویگی ❖

وہ سب اپنی زندگی بسر کرنے کے سامان مہیا کرنے کی فکر کرینگے دریاؤں اور ندیوں اور چشموں کے مقامات کو پانی میسر آنے کے لئے تلاش کرینگے اگر وہ ایسا موقع نہ پاوینگے تو زمین کھود کر پانی نکالینگے ایک غریب بیکس عورت بھی اپنے بچہ کے لئے پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر دوڑتی پھریگی - گو کہ چند روز جنگل کی اتفاقیہ پیداوار پر وہ اپنی زندگی بسر کریں مگر غلہ پیدا کرنے پر کوشش کرینگے زمین کو پھاڑینگے اگر کدال میسر نہ ہوگی تو درخت کے سوکھے نوکدار ٹنہ ہی سے بہزار مشقت زمین چیرینگے اور بیج ڈالینگے - بدن ڈھانکنے کی کوشش کرینگے - درختوں کے پتے ہی لپیٹینگے جانوروں کی کھالوں کے تہ بند باندھینگے اپنے کھیت میں دوسرے کو نہ آنے دینگے اپنے غلہ کی حفاظت چرند پرند سے انسان سے ہر طرح پر کرینگے - رفتہ رفتہ زراعت کے قواعد اور حقوق کی بنیاد اور اُس کے قوانین قایم ہو جاوینگے اور جس طرح اُس کو ترقی ہوتی جاویگی اُسی طرح ان سب باتوں میں جو معاش کے ذریعے ہیں ترقی ہوتی رہیگی - یہاں تک کہ انگوری باغ لگاوینگے اور اُس سے شراب بناوینگے اور اُس کو پی کر بدمست ہو جاوینگے ❖

وہ اپنی بود و باش کی فکر کرینگے مکانات بناوینگے کالاکمل نان کریا سرکنڈے اور بانسی جمع کر کے یا اینٹ اور گارہ بنا کر اور اس طرح مجتمع ہو کر گانوں اور قصبے اور شہر آباد کرینگے رفتہ رفتہ اس میں ترقی کرتے جاوینگے یہاں تک کہ قصر حمرا اور محل بیضا اور کرسٹل پیلس اور شیش محل بنا کر اُس میں چین کرینگے ❖

وہ اپنے گھروں کی درستی اور آبادی کی تدبیریں سوچینگے فرزندوں کی خواہش مونس غمگسار کی آرزو کو پورا کرینگے تزوج کے قواعد اولاد کی پرورش کے طریقے اُن کے حقوق اُن کے ساتھ سلوک کے طریقے قرار دینگے جو رفتہ رفتہ ایسی ترقی پاوینگے کہ علوم کا درجہ حاصل کرینگے اور علم تدبیر منزل کے نام سے موسوم ہونگے ❖

وہ اپنے گروہ میں راہ و رسم کے طریقے اخلاق اور دوستی اور محبت اور ہمدردی کے قاعدے ایجاد

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾	بلکہ اُسی کو پکارو گے پھر جس مصیبت کے لئے اُس کو پکارتے ہو اگر چاہے تو دُور کر دیتا ہے اور تم جن کو اُس کا شریک بناتے ہو بھول جاتے ہو ﴿۴۱﴾ اور بیشک ہم نے بھیجا تجھ سے پہلے لوگوں کے پاس پھر ہم نے اُن کو پکڑا عذاب اور مصیبت سے شاید کہ وہ عاجزی کریں ﴿۴۲﴾

ہادی اور پیشوا ہوجاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ایسے شخص کو مفہمون کے لقب سے ملقب کیا ہے وہ حجۃ اللہ البالغہ میں "تحت باب حقیقۃ النبوۃ و خواصہا" ارقام فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ "مفہمون مختلف استعداد کے اور کئی قسم کے ہوتے ہیں۔ جس کو اکثر خدا کی طرف سے بذریعہ عبادات کے تہذیب نفس کے علوم کا اِلقا ہوتا ہے وہ کامل کہلاتا ہے۔ جس کو اکثر عمدہ اخلاق اور تدبیر منزل کے علوم کا اِلقا ہوتا ہے وہ حکیم کہلاتا ہے۔ جس کو سیاست کے امور کا اِلقا ہوتا ہے اور وہ اُس کو عمل میں لاسکتا ہے وہ خلیفہ کہلاتا ہے۔ جس کو ملاءِ اعلیٰ سے تعلیم ہوتی ہے اور اُس سے کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں وہ موئد بروح القدس کہلاتا ہے۔ اور جس کے دل میں اور زبان میں نور ہوتا ہے اور اُس کی نصیحت سے لوگ فائدہ اُٹھاتے ہیں اور اُس کے حواریوں اور مریدوں پر بھی نور و سکینہ نازل ہوتا ہے وہ ہادی اور مزکی کہلاتا ہے۔ اور جو خواص ملّت کا زیادہ جاننے والا ہوتا ہے وہ امام کہلاتا ہے۔ اور جس کے دل میں کسی قوم پر آنے والی مصیبت کی خبر ڈال دی جاتی ہے جس کی وہ پیشین گوئی کرتا ہے یا قبر و حشر کے حالات کا اُس پر انکشاف ہوتا ہے اور وہ اس کا وعظ لوگوں کو سناتا ہے وہ مُنذر کہلاتا ہے۔ اور جب خدا اپنی حکمت سے مفہمین میں سے کسی بڑے شخص کو مبعوث کرتا ہے تاکہ لوگوں کو ظلمات سے نور میں لاوے تو وہ نبی کہلاتا ہے"۔ بہرحال شاہ صاحب نے اس مطلب کو کسی لفظوں سے اور ہم نے کسی لفظوں سے تعبیر کیا ہو نتیجہ واحد ہے کہ انسانوں ہی میں سے جس درجہ اور جس نوع کی فطرت یا وحی خدا نے جس انسان میں ودیعت کی ہے وہ اُور دل کے لئے اُس نوع کا ہادی یا رہنما ہوتا ہے۔ جس میں خدا نے اعلیٰ درجہ کی تہذیب نفس انسانی کی فطرت پیدا کی ہے خواہ اُس کو تم کسی لفظوں سے تعبیر کرو خواہ "وما ينطق عن الهوىٰ ان هو الا وحی یوحیٰ" کے لفظوں سے وہ نبی ہوتا ہے گو کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ ہی میں کیوں نہ ہو۔

پس اب ایسی مخلوق کی نسبت جس میں خدا نے اس قدر کاموں اور متعدد درجوں کی فطرت پیدا کی ہو خیال کرو کہ وہ کیا کریگی۔ ضرور ہے کہ وہ اپنی تمدنی فطرت کے مقتضا سے ایک جگہ اکٹھا ہو کر رہیگی۔ اپنے مافی الضمیر کے اظہار کے لئے ایسی معین آوازیں ظاہر کریگی جو اُس کے مافی الضمیر

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (۴۰)	کہ (اے پیغمبر) کیا دیکھا ہے تم نے اپنے لئے اگر تم پر اللہ کا عذاب آوے یا تم پر بری گھڑی آوے کیا خدا کے سوا اور کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو (۴۰)

علم البر والاثم - علم المعاد والآخرت - سے تعبیر کرتے ہیں وہی ہیں جن کی خود خدا نے انسان میں وحی ڈالی ہے یا اُن کو خود اُس کی فطرت میں رکھا ہے *

یہ حقیقت زیادہ تر وضاحت اور تعجب انگیز طریقہ سے منکشف ہوتی ہے جب کہ تمام دنیا کے انسانوں کو جہاں تک کہ ہم کو اُن سے واقفیت ہے باوجود اُن کی زبان - اُن کی قوم - اُن کے مُلک - اُن کی صورت - اُن کی رنگت کے اختلاف کے بہت سی باتوں میں متفق پاتے ہیں گو طریقۂ عمل میں کچھ اختلاف ہو مثلاً - معبود کا یقین - اُس کی پرستش کا خیال - موت کے بعد اعمال کی جزا و سزا - دوسرے جہان کا وجود - کسی ہادی یا رہنمائے روحانی کا ہونا - دنیاوی معاملات میں - تزوّج - سرگروہ کا مقرر کرنا اور اس کے تابع رہنا - افعال میں - رحم دلی ہمدردی - سچائی کا اچھا سمجھنا - زنا - چوری - قتل - جھوٹ کو بُرا جاننا - یہ اور اُس کے مثل اور بہت سے امور ہیں جن میں تمام دُنیا کے انسانوں کو متفق پاتے ہیں - چند کا ان اتفاقوں میں سے مستثنےٰ ہونا جن کے اسباب بھی جدا ہیں اس کلیہ کے متناقض نہیں ہے *

یہ خیال کرنا کہ ان سب نے ایک ایسے زمانہ میں جب کہ سب یکجا ہونگے ان باتوں کو سیکھا ہوگا اور متفق ہو جانے کے بعد بھی وہ اُن سب باتوں کو اپنے ساتھ لے گئے ایک ایسا خیال ہے کہ جس کا ثبوت موجود نہیں ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ناممکن ہے اگر ہم تسلیم بھی کرلیں کہ وہ سب کسی زمانہ میں یکجا تھے تو بھی ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اُن کی افتراق نے اُن کی حالت کو (جو ضرور ہے کہ بے انتہا زمانہ کی مفارقت باعث ہوئی ہوگی) ایسا تبدیل کر دیا ہے کہ صورت میں رنگت میں طبیعت میں اعضا کی ساخت میں اُن کے جوڑ بند میں اُن کی زبان میں ایک تبدیل عظیم واقع ہو گئی ہے تو یہ کیونکر تسلیم ہو سکتا ہے کہ وہ خود تو بدل گئے مگر جو سبق اُنہوں نے سیکھا تھا وہ نسل درنسل نہ بھولے - بلکہ برخلاف اس کے وہ اس بات کی دلیل ہو سکتی ہے کہ یہ توافق اُسی وحی یا فطرت کا باعث ہے جو خدا نے انسان کو ودیعت کی ہے *

مگر خدا نے اس فطرت کو جس کو ہم نے عقل انسانی یا عقل کلی سے تعبیر کیا ہے ایسا نہیں بنایا کہ سب میں برابر ہو یا سب میں ایک سا اُس کا ظہور ہو بلکہ انسان کے پُتلے میں اُس کے اعضا کی بناوٹ اس طور پر بنائی ہے کہ اس فطرت کا ظہور بہ تفاوت اور بانواع مختلف ہوتا ہے پس اس فطرت سے جس شخص کو اعلےٰ درجہ کا حصہ اور جس نوع کا دیا جاتا ہے وہ آوروں کے لئے اس نوع کا

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾	اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری نشانیوں کو بہرے گونگے ہیں اندھیروں میں جس کو خدا چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اس کو سیدھی راہ پر کرتا ہے ﴿۳۹﴾

یہی ودیعت ہے جس نے انسان کو نئی نئی ایجادوں اور حقایق اشیا کی تحقیقاتوں اور علوم وفنون کے مباحثوں پر قادر کیا ہے، یہی ودیعت ہے جس سے انسان انبساط کی طرف مائل ہوتا ہے وہ غور کرتا ہے کہ کن محسوسی اور ذہنی چیزوں سے وہ خوشی حاصل کر سکتا ہے پھر وہ اُن کے جمع کرنے اور ترتیب دینے یا ایجاد کرنے میں کوشش کرتا ہے یہی ودیعت ہے جس سے انسان کا دل ہر ایک واقعہ کی نسبت اس طرف مائل ہوتا ہے کہ یہ کیوں ہوُا اور پھر اس سے کیا ہوگا، یہی ودیعت ہے جس کے سبب سے انسان کے دل میں خالق کا، سزا و جزا کا، معاد کا، خیال پیدا ہوتا ہے +

وہ اپنے چاروں طرف اپنے سے بہت زیادہ قوی، مہیب، زبردست مخلوقات کو دیکھتا ہے اور اُس کے دل میں ایک اعلےٰ اور قوی زبردست وجود کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ اُس کے سامنے ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کا ظاہر میں کوئی کرنے والا معلوم نہیں ہوتا، بیماریوں وباؤں قحطوں میں وہ مُبتلا ہوتا ہے اچھا موسم اور عمدہ فصلوں اور صحت و تندرستی کا زمانہ اُس پر گذرتا ہے اور اس اختلاف کے اسباب سے بہت کم واقف ہوتا ہے وہ اُس کو کسی ایسے وجود غیر معلوم سے منسوب کرتا ہے جس کے اختیار میں اُن کا کرنا تسلیم کرتا ہے۔ پھر اُس غیر معلوم وجود سے خوف کھاتا ہے اور بھلائی کو اُس کی خوشی اور بُرائی کو اُس کی خفگی کا سبب قرار دیتا ہے۔ پھر اُس غیر معلوم وجود کی خوشی حاصل کرنے اور اُس کی خفگی سے بچنے کی تدبیریں سوچتا ہے۔ وہ فکر کرتا ہے کہ میں کون ہوں اور اخیر میں کیا ہونگا اور آخر کار اعمال کی جزا و سزا کا اور ایک قسم کی معاد کے یقین پر مائل ہوتا ہے +

یہ تمام خیالات جو بذریعہ وحی کے یا فطرت کے انسان میں پیدا ہوتے ہیں زمانہ کے گذرنے اور آیندہ نسلوں کے آنے اور برابر سنتے رہنے سے دلوں میں ایسے منقش ہو جاتے ہیں کہ بدیہات سے بھی اُس کا درجہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور جس طرح انسان کی حالت کو ترقی ہوتی جاتی ہے اُسی طرح اُن باتوں کو بھی جو فطرت نے اُس کو سکھائی ہیں ترقی ہوتی رہتی ہے۔ بلکہ اُن فطرتی باتوں کا ترقی پانا ہی انسان کی ترقی کہلاتی ہے +

پس جب اس طرح اس انسانی پُتلے پر غور کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام چیزیں جن کو انبیاء علیہم السلام اور حکمائے علیہم الرحمۃ نے دنیا میں قایم کیا ہے اور جن کو ہم علم معاش۔ علم تمدن۔ علم سیاست مدن۔ علم تدبیر منزل۔ علم معاشرت۔ علم المعاملات والاحکام۔ علم الدین یا ادیان ...

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَآئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّآ أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾	اور نہیں ہے کوئی زمین پر چلنے والا اور نہ کوئی پرندہ جو اپنے دونوں بازوؤں پر اڑتا ہے بجز اس کے کہ مثل تمہاری جماعتیں ہیں ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی پھر اپنے پروردگار کے پاس اکٹھے کئے جاوینگے ﴿۳۸﴾

جب کہ وہ پانی کے چشموں سے دور ہے تو خود اُس کو پانی بھی پیدا کرنا چاہئے ؛

جانوروں کو ہم دیکھتے ہیں کہ اُن کا لباس خود اُن کے ساتھ ہے جو جاڑے اور گرمی میں تبدیل ہوتا رہتا ہے چھوٹی سی چھوٹی تیتریوں کا ایسا خوبصورت لباس ہے کہ بڑی سے بڑی شہزادی کو بھی نصیب نہیں مگر انسان ننگا پیدا ہوا ہے اُس کو خود اپنی تدبیر سے اپنی محنت سے اپنے لئے آپ گرمی و جاڑہ کا لباس پیدا کرنا ہے ؛

یہ ضرورتیں انسان کی فرداً فرداً پوری نہیں ہوسکتیں اور اس لئے اُس کو اپنے ہمجنسوں کے ساتھ جمع ہو کر رہنے اور ایک دوسرے سے مدد لینے کی ضرورت پڑتی ہے، بہت قسم کے جانور بھی ہیں جو ایک جگہ جمع ہو کر رہتے ہیں مگر اُن کو آپس کی استعانت کی حاجت نہیں انسان ہی ایک ایسا مخلوق ہے جو اپنے ہمجنسوں کی استعانت کا محتاج ہے ؛

اس طرح پر باہم ملکر رہنے کی ضرورت اور بہت سی ضرورتوں کو پیدا کر دیتی ہے اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ وہ مجمع آپس میں کس طرح پر برتاؤ اور معاشرت کرے ـ کس طرح اپنے گھروں کو آراستہ کریں اور کس طرح اُن کا انتظام کریں ـ اُن قوائے کو جو خدا نے اُن میں پیدا کئے ہیں اور جن سے توالد اور تناسل ہوتا ہے کس طرح پر کام میں لاویں ـ اُن مقاصد کے انجام کے لئے کس طرح سرمایہ پیدا کریں اور جو پیدا کیا ہے اُس کو کس طرح بغیر دوسرے کی مزاحمت کے اپنے صرف میں لاویں جس سے دوسرے کو نقصان نہ پہنچے ـ اُس مجمع کا مجموع من حیث المجموع کس طرح پر انتظام رہے ـ کسی دوسرے ویسے ہی مجمع کی دست اندازی اور زیادتی سے کس طرح محفوظ رہے ؛

یہ ضرورتیں انسان میں ایک اور وحی کی ودیعت ہونے کی ضرورت کو پیش کرتی ہیں جس کو عقل انسانی یا عقل کلی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ـ یہ وہی ودیعت ہے جس سے انسان چند وقفات وقوعی یا مقدمات ذہنی سے ایک نتیجہ پیدا کرتا ہے اور جزئیات کی تتبع سے کوئی کلیہ قاعدہ بناتا ہے یا قاعدہ کلیہ سے جزئیات کو حاصل کرتا ہے، ابتدا سے یعنی جب سے کہ انسان نے انسانی جامہ پہنا ہے وہ اس ودیعت کو کام میں لاتا رہا ہے اور جب تک کہ وہ ہے کام میں لاتا رہیگا ؛

انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں اُتاری گئی اُس پر (یعنی پیغمبر پر) کوئی نشانی (یعنی معجزہ) اُس کے پروردگار کی طرف سے کہدے کہ بیشک اللہ اس پر قادر ہے کہ اُتارے کوئی نشانی لیکن اُن میں کے اکثر نہیں جانتے ﴿۳۷﴾	وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

سب کرشمے اُسی وحی ربانی کے ہیں جو قادر مطلق ہمہ قدرت نے اُن کو عطا کی ہے *

انسان بھی مثل اُن کے ایک مخلوق ہے وہ بھی اُس وحی کے عطیہ سے محروم نہیں رہا، مگر جس طرح مختلف قسم کے حیوانوں کو بقدر اُن کی ضرورت کے اُس وحی کا حصہ ملا ہے اسی طرح انسان کو بھی بقدر اُس کی ضرورت کے حصہ عطا ہوا ہے *

انسان جس شکل و شمائل اور ترکیب اعضا پر پیدا ہوا ہے وہ بظاہر اُس میں منفرد نہیں ہے بلکہ اُس سے کم درجہ کی بھی ایسی مخلوق پائی جاتی ہے جو بظاہر اُسی کی سی شکل و شمائل رکھتی ہے۔ اِس سے مراد میری اُس مخلوق سے ہے جو انسان کے مشابہ ہے مگر انسانی تربیت کا مادہ نہیں رکھتی، لیکن اس مقام پر میری بحث اُس شکل و شمائل کے انسان سے ہے جس میں انسانی تربیت کا مادہ بھی ہے کیونکہ خدا کا خطاب بھی اُن ہی سے ہے نہ اُن سے جو حقیقت میں انسان نہیں ہیں بلکہ انسان سے کم درجہ میں اور بندروں کے سلسلہ میں داخل ہیں *

آب و ہوا اور ملک کی حالت سے جہاں انسان رہتا ہے یا ایسے مقامات سے جہاں گو انسان پایا جاتا ہے مگر در حقیقت عمرانات میں شمار نہیں ہو سکتے انسان کی ضروریات میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو جاتا ہے مگر میں ان عارضی تبدیلات کو بھی اپنی اس بحث میں دخل نہ دونگا بلکہ انسان من حیث الانسان سے بمقتضائے اُس کی جبلت انسانی کی بحث کرونگا *

اب ہم انسان کا حیوان سے مقابلہ کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ انسان بمقابل حیوان کے اُس وحی کا کس قدر زیادہ حصہ پانے کا مستحق تھا اور کن کن امور کے لئے *

ہم انسان اور حیوان دونوں میں بھوک اور پیاس کی خواہش پاتے ہیں مگر دونوں میں یہ فرق دیکھتے ہیں کہ حیوانوں کی اُس خواہش کے پورا کرنے کا تمام سامان خود خدا نے اُن کے لئے مہیا کر دیا ہے خواہ وہ جنگل میں رہتے ہوں یا پہاڑ میں خواہ وہ گھانس کھاتے ہوں یا دانہ چگتے ہوں، زمین کے کیڑے کوڑے کھاتے ہوں یا نہایت عمدہ تازہ و فربہ جانوروں کا گوشت جہاں وہ ہیں سب کچھ اُن کے لئے مہیا ہے *

انسان کے لئے اُس کی اُن خواہشوں کے پورا کرنے کے لیئے بغیر اُس کی محنت و تدبیر کے کوئی چیز بھی مہیا نہیں یا یوں کہو کہ نہایت ہی کم مہیا ہے اُس کو خود اپنی غذا پیدا کرنی چاہیئے

ترجمہ	آیت
اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردے (یعنی کافر) اُن کو اُٹھا دیگا اللہ پھر اُس کے پاس لیجائے جاوینگے (۳۶)	اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰی یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ (۳۶)

رکھی ہے، اور اُس کے اثر بغیر کسی کے بتانے اور بغیر کسی سکھلانے والے کے سکھانے اُسی فطرت کے مطابق ہوتے رہتے ہیں۔ اس ودیعت فطرت کو بعض علمائے اسلام نے الہامات طبعی کے نام سے موسوم کیا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ نے اُس کو وحی سے تعبیر کیا ہے جہاں فرمایا ہے "واوحی ربك الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون (النحل آیت ۷۰) یہ وحی جبرئیل یا خدا کا اور کوئی فرشتہ شہد کی مکھی کے پاس لیکر نہیں گیا تھا بلکہ خود خدا اُس کے پاس لیجانے والا یا اُس میں ڈالنے والا تھا ❊

اب دیکھو کہ اس وحی نے شہد کی مکھی میں کیا کیا؟ کس طرح اُس نے پہاڑوں کی چوٹیوں اور گھنے بلند درختوں کی ٹہنیوں میں اور کس حکمت سے چھتا لگایا، اور کس دانائی سے اس میں چھوٹے چھوٹے مسدس خانے بنائے، پھر کس طرح عمدہ سے عمدہ شفا بخش پھولوں سے رس چوس کر لائی، اور کس طرح اُس سے میٹھا شہد نکالا جس کے مختلف رنگ ہیں، پھر کس طرح اُن مسدس خانوں کو اُس سے بھرا جس کی نسبت خدا نے فرمایا کہ "فیه شفاء للناس" ❊

ایک چھوٹے سے زرد رنگ کے جانور بئے کو دیکھو کہ اُس وحی یا فطرت نے اس میں کیا کر دکھایا ہے۔ کس حکمت سے وہ اپنا گھونسلا بنتا ہے، دشمنوں سے محفوظ رکھنے کو کس قدر اونچے کانٹوں دار درختوں میں لٹکاتا ہے، اندھیری برسات کی راتوں میں کس طرح پٹ بیجنے کا چراغ اپنے گھونسلے میں جلاتا ہے، بجز اُس وحی کے اور کس نے اس کو بتایا ہے کہ وہ فاسفورس دار کیڑا صرف روشنی دیتا ہے اور گھونسلا نہیں جلاتا ❊

اس کے سوا اور پرندوں کو دیکھو کس طرح جوڑا جوڑا ہو کر رہتے ہیں، اپنے انڈوں کو دونوں ملکر کس طرح سیتے ہیں، ایسی معتدل حرارت اُن کو پہنچاتے ہیں کہ بڑے سے بڑے حکیم سے بھی نہیں ہو سکتی، پھر بچہ کس طرح انڈے کو کھٹک کر نکلتا ہے، پھر کس طرح وہ دونوں اُس کو پالتے ہیں جب بڑا ہو جاتا ہے تو اُڑ جاتا ہے اور وہی کرتا ہے جو اُس کے ماں باپ کرتے تھے ❊

چرندوں کا بھی یہی حال ہے وہ بھی اُسی وحی کے مطابق جو اُن کو دی گئی ہے کام کرتے ہیں اپنا چارہ ڈھونڈ لیتے ہیں، پانی تلاش کر لیتے ہیں اونٹ بعید فاصلہ سے پانی کی بو سونگھ لیتا ہے، حربہ کے جو اوزار اُن کے پاس ہیں موقع پر کام لاتے ہیں دشمن سے اپنی جان بچاتے ہیں، بکری نے گو کبھی بھیڑیا نہ دیکھا ہو مگر پہلی ہی دفعہ دیکھ کر کانپتی ہے اور جان بچانے کو بھاگتی ہے، یہ

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾	اور اگر تجھ پر گراں گذرتا ہے اُن کا منہ پھیرنا، پھر اگر تو کر سکے کہ ڈھونڈ نکالے ایک سرنگ زمین میں یا ایک سیڑھی آسمان میں پھر لے آوے اُن کے پاس کوئی نشانی (تو بھی ایمان نہ لاوینگے) اور اگر خدا چاہے تو اُن سب کو ہدایت پر اکٹھا کر دے پھر نادانوں سے ہرگز مت ہو ﴿۳۵﴾

تو اُس وقت اُن کی یہ دلیل صحیح ہو سکتی تھی لیکن جب کہ شاہ صاحب اور انبیاء کے معجزات کا ذکر قرآن مجید میں تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ تفہیمات کے متعدد مقاموں سے پایا جاتا ہے تو یہ بھید ٹوٹ جاتا ہے اور کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ قرآن مجید میں بلالحاظ اس بھید کے اور پیغمبروں کے معجزوں کا تو ذکر ہو اور بلحاظ اس بھید کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزوں کا ذکر نہ ہو ✦

غرضکہ امام صاحب نے اس بحث کو اُسی طریقہ پر کیا ہے جیسے کہ ہمارے ہاں کے قدیم علما کا طریقہ ہے اور شاہ صاحب نے اُس کو تصوف کے سانچہ موہوم میں ڈھالنا چاہا ہے مگر اس زمانہ کے لوگوں کو ایسی تقریروں سے تشفی نہیں ہوتی اور جب تک اصل حقیقت صاف صاف نہ بتائی جاوے دل کو طمانیت نہیں رہتی ✦

قرآن مجید میں اس آیت میں اور اَور متعدد آیتوں میں جو کچھ لکھا ہے سب سچ ہے اور نہایت صفائی سے اصل حقیقت کو بتا دیا ہے - بزرگوں کے ساتھ کرامت کا اور انبیا کے ساتھ معجزہ کا خیال فطرت کے ایک بڑے لمبے سلسلہ سے مربوط ہے جب تک کہ اُس سلسلہ پر ابتدا سے بغور کامل نظر نہ ڈالی جاوے اور قرآن مجید کی آیتوں کے ساتھ اُس کو نہ تطبیق دی جاوے اُس وقت تک نہ معجزہ کی اور نہ کرامت کی حقیقت ظاہر ہوتی ہے اور نہ اس آیت کی اور نہ قرآن مجید کی اور آیتوں کی جو مثل اُس کے ہیں اصلی مراد و حقیقت کھلتی ہے اور نہ اُن لوگوں کے دلوں کو جو اصلی حقیقت کی تلاش میں ہیں تسلی ہوتی ہے پس اول ہم فطرت کے اُس سلسلہ کو مختصر طور پر بیان کرینگے اور اُس کے بعد قرآن مجید کی آیتوں کو اُس سے تطبیق دینگے - اور اسی کی ضمن میں انسان کے اُن خیالات کی غلطی ظاہر کر دینگے جو انبیاء علیہم السلام میں انسانوں سے بڑھ کر بلکہ نبوت کے سوا کسی اَور چیز کا ہونا بطور دلیل اُن کی نبوت کے ضروری سمجھتے ہیں - ان سب باتوں کے سمجھانے کے لئے اولاً فطرت کی اُن باتوں کی طرف توجہ دلانا ضرور ہے جن سے مخلوقات کا سلسلہ نبوت کے سلسلہ تک ملا ہوا ہے ✦

تمام مخلوقات میں انسان ہو یا حیوان - شجر ہو یا حجر ، سب میں خدا نے ایک فطرت

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰۤى اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾

بیشک ہم جانتے ہیں کہ بیشک تجھ کو رنجیدہ کرتا ہے جو کچھ وہ کہتے ہیں پھر وہ تجھ کو نہیں جھٹلاتے ولیکن یہ ظالم اللہ کی نشانیوں سے ہٹ دھرمی کرتے ہیں ﴿۳۳﴾ اور بیشک جھٹلائے گئے ہیں پیغمبر تجھ سے پہلے پھر انہوں نے صبر کیا اس پر کہ جھٹلائے گئے اور ایذا دی گئی یہاں تک کہ ہماری مدد ان کے پاس آئی، اور کوئی نہیں بدلنے والا خدا کی باتوں کو، اور بیشک تیرے پاس آئی ہیں پیغمبروں کی خبروں میں سے ﴿۳۴﴾

اگر وہ ایمان نہ لاتے تو سب کو نیست و نابود کر ڈالتا پس خدا نے بمقتضائے رحمت کے اُن کو نازل نہیں کیا اور یہ بھی ہے کہ خدا جانتا تھا کہ وہ لوگ ان معجزات کو فائدہ کی غرض سے نہیں طلب کرتے تھے بلکہ ضد سے طلب کرتے تھے اور خدا کو معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لانے کے ✦

مگر شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنی کتاب تفہیمات الٰہیہ میں صاف صاف بیان کیا ہے کہ قرآن مجید میں کسی معجزہ کا ذکر نہیں ہے اور شق قمر کی نسبت لکھا ہے کہ وہ معجزہ نہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک شق قمر معجزات میں سے نہیں ہے ہاں وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے جیسے کہ خدا نے فرمایا ہے کہ قریب ہوئی ساعت اور پھٹ گیا چاند لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کے ہونے سے پہلے اُس کی خبر دی ہے اس راہ سے معجزہ ہے ✦ ✦ ✦ اس کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہ نے ان معجزات میں سے کچھ بھی اپنی کتاب (یعنی قرآن) میں ذکر نہیں کیا اور نہ مطلق اُس کی طرف اشارہ کیا ہے، اس میں نادر بھید یہ ہے کہ قرآن تو پرتو اسم ذات کا ہے (اور شاہ صاحب نے معجزات کو اشرافات میں داخل کیا ہے جو اسم ذات سے کم درجہ ہے اس لئے انہوں نے فرمایا کہ) پس جو چیز کہ اُس کے ماتحت ہے اُس کا ذکر اُس میں نہیں ہو سکتا ✦

اما شق القمر فعندنا ليس من المعجزات انما هو من آيات القيامة كما قال الله تعالى اقتربت الساعة وانشق القمر ولكنه صلى الله عليه وسلم اخبر عنه قبل وجوده فكان معجزة من هذا السبيل ✦ ✦ ✦ ✦ ولم يذكر الله سبحانه شيئا من هذه المعجزات في كتابه ولم يشر اليها قط لسر بديع وهو ان القرآن انما هو من الاسم فلا يذكر فيه ما هو من تحته (تفہیمات الٰہیہ)

مگر تعجب یہ ہے کہ اگر شاہ صاحب کے نزدیک کسی نبی کے معجزہ کا ذکر قرآن مجید میں نہ ہوتا

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾	اور دُنیا کی زندگی کیا ہے مگر لہو و لعب (یعنی چند روزہ بیہودہ خوشی) اور بیشک دارِ آخرت بہتر ہے اُن لوگوں کے لئے جو پرہیزگاری کرتے ہیں پھر کیا تم نہیں سمجھتے ﴿۳۲﴾

حرث بن عامر بن نوفل بن عبد مناف معہ چند قریش کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اُن سب نے کہا کہ اے محمدؐ اللہ کے پاس سے کوئی معجزہ لاؤ جیسے کہ انبیاء کیا کرتے تھے تو ہم تم پر ایمان لائیں مگر خدا نے معجزہ بھیجنے سے انکار کیا کیونکہ خدا کے علم میں تھا کہ وہ ایمان نہیں لانے کے ❖

جن لوگوں نے مذکورہ بالا آیتوں سے یہ استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس کوئی معجزہ نہ تھا اُن کو امام فخرالدین رازی نے ملحد قرار دیا ہے اور اُن کا جواب اس طرح پر دیا ہے کہ خود قرآن ہی بہت بڑا معجزہ ہے کہ باوجودیکہ کافروں سے کہا گیا کہ مثل اس کے لاؤ اور وہ نہ لاسکے۔ ممکن ہے کہ یہ کہا جاوے کہ اگر قرآن معجزہ تھا تو پھر کافروں نے یہ کیونکر کہا کہ ”کیوں نہیں اُتاری گئی پیغمبر پر کوئی نشانی“ تو امام صاحب فرماتے ہیں کہ ہم اس کا کئی طرح پر جواب دینگے اول یہ۔ کہ لوگوں نے دشمنی سے قرآن کو معجزہ نہ ٹھیرایا ہوگا اور کہا ہوگا کہ یہ تو کتاب کی قسم سے ہے اور کتاب معجزات کی قسم میں سے نہیں ہے جیسے کہ توریت و زبور و انجیل اور اسی شبہ کے سبب سے اُنہوں نے وہ کہا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ اُنہوں نے معجزات قاہرہ طلب کئے ہونگے جیسے کہ اور انبیا کے پاس تھے مثل سمندر کے چیر دینے اور پہاڑ کے سر پر معلق ہو جانے اور مردوں کے زندہ کرنے کے۔ تیسرے یہ کہ اُنہوں نے ہٹ سے علاوہ معجزات موجودہ کے اور معجزے طلب کئے ہونگے جیسے فرشتوں کا اُترنا یا آسمان کے ٹکڑے کا ٹوٹ پڑنا۔ چوتھے یہ کہ یا اُنہوں نے آسمان پر سے پتھروں کا برسنا یا اور عذاب کا اُترنا چاہا ہوگا کیونکہ یہ سب باتیں آیت کے لفظ میں شامل ہیں ❖

پھر امام صاحب کافروں کے مطلوبہ معجزات نہ نازل کرنے کی وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ جب خدا تعالےٰ نے قرآن مجید بہت بڑا معجزہ دیا تھا تو اس پر اور معجزہ طلب کرنا ہٹ اور خدا پر تحکم کرنا تھا کرنے اور نہ کرنے میں خدا اپنی مرضی کا مختار ہے وہ لوگوں کی خواہشوں کے مطابق نہیں کرتا چاہا اُن کا سوال قبول کیا چاہا نہ کیا۔ علاوہ اس کے اگر ان کے اُن سوالوں کو پورا کر دیتا تو وہ ایک اور معجزہ چاہتے جب وہ بھی پورا ہو جاتا تو اور چاہتے اور اس کی کچھ انتہا نہ ہوتی اس لئے پہلی ہی دفعہ سد باب کر دیا۔ سوائے اس کے اگر خدا تعالےٰ نے اُن کے مطلوبہ معجزات کو نازل کرنا اور

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

اور وہ (اَوروں کو) اُس سے منع کرتے ہیں اور خود بھی اُس سے الگ رہتے ہیں اور نہیں ہلاک کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں جانتے (۲۶) اور اگر تو دیکھے جب کہ وہ آگ پر کھڑے ہوں تو کہینگے اے کاش ہم پھر جاویں اور نہ جھٹلاویں اپنے پروردگار کی نشانیوں کو اور ہو ویں ایمان والوں میں سے (۲۷) بلکہ اُن کو ظاہر ہو گیا جو کچھ کہ اس سے پہلے چھپاتے تھے اور اگر وہ پھر بھیجدیئے جاویں تو وہی کرینگے جس سے اُن کو منع کیا گیا تھا بیشک وہ جھوٹے ہیں (۲۸) اور اُنہوں نے کہا کہ یہ کچھ نہیں ہے مگر دنیا کی زندگی اور ہم نہیں پھر اُٹھنے والے (۲۹) اور اگر تو دیکھے جب کہ وہ کھڑے کئے جاوینگے اپنے پروردگار کے سامنے (خدا) کہیگا کہ کیا یہ سچ نہیں ہے، کہینگے ہاں قسم ہمارے پروردگار کی، (خدا) کہیگا پھر چکھو عذاب بدلے اُس کے جو تم کفر کرتے تھے (۳۰) بیشک نقصان میں پڑے جن لوگوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو، یہاں تک کہ جب یکایک اُنکے پاس وہ گھڑی آویگی تو کہینگے ہائے ہم پر افسوس ہماری اُس تقصیر پر جو ہم نے اُس میں کی، اور وہ اُٹھائینگے بوجھ اپنی پیٹھوں پر، جان لو بُرا ہے وہ جو اُٹھائینگے (۳۱)

(۳۷) (وقالوا لولا انزل علیہ آیۃ) اس آیت سے بعض لوگوں نے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی معجزہ نہ تھا یعنی جس کو کفار یا عام لوگ معجزہ سمجھتے ہیں کیونکہ اگر کوئی معجزہ ہوتا تو کفار یہ نہ کہتے کہ کیوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کوئی معجزہ نہیں اُتارا گیا ✤

تفسیر کبیر میں ان آیتوں کی شان نزول میں ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے ۔ کہ

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو ایسا ہی جانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو جن لوگوں نے اپنے تئیں آپ نقصان پہنچایا تو وہ ایمان نہیں لانے کے ﴿۲۰﴾ اور کون زیادہ ظالم ہے اُس شخص سے جس نے جھوٹ بہتان خدا پر باندھا یا اس کی نشانیوں کو جھٹلایا بیشک ظالم فلاح نہیں پانے کے ﴿۲۱﴾ اور جس دن ہم اُن سب کو اکٹھا کرینگے پھر ہم کہینگے اُن لوگوں سے جو شرک کرتے ہیں کہ کہاں ہیں تمہارے شریک جن پر تم گھمنڈ کرتے تھے ﴿۲۲﴾ پھر اُن کو اور کچھ بہانا بجز اس کے نہ ہوگا کہ کہینگے خدا کی قسم اے ہمارے پروردگار ہم مشرک نہ تھے ﴿۲۳﴾ دیکھ کس طرح اُنہوں نے اپنے پر آپ جھوٹ باندھا اور کھویا گیا اُن سے جو کچھ کہ اُنہوں نے افترا کیا تھا ﴿۲۴﴾ اور اُن میں سے کوئی شخص کان لگاتا ہے تیری طرف اور ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دئیے ہیں اُس کے سمجھنے سے اور اُن کے کانوں میں بہرا پن ہے اور اگر وہ تمام نشانیاں دیکھ لیں تو بھی اُن پر ایمان نہ لاوینگے یہاں تک کہ جب تیرے پاس آوینگے تو کج بحثی کرینگے، جو لوگ کافر ہوئے کہتے ہیں یہ کچھ نہیں ہے مگر اگلوں کی کہانیاں ﴿۲۵﴾

صلے اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اس لئے خدا نے ان کو بتایا کہ تم سے بھی زیادہ قوی اور باحشمت قومیں جو نہایت سرسبز و شاداب ملکوں میں تھیں وہ بھی اپنے گناہوں کے سبب برباد ہوگئیں۔ پھر خدا نے اُن کے شبہوں کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اگر وہ ناممکن چیزیں ہو بھی جاویں جو وہ چاہتے ہیں تب بھی وہ لوگ ایمان نہیں لانے کے اور جو رنج و اذیت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کافروں کی باتوں سے پہنچتی تھی انبیاء سابق کی مثال سے آنحضرت کو تسکین دی ہے ✢

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ (۱۴) قُلْ إِنِّي أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ (۱۵) مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهُ وَذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِينُ (۱۶) وَإِنْ يَمْسَسْكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (۱۷) وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ (۱۸) قُلْ أَيُّ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَأُوحِيَ إِلَيَّ هَٰذَا الْقُرْآنُ لِأُنْذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللَّهِ آلِهَةً أُخْرَىٰ قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ (۱۹)

کہدے (اے پیغمبر اُن مشرکین کو جو تجھ کو بتوں کی طرف مائل کرنا چاہتے ہیں) کہ کیا میں خدا کے سوا دوسرے کو دوست بناؤں جو پیدا کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور وہی رزق دیتا ہے اور اُس کو رزق نہیں دیا جاتا، کہدے کہ بیشک مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ مَیں ہوں پہلا شخص جو اسلام لایا اور (یہ حکم ہُوا ہے) کہ تو مشرکوں میں سے مت ہو (۱۴) کہدے کہ بیشک مَیں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے پروردگار کی۔ بڑے دن کے عذاب سے (۱۵) جو شخص کہ اُس سے اُس دن عذاب روک رکھا جائے تو بیشک خدا نے اُس پر مہربانی کی، اور یہی ہے کھلی ہوئی مراد پانی (۱۶) اور اگر خدا تجھ کو ضرر پہنچاوے تو کوئی اُس کا دُور کرنے والا نہیں سوائے اُسی کے، اور اگر تجھ کو بھلائی پہنچاوے تو وہ سب چیز پر قادر ہے (۱۷) اور وہ قدرت رکھنے والا ہے اپنے بندوں پر اور حکمت والا ہے خبر رکھنے والا (۱۸) کہدے (اے پیغمبر کافروں سے) کہ کونسی چیز سب سے بڑی شہادت میں ہے، کہدے کہ اللہ، وہ شاہد ہے مجھ میں اور تم میں، اور وحی کیا گیا ہے مجھ کو یہ قرآن تاکہ مَیں اُس سے تم کو تنبیہ کروں اور اُن کو جن کے پاس اُس کی خبر پہنچی، کیا تم شہادت دیتے ہو کہ خدا کے ساتھ اور خدا ہیں، کہدے کہ میں شہادت نہیں دیتا، کہدے کہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ خدائے واحد ہے اور بیشک مَیں بری ہوں اُس چیز سے کہ تم شریک کرتے ہو (۱۹)

تھے جو فطرت اللہ کے برخلاف تھی۔ انہی باتوں کا اس سورۃ کے شروع میں بیان ہوا ہے۔ مشرکین عرب مغرور بھی تھے اور وہ اپنی عظمت اور فوقیت پر گھمنڈ رکھتے تھے اور آنحضرت

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿٧﴾ وَقَالُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُونَ ﴿٨﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١٠﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾ قُلْ لِمَنْ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ قُلْ لِلَّهِ ۚ كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ ۚ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢﴾ وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣﴾

اور اگر ہم تجھ پر اُتارتے کاغذ میں لکھا ہوا پھر وہ اُس کو اپنے ہاتھوں سے چھو لیتے تو بھی جو لوگ کافر ہوئے کہنے کہ یہ تو کھلے جادو کے سوا اور کچھ نہیں ہے (۷) اُنہوں نے کہا کہ کیوں نہیں اُتارا گیا اُس پر (یعنی پیغمبر پر) فرشتہ، اور اگر ہم کوئی فرشتہ اُتارتے تو کام پورا ہو جاتا پھر تامل میں ڈالے جاتے (۸) اور اگر ہم اُس کو (یعنی پیغمبر) ہی کو فرشتہ کر دیتے (یعنی فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیجتے) تو اُس کو بھی آدمی کی صورت میں بناتے تو ہم اُن پر وہی شبہ ڈالتے جو شبہ کہ اب وہ کرتے ہیں (۹) اور بیشک ٹھٹھا کیا گیا ہے رسولوں کے ساتھ تجھ سے پہلے پھر گھیر لیا اُن لوگوں کو کافروں میں سے جو ٹھٹھا کرتے تھے اُس چیز نے جس کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے (۱۰) کہدے (اے پیغمبر) کہ سیر کرو زمین میں (یعنی ملکوں میں) پھر دیکھو کہ کیا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا (۱۱) کہ (یعنی پوچھ اے پیغمبر کافروں سے) کس کے لئے ہے جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور زمین میں، کہ (یعنی اُن کو بتادے) کہ اللہ کے لئے ہے، لکھی ہے اُس نے اپنے اوپر رحمت، بیشک اکٹھا کریگا تم سب کو قیامت کے دن میں جس میں کچھ شک نہیں، جن لوگوں نے اپنے تئیں آپ نقصان پہنچایا تو وہ ایمان نہیں لانے کے (۱۲) اور اُسی کے لئے ہے جو کچھ کہ ٹھیرتا ہے رات میں اور دن میں، اور وہ سُننے والا ہے جاننے والا (۱۳)

کی ہدایت فرماتے تھے جو اُن کے اعتقادات اور بتوں کی پرستش کے برخلاف تھی اُس کو نہ مانتے تھے اور آنحضرت کی ہدایت پر خدا کی طرف سے ہونے میں شک کرتے تھے اور اپنی جہالت سے اُن امور کا ہونا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے بطور معجزہ کے چاہتے

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ④ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ⑤ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ⑥

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان

سب بڑائیاں خدا کے لئے ہیں جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور بنایا اندھیروں کو اور نور کو پھر جو کافر ہوئے برابر کرتے ہیں (اصنام کو) اپنے پروردگار سے (۱) وہ تو وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا مٹی سے پھر مقرر کیا مرنے کا وقت اور مقرر کیا ہوا وقت اُس کے پاس ہے (یعنی اُس کو معلوم ہے) پھر تم شک کرتے ہو (۲) اور وہی خدا ہے آسمانوں میں اور زمین میں جانتا ہے تمہارے چھپے اور کھلے (کاموں) کو اور جانتا ہے جو تم کماتے ہو (۳) اُن کے پاس کوئی نشانی اُن کے پروردگار کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر وہ اُس سے روگرداں ہوتے (۴) پھر بیشک جھٹلایا اُنہوں نے سچ کو جب کہ وہ (یعنی سچ) اُن کے پاس آیا پھر قریب ہے کہ اُن کے پاس اُن کی خبریں آوینگی جس کے ساتھ وہ ٹھٹھا کرتے تھے (۵) کیا اُن کو خبر نہیں کہ ہم نے اُن سے پہلے کتنوں کو اگلے زمانہ کی قوموں میں سے ہلاک کر ڈالا جن کو ہم نے زمین میں ایسی قدرت دی تھی کہ تم کو ویسی قدرت نہیں دی اور ہم نے اُن پر موسلادھار برسنے والے بادل بھیجے اور ہم نے نہریں پیدا کیں جو اُن کے (کھیتوں کے) نیچے بہتی تھیں پھر ہم نے اُن کو اُن کے گناہوں کے سبب ہلاک کر ڈالا اور اُن کے بعد اور لوگوں کا زمانہ پیدا کیا (۶)

(۱) (الحمد للہ الذی) اس تمام سورۃ میں مکّے کے لوگ زیادہ تر مخاطب ہیں مشرکین عرب خدا کو جانتے تھے مگر بتوں کو خدا کی برابر کرتے تھے اور خدا کی مانند بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم توحید ذات باری اور توحید صفات باری اور توحید فی العبادت

فہرست مضامین جلد سوم تفسیر القرآن

تصنیفات سر سید احمد خاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور

(قیمت مجلد [illegible]) الخطبات الاحمدیہ فی العرب والسیرۃ المحمدیہ (قیمت بلا جلد [illegible])

یعنی وہ دلچسپ کتاب جس میں مرحوم سر سید احمد خاں صاحب علیہ الرحمۃ نے تاریخ عرب اور ایام اسلام کی مذہبی تاریخ کو نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے اور عیسائی مورخوں کے بیجا اعتراضات کے جواب جو بانیٔ مذہب اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور قرآن کریم پر کئے تھے ایسے تسلی بخش اور دندان شکن دئے ہیں جو قابل دید ہیں۔ درحقیقت اس مرحوم و مغفور نے اس کتاب کی تصنیف سے مذہب اسلام کی وہ خدمت کی ہے جو ہر طرح قابل تعریف و تحسین ہے اور ممکن نہیں کہ اس لسندی کے ساتھ کوئی اور صاحب ایسی بے بہا کتاب تصنیف کرے اور لطف یہ کہ نہایت اعلیٰ درجہ کی صاف زبان اردو میں۔ جو مسلمان کہ سچے دل سے قوم اسلام کے ہمدرد اور ترقی خواہ اور اسلام کے حالات سے واقفیت حاصل کرنا چاہتے ہیں ان کا فرض ہے کہ اس بے بہا کتاب کا بغور مطالعہ کریں۔ نئی روشنی کے تعلیم یافتہ مسلمان جو عربی زبان کی عدم واقفیت ہونے کے علاوہ انگریزی فلسفہ اور منطق سے ماہر ہیں وہ اس کتاب میں نہایت مدلل و مفید مباحث دیکھینگے۔ اگرچہ اس میں ۱۲۹ نہایت دلچسپ مضامین ہیں مگر ہم مختصر طور پر تھوڑے سے مضامین کی فہرست ہدیہ ناظرین کرتے ہیں ✤ اس کتاب میں ایک دیباچہ اور بارہ خطبے شامل ہیں ✤

دیباچہ میں یہ بحثیں ہیں۔ مذہب کیا چیز ہے۔ سچے مذہب کے پرکھنے کا سچا اصول کیا ہے۔ اسلام صحیح طور پر کن احکام کا مجموعہ ہے۔ ان کتابوں پر بحث جو عیسائی اور مسلمانوں نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے حالات پر لکھی ہیں۔ سر ولیم میور کی کتاب لائف آف محمد کا ذکر جس کے جواب میں یہ کتاب لکھی گئی ہے ✤

خطبہ اول۔ عرب کا جغرافیہ۔ عرب کے قبائل اور سلاطین پر محققانہ بحث۔ لفظ سارا سن کی تحقیق۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کے حالات پر محققانہ بحث۔ حضرت ہاجرہ کی حرمت پر بحث۔ خطبہ دوم۔ عرب جاہلیت کے رسوم و عادات۔ بت پرستی۔ حجر اسود اور خانہ کعبہ کا ذکر۔ حج زمانہ جاہلیت میں۔ رسوم ازدواج۔ خطبہ سوم۔ عرب جاہلیت کے ادیان پر بحث نہایت تفصیل سے۔ اسلام کی ساخت و دیگر الہامی مذاہب۔ خطبہ چہارم۔ اسلام انسان کیلئے رحمت اور تمام ادیان کے مذاہب کی نسبت دنیا و بے اسلام انسانی تمدن کے موافق ہے۔ کثرت ازدواج و طلاق اور غلامی پر محققانہ بحثیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہب کو اسلام سے کیا فائدہ پہنچا۔ خطبہ پنجم۔ مسلمانوں کی مذہبی کتابوں پر محققانہ بحث۔ خطبہ ششم۔ مذہبی روایتوں کے معتبر اور غیر معتبر ہونے پر مدلل بحث۔ خطبہ ہفتم۔ قرآن مجید کی جمع و ترتیب اور نزول پر بحثیں۔ خطبہ ہشتم۔ خانہ کعبہ کی مفصل تاریخ۔ خطبہ نہم۔ آنحضرت کے نسب نامہ پر محققانہ بحث۔ شجرہ نسب آنحضرت مع تحریرات مصنف کتاب۔ خطبہ دہم۔ بشارات نسبت آنحضرت کے جو توریت اور انجیل میں ہیں۔ خطبہ یازدہم۔ روایات شق صدر اور معراج کی تحقیق۔ خطبہ دوازدہم۔ جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے بارہ برس تک کے حالات ✤

اس کتاب کے شروع میں مرحوم سر سید کی رنگین عکسی تصویر بھی ہے یہ کتاب نہایت خوشخط اور اعلیٰ درجہ کے کاغذ پر طبع کی گئی ہے ✤

مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز سر سید احمد خاں صاحب بہادر مرحوم و مغفور

مصنف مرحوم علیہ الرحمۃ کا مبارک نام ہی اس مجموعہ کی خوبیوں اور اوصاف کیواسطے کافی شہادت ہے اور اس کی توصیف اور تعریف میں کچھ بھی کہنا سراسر بے ادبی اور اس کی گستاخی ہے۔ سر سید مرحوم علیہ الرحمۃ کے مبارک نام اور اس کے مس (مدعا) سے شاید ہی کوئی تعلیم یافتہ مسلمان ایسا ہو جو واقف نہ ہو۔ جو بے بہا کارنامے اس مرحوم و مغفور نے اسلامی پبلک کی ترقی تعلیم اور ہر قسم کی بہبودی کی خاطر ایسی گرانبہا یادگار زندگی میں کئے۔ واقعی اس قابل ہیں کہ فی زمانہ آئندہ ہر ایک قسم کے قومی کاموں کی تمہید اُس کے مبارک نام سے تبرکاً۔ تیمناً شروع ہو۔ چنانچہ عموماً مرحوم و مغفور کا ذکر خیر کسی نہ کسی طرح سے اس قسم کے قومی جلسوں میں آنا شروع ہو گیا ہے ✤

اس کتاب مکمل مجموعہ لکچرز و اسپیچز میں سر سید مرحوم کی تمام عمر زندگی شروع سے لیکر اختتام تک بھری پڑی ہے جیسا کہ اُنہوں نے مختلف طریقہ سے مسلمانوں کی حالت گمنام کو درجہ اصلاح کرنے کی خاطر کوشش کی ویسے ہی یہ لکچرز بھی بے نظیر اور دماغ کو طرح طرح کے نتیجوں سے مملو ہیں جو شخص اس مرحوم ہیرو کی اولوالعزمی۔ استقلال۔ صبر و تحمل۔ بردباری۔ انکساری اور عالی حوصلگی۔ نہ کبھی گھبرانے اور مایوسی کا جو وقتاً فوقتاً منہ دکھاتی رہی ہیں اندازہ کرنا چاہتے۔ قوم اور قومی ہمدردی اور ملک کی بہتری۔ اسلام کی حمایت۔ سچی دلسوزی صاف بیانی۔ اعلیٰ درجہ کی زبان اردو کی تقریر و تحریر۔ مہذب اخلاق کا بے مثل نمونہ بننے کے لئے اپنی آئندہ زندگی میں اس سے اچھا سبق سیکھنا چاہے اُس کے واسطے اس مجموعہ لکچرز و اسپیچز سے بڑھ کر کوئی ناصح مشفق اور رہبر کامل نہیں ہو سکتا لقمان کی حکمت۔ ارسطو کا فلسفہ اور شکسپیر کی فصاحت اس کے آگے معمولی قرار دیجا سکتی ہیں ✤

یہ بے بہا ذخیرہ زمانہ حال کی دینی اور دنیوی بہتری کے لئے ہی عزیز تر ہوگا بلکہ جوں جوں ضروریات آنے والی نسلوں کو پیش آئینگی خود بخود یہ مجموعہ عزیز تر ہوگا۔ ملکی و قومی لائبریریوں کی زینت ہوگا۔ عام پبلک جلسوں میں اس کا نہایت شوق سے تذکرہ ہوا کریگا۔ بڑے بڑے لکچرار اس مجموعہ سے مدد لینگے۔ اردو لٹریچر کے سیکھنے والے اس سے سند لیا کرینگے۔ غرضیکہ یہ بے نظیر مجموعہ بے نظیر ہے بے نظیر ہے۔ اس کے شروع میں مرحوم سر سید کی رنگین عکسی تصویر ہے اور ۱۸۶۳ء سے لیکر ۱۸۹۸ء تک کے کل لکچرز نہایت محنت سے جمع کر دئے ہیں اور وہ لکچرز بھی اس میں ہیں جن کا اکثر سر سید مرحوم کے دوستوں نے آج تک نام تک نہ سنا ہوگا ۹ صفحے نہایت اعلیٰ درجہ کا کاغذ۔ عمدہ چھپائی۔ خوشخط لکھائی۔ پیر اس سے پہلے جس قدر مجموعے لکچرز لوگوں نے چھاپے ہیں وہ بالکل نامکمل ہیں ✤ قیمت مجلد [illegible] ✤ قیمت بلا جلد [illegible]

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل ھذا القرآن لا یاتون بمثلہ

تفسیر القرآن

وھو

الھدیٰ والفرقان

جلد سوم

سورۃ الانعام - الاعراف

تصنیف لطیف جناب فضیلت مآب قدسی صفات سید السادات [illegible]

نجم الہند والاسلام - سر آمد محدثین زماں - برآمد متکلمین پیشینیاں و پسینیاں

آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خان علیہ الرحمۃ والغفران

حسب فرمائش

منشی فضل الدین ککے زئی تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت

بازار کشمیری - لاہور

مطبوعہ یونیکسو لیسن سٹنگ ورکس لاہور

قیمت فی جلد ---- (عہ) ---- دو روپیہ